
کچّے دھاگے
Pdfbookkorner.blogspot.com
عابدہ نرجس

اس روز موسم بہت خراب تھا...... ہوا تیز تھی اور موسلا دھار بارش نے جل تھل کا سماں پیدا کر دیا تھا...... سردی کی آمد آمد تھی...... لیکن اس روز کی شدید بارش میں جاڑوں کی دستک بھی شامل ہو گئی تھی۔ ہمیں اسٹور سے مریضوں کیلئے کمبل نکالنے پڑے تھے اور سارے اسٹاف کو گھروں سے اپنے گرم کپڑے منگوانے پڑے تھے...... جن کے گھر زیادہ دور تھے انہیں ڈاکٹر براؤن کی اہلیہ نے سویٹر مہیا کیے تھے۔ بجلی کی ست رنگی چمک کھڑکی کے شیشوں میں سے بار بار جھانک رہی تھی۔ ہوا کی سائیں سائیں اور پانی کی بوندیں مسلسل کواڑ کھٹکھٹا رہی تھیں۔ بادل کی گرج بعض اوقات خوفزدہ کر دیتی تھی۔

اس وقت ایک لمبی سیاہ کار ہسپتال کے پورچ میں رکی۔ اس کا دروازہ کھلا...... نیلی برساتی کے کالر اٹھائے ایک شخص لپک کر باہر نکلا۔ اس نے دوڑ کر برآمدے کی سیڑھیاں طے کیں اور افراتفری میں ڈاکٹر براؤن کے کمرے میں گھس گیا۔

میں اس وقت ریسپشنسٹ ڈورا کے پاس بیٹھی چائے کی پیالی پر گپ شپ کر رہی تھی۔ ڈورا نے کمان ایسے ابرو اچکائے۔ ''عجیب شخص ہے...... سیدھا منہ اٹھا کر ڈاکٹر کے کمرے میں چلا گیا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اسے پہلے ریسپشن پر آنا چاہئے تھا......'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''قاعدہ تو یہی ہے...... پر لگتا ہے وہ ڈاکٹر صاحب کا جاننے والا ہے۔ جب ہی ہوا کے گھوڑے پر سوار شڑاپ سے ان کے کمرے میں گھس گیا ہے۔'' ڈورا بولی۔

"شاید کوئی ایمرجنسی ہوگی جب ہی تو ایسے خراب موسم میں بھاگا چلا آیا ہے۔" میں نے اندازہ لگایا۔

میری چائے کی پیالی ختم ہو چلی تھی اور میری ڈیوٹی کا وقت بھی ہونے والا تھا۔ میں گھڑی دیکھ کر اٹھنے کو تھی کہ انٹرکوم کی گھنٹی بجی...... ڈورا نے ریسیور اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور ریسیور میں بولی۔ "یس سر مس ربطہ جمال میرے پاس ہی بیٹھی ہیں۔"

میں اپنا نام سن کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو اس نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ریسیور میں کہا۔ "یس سر...... میں ابھی بھیجتی ہوں۔"

میں نے اشارے سے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے ریسیور رکھا اور ہنستے ہوئے بولی۔

"لو...... آ گیا تمہارا بلاوا۔ ڈاکٹر براؤن کی طرف سے جہاں ابھی ابھی وہ سمارٹ سا اجنبی گیا ہے۔" اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ "ڈورا...... آج کے موسم نے تمہیں بہت رومینٹک کر دیا ہے۔"

"سچویشن ہی ایسی ہے۔" اس نے شوخ آنکھوں کو شرارت سے گردش دی۔

میں نے اپنا پرس اٹھایا اور ڈورا کو ہنستا چھوڑ کر ڈاکٹر براؤن کے آفس کی طرف چلی۔ وہیں میں نے پہلی مرتبہ غزالی کو دیکھا۔ وہ میری خاطر غالباً کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ غیر معمولی طور پر دراز قد اور وجیہہ ہے۔ اس کے چمکیلے سیاہ بالوں میں بارش کے کچھ قطرے اٹکے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی اور اس کی حرکات میں اضطراب۔ اس کی خاموشی میں بڑی بے چینی تھی۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ میں اس کی جانب سے توجہ ہٹا لینے کے باوجود اس کی موجودگی سے لاتعلق نہیں ہو سکی۔ بظاہر میں ڈاکٹر براؤن کی بات سن رہی تھی لیکن میرا رواں رواں اس فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ پتہ نہیں میں اس سفید یونیفارم اور نرسنگ کوٹ میں کیسی لگ رہی ہوں؟ آج میرے بال بھی کچھ اچھے بنے ہیں یا نہیں......؟ آج میں ہلکی سی لپ اسٹک لگانا کیوں بھول گئی تھی۔

ڈاکٹر براؤن مجھ سے مخاطب تھے۔ "مس جمال! یہ غزالی صاحب ہیں...... تمہارے ہم وطن ہیں۔ اس وقت سخت مشکل میں ہیں۔ میرا خیال ہے تم ان کی مدد کر سکتی؟"

"سر...... میں......" میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ میز پر رکھے ہوئے شیشے کے پیپر ویٹ کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

"مس جمال! انہیں ایک مریضہ کی دیکھ بھال کیلئے ایک ماہر نرس کی خدمات درکار ہیں۔ میرے ذہن میں تو آپ کا ہی نام آیا ہے۔ آپ کی فرض شناسی کا سارا ہوسٹل معترف ہے۔"

"لیکن سر! مجھے تو گھر سے شاید اجازت نہ ملے۔ میری والدہ۔" میں نے عذر پیش کیا۔

"مس جمال! یہ ایک انسان کی زندگی کا سوال ہے اور آپ جس پیشے سے متعلق ہیں اس میں تو پہلی اہمیت فرض کو ہی دی جاتی ہے۔" ڈاکٹر براؤن کے قطعی لہجے میں حکم بھی شامل تھا۔

میں نے قدرے متفکر ہو کر پہلے ڈاکٹر براؤن اور پھر غزالی کی طرف دیکھا۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسحور کر دینے والی پرکشش آنکھوں کی التجا نے میری پس و پیش کو فوراً ہی نیم رضامندی میں بدل دیا۔

"پلیز مس جمال! میں ممنون ہوں گا۔" اس نے پہلی بار مجھ سے مخاطب ہو کر کچھ اس انداز میں کہا کہ میرا دل اس کی بات رکھنے کو کچھ بھی کرنے کو تیار ہو گیا۔

لیکن میں نے اپنے دل کی کیفیت کو ظاہر کیے بغیر کچھ پس و پیش کرنا ضروری خیال کیا۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے...... لیکن میرے گھر والے......"

"ڈاکٹر! پلیز مس جمال کی کچھ مدد کیجئے ناں۔" اس نے میری بات کاٹ کر ڈاکٹر سے کہا۔

اس کی اس التجا کو ڈاکٹر براؤن بھی رد نہیں کر سکے۔ انہوں نے میرے گھر کا

نمبر ملایا اور ممی سے اجازت لے لی۔ میرا دل پھول سا کھل اٹھا اور جب میں غزالی کے ہمراہ چلی تو ایک ناقابلِ فہم مسرت کی زبردست بوچھار میرے اندر اسی طرح ہو رہی تھی جس طرح کالے بادل ٹوٹ کر برس رہے تھے۔

میں ڈورا کی شریر آنکھوں میں میٹھی میٹھی چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہوتی اس کے ساتھ پورچ میں آئی۔ اس نے بڑی تہذیب سے پچھلا دروازہ کھولا اور پورے آداب کے ساتھ ہلکا سا خم ہو کر مجھے بیٹھ جانے کیلئے کہا۔ میں بیٹھ گئی تو اس نے مستعدی سے دروازہ بند کیا اور اسٹیئرنگ سنبھال کر کار کو ہوسٹل کے گیٹ سے باہر نکال لایا۔

سڑک پر جل تھل کا سماں تھا۔ تیز برستی بوچھاروں میں ونڈ اسکرین بار بار دھندلا جاتی تھی۔ بند شیشوں میں سے بھی بارش کی پھوار بار بار اندر آ رہی تھی۔ خنکی پہلے سے بہت بڑھ گئی تھی۔ میں بارش کی بوچھار سے بچنے کیلئے سیٹ کے درمیان ہو گئی تھی۔ میری نگاہیں بار بار بیک ویو مرر پر پڑ رہی تھیں جس میں غزالی کے چہرے کا عکس بار بار جھلک رہا تھا۔

اس کے چہرے پر پریشانی تھی اور وہ کار بہت تیز چلا رہا تھا۔ مجھے خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ اتنے خطرناک موسم میں اس اجنبی کے ساتھ کسی نامعلوم سمت کی طرف سفر کرتے ہوئے نہ میں پریشان تھی نہ متفکر..... تیز بارش میں چھینٹے اڑاتی ہوئی کار کا یہ سفر اس کے ہونے سے ہر آن ایک نئے مفہوم میں ڈھل رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ یہ کبھی تمام نہ ہو۔

وہ جس راستے پر جا رہا تھا وہ گندا اور ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ جگہ جگہ تعمیراتی سامان بکھرا پڑا تھا۔ ریت اور بجری کے اونچے اونچے ڈھیروں کے درمیان دیوہیکل مشینیں کھڑی تھیں۔ یہاں شاید بڑے پیمانے پر تعمیراتی کام ہو رہا تھا مگر اس وقت شدید بارش نے سارا کام معطل کر دیا تھا۔

وہ ایک اوسط درجے کے گھر کے گیٹ کے اندر داخل ہوا اور اس کے برآمدے کی سیڑھیوں کے ساتھ گاڑی کھڑی کی۔ بارش کی تیزی میں اب بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ بجلی اسی طرح چمک رہی تھی۔ وہ اپنی برساتی لپیٹتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکلا اور اس نے گھوم کر میری طرف کا دروازہ کھولا۔ میں نے جیسے ہی قدم باہر رکھا

بارش کی تیز بوچھار نے میرا استقبال کیا۔ میں تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی لیکن اتنی سی دیر میں میرا اسکارف اور کوٹ بھیگ گیا..... ہوا کی سردی نے مجھے کپکپا دیا۔

میں ابھی برآمدے میں کھڑی اپنے لباس اور بالوں پر سے پانی کے قطرے جھٹک رہی تھی کہ وہ میرا بیگ لیے ہوئے اوپر آیا اور شاید پہلی مرتبہ میرے سراپے پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔

''اوہ..... آپ تو بھیگ گئی ہیں..... کہیں آپ کو سردی ہی نہ لگ جائے..... موسم بھی تو کتنا ٹھنڈا ہو گیا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ میرا اسکارف اور کوٹ بھیگ جانے سے ٹھنڈک کا احساس اور بڑھ گیا تھا۔ اس نے میرے لیے دروازہ کھولا۔ وہ ایک ہال نما لاؤنج تھا جس میں کرسیاں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ شمالی دیوار پر ایک بہت بڑا پوسٹر لگا ہوا تھا جس میں کسی پہاڑی علاقے کا دلکش منظر اتنا واضح تھا کہ بالکل جیتا جاگتا معلوم ہوتا تھا۔ غزالی نے فوراً ہی ہیٹر آن کر دیا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

''آپ یہاں ہیٹر کے پاس آ جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں آپ کو سردی ہی نہ لگ جائے۔''

''شکریہ۔'' میں ایک ہی لفظ بول سکی اور اس کرسی پر بیٹھ گئی جو اس نے میری خاطر ہیٹر کے پاس رکھ دی تھی۔ ہیٹر کی گرمی نے میرے حواس بحال کر دیئے۔ میرے کوٹ کی نمی خشک ہو گئی اور میرا اسکارف بھی سوکھ گیا۔ میں نے ہیٹر کا نمبر کم کر کے اپنی کرسی اس سے کچھ دور ہٹا لی۔

سارے گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہاں کوئی نہیں رہتا۔ میرے دل میں خوف کی ایک پرچھائیں سی لہرائی..... پھر میں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ قابلِ اعتماد نہ ہوتے تو ڈاکٹر براؤن مجھے اس کے ساتھ بھیجنے پر بھی رضامند نہ ہوتے۔ میں اسی ادھیڑ بن میں لگی ہوئی تھی کہ غزالی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی۔

''مس جمال! یہ چائے آپ کیلئے۔'' اس نے بھاپ چھوڑتی ہوئی چائے کی

پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے انکساری سے کہا۔ ''پتہ نہیں کیسی بنی ہے دراصل مجھے پریشانی میں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''اوہو...... آپ نے یونہی تکلف کیا۔'' میں نے اس کے ہاتھ سے پیالی لے لی۔

اس نے جواباً کچھ نہیں کہا اور ایک کرسی پر گر سا پڑا۔ اس کی شاندار شخصیت کو پریشانی اور تفکرات نے ایک پرکشش سی رومانویت عطا کر دی تھی۔ اس کا دکھ اپنا لینے...... اس سے ہمدردی کرنے کو جی چاہتا تھا...... کمرے میں اس کی موجودگی پھر میرے اعصاب کو امتحان میں ڈالنے لگی۔ میں نے خاموشی توڑنے کو اسے مخاطب کیا۔

''آپ چائے نہیں پی رہے؟''

اس نے یوں چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میری بات اس نے سنی ہی نہ ہو۔ میں نے اپنی بات کو ذرا سا بدل دیا۔ ''یہ اکیلے چائے پینا اچھا نہیں لگ رہا...... آپ بھی تو چائے پئیں نا۔''

اس نے اپنا انداز نشست بدلا...... ہلکے سے کھنکھارا اور بڑی سادگی سے بولا۔ ''میں نے اپنے لئے بھی چائے بنائی تھی...... لیکن وہ وہیں کچن میں پڑی رہ گئی ہے۔ بس اس پریشانی میں کچھ نہیں سوجھ رہا۔''

''میں لے آتی ہوں جا کر......'' میں نے اپنی پیالی ایک طرف رکھتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

''نہیں...... نہیں...... رہنے دیجئے...... آپ زحمت نہ کریں۔'' اس نے روا داری سے کہا اور خود پھر کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

میں نے دو ایک بار حوصلہ افزائی کے فقرات استعمال کیے لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ چائے تیمور نے بنائی تھی شاید اسی لئے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کھڑکیوں پر ہوا کی دستک جاری تھی اور چھت پر بوندوں کے برسنے کا ترنم خنک فضاؤں میں بکھرتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی خاموش موجودگی میں اس کے ہاتھ کی بنی چائے پینا ایک خواب کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے چائے ختم کر کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک اپنی سوچ سے باہر نہیں نکلا تھا۔ میں نے اسے چونکایا۔

''مسٹر غزالی...... میرا خیال ہے اب ہمیں مریض کے پاس چلنا چاہئے۔''

وہ بغیر کچھ کہے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے بھی اٹھنا پڑا۔ اس نے اشارے سے راہداری کی جانب میری رہنمائی کی اور مجھ سے ایک قدم کا فاصلہ رکھ کر میرے ساتھ چلنے لگا۔ راہداری کچھ زیادہ طویل نہیں تھی اس نے داہنی جانب ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''جس کی ماں کی یہ حالت ہو مس جمال وہ پریشان نہ ہو تو کیا کرے۔''

میں نے بستر پر نگاہ ڈالی اور پہلی ہی نظر میں مجھے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کینسر کی مریضہ تھی اور اپنے آخری سانس پورے کر رہی تھی۔ میں نے پھر بھی تیمور کو تسلی دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھا۔

''غزالی صاحب! اللہ کے کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ وہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔''

اس نے سر جھٹکا۔ ''ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں بچھڑنے کا لمحہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔'' اس نے اذیت سے ہونٹ چبائے۔

''میرا بھی وہی خیال تھا جو ڈاکٹروں نے کہا تھا...... اسی لئے میں اس کی تسلی کیلئے مزید کچھ نہ کہہ سکی اور خاموشی سے کمرے میں چلی آئی۔ مریضہ کسی مسکن دوا کے اثر سے غنودگی میں تھی جو اس کی تکلیف میں کمی کرنے کیلئے دی گئی تھی۔ اس کی بیماری اب اس درجے پر تھی کہ اس کی زندگی کے جتنے سانس بھی باقی تھے انہیں ادویات کے ذریعے اس ناقابل برداشت اذیت سے خالی رکھا جا سکتا تھا۔ جو کینسر نے اس کا مقدر بنا دی تھی۔

میں نے مریضہ کی نبض دیکھی، گلوکوز کے سامان کو چیک کیا۔ میز پر رکھی ہوئی ادویات اور انجکشنوں کا جائزہ لیا اور ضروری جانچ کے بعد قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

غزالی اپنی ماں کے پلنگ کے قریب کھڑا ایک ٹک اس کے بیمار اور زرد چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر اس کے دل پر بیتنے والی اذیت کی روداد لکھی جا رہی تھی۔ اس کے غم کی تحریریں میرے دل پر بھی رقم ہو رہی تھیں۔ وہ

اس طرح کھڑے کھڑے گردوپیش سے بے خبر ہوگیا تھا۔ اسے اس اذیت دہ کیفیت سے نکالنے کیلئے میں نے اسے مخاطب کیا۔

''غزالی صاحب! حوصلے سے کام لیجئے۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے ہمدردی سے کہا۔''میں آپ کی والدہ کا پوری طرح خیال رکھوں گی۔ آپ جا کر آرام کیجئے۔''

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک بار جھک کر اپنی مریضہ ماں کی طرف دیکھا۔ اپنے ہاتھ سے اس کے پچکے ہوئے زرد رخسار کو کئی مرتبہ چھوا اور سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی موسم کا سارا حسن' رات کی ساری سحر طرازیاں اور خاموشیوں کا طلسم جادو یک لخت رخصت ہوگیا۔ میں...... میرا بے لطف فرض اور پہاڑ سی رات پیچھے رہ گئے...... میں نے مریضہ کا ایک مرتبہ پھر جائزہ لیا۔ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ نہ ہی اب اس کی توقع تھی...... میں نے ڈاکٹر کی ہدایات کا چارٹ دیکھ کر اسے انجکشن دیا...... گلوکوز کی نالیاں صحیح کام کر رہی تھیں۔ میں نے اپنے بیگ سے کتاب نکالی جو میں عموماً رات کی ڈیوٹی کے دوران پڑھنے کیلئے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں اور کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔ ایک دو مرتبہ مریضہ ہوش میں آئی لیکن اس کی نجات اسی میں تھی کہ اسے دوائی کے ذریعے ہوش وحواس سے بیگانہ کر دیا جائے۔

★ ★ ★

گھڑی کی ٹک ٹک اور مریضہ کی ڈوبتی ہوئی سانسوں کے ساتھ رات بتانا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ بارش کبھی کی رک چکی تھی البتہ ہوا تیز تھی جو بار بار کھڑکیوں کے رستے اپنی تندی اور سرکشی کا احساس دلا رہی تھی۔ کمرے میں ایک سوگوار سی خاموشی اور منجمد سی چپ پھیلی ہوئی تھی۔ میری آنکھوں پر نیند کی دھند چھانے لگی تھی۔ میری پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کی سطریں بار بار میری نگاہ سے غائب ہونے لگی تھیں۔ میں نے جماہی لیتے ہوئے سوچا کہ نیند کو بھگانے کیلئے چائے کی مدد لینی چاہئے۔

میں نے کتاب ایک طرف رکھی...... مریضہ انجکشن کے اثر سے غافل پڑی تھی اور ابھی کچھ دیر اس کے ہوشیار ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں اتنی دیر میں چائے کی ایک پیالی بخوبی تیار کر سکتی تھی۔ میں نے اٹھ کر راہداری میں قدم رکھا۔ یہاں کھلنے والے دونوں کمروں کے دروازے بند تھے۔ ہلکی روشنی کے نیلے بلب نے لمبی راہداری کو نیلی دھند سے بھر رکھا تھا۔ میں دل ہی دل میں اندازہ لگاتی ہوئی کہ کچن کس طرف ہوسکتا ہے ابھی چند ہی قدم چلی تھی کہ یکایک عقب سے دو مضبوط ہاتھوں نے مجھے دبوچ لیا۔ میرے ہونٹوں سے نکلنے والی چیخ کو ایک چوڑے چکلے کھردرے ہاتھ نے میرے ہونٹوں میں ہی گھونٹ دیا۔ میری مزاحمتوں کو اس آہنی گرفت نے بے بس بنا دیا۔

میری روح فنا ہوگئی۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں اتنا بھی نہیں جانتی تھی کہ میں کس کے چنگل میں پھنس گئی ہوں۔ میں اس آہنی گرفت میں اس طرح جکڑی ہوئی تھی کہ گردن موڑ کر دیکھنا محال تھا۔ اس نے زوردار ٹھوکر سے ایک بند دروازہ کھولا اور مجھے دھکیلتا ہوا اندر لے گیا۔

میری خوف سے پھٹی ہوئی آنکھوں نے دیکھا کہ غزالی اپنے بیڈ پر بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ ڈراؤنی صورت کا ماسک پہنے ایک شخص پستول اس کی کنپٹی سے لگائے کھڑا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی غزالی جست کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک غلیظ گالی اگلتے ہوئے خونخوار لہجے میں غرایا۔''چھوڑ دو اس کو...... چھوڑ دو...... ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

ماسک والے دیوزاد نے فوراً ہی اسے پستول کی زد میں لے لیا اور ٹریگر پر انگلی رکھ کر گنتی گننے لگا۔ غزالی بری طرح سے جھنجھلایا۔

''اپنی اس بکواس کو بند کرو...... اور چھوڑو لڑکی کو...... نہیں تو......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس طرح دانت کچکچائے کہ مجھے ان کی آواز سنائی دی۔

نہ جانے غزالی کے کہنے کا اثر تھا...... یا کوئی اور وجہ...... مجھے باندھنے والی آہنی گرفت کی کڑیاں ڈھیلی ہوگئیں۔''یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟'' خوف اور پریشانی سے میں تقریباً رو پڑی۔

غزالی نے اپنا بازو میرے گرد لپیٹ کر میرے بال سہلائے اور لفظ چبا کر ان دونوں خدائی فوجداروں سے بولا۔ ''اسے مریضہ کے پاس جانے دو۔ تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔''

''غزالی......'' ان میں سے موٹا بدتمیزی سے بولا۔ ''ہمیں تمہاری اس ہوتی سوتی سے مطلب ہے...... کیونکہ تم نے اس کو ہائی کمان کی اجازت کے بغیر بلایا ہے۔''

''بکو نہیں......'' غزالی غرایا۔ ''مجھے اپنی ماں کا علاج کرانے کیلئے کسی الو کے پٹھے کی اجازت لینے کی ہرگز ضرورت نہیں۔''

''علاج......'' موٹے کے لمبے ساتھی نے پستول کو ہوا میں اچھال کر دوبارہ ہاتھ میں لیتے ہوئے طنزیہ انداز میں لفظ کو لمبا کھینچ کر چہرہ بگاڑا۔ ''کونسا علاج......؟ بڑے بڑے ڈاکٹر تو اسے لاعلاج قرار دے چکے ہیں تو پھر تم نے اپنی اس کچھ لگتی کو کیا کرنے یہاں بلایا ہے؟''

''اپنا گندا منہ بند رکھ...... کمینے حرام خور...... میں اپنی ماں کی ایک ایک سانس کیلئے موت سے لڑوں گا۔'' غزالی نے غصے میں کھولتے ہوئے چیخ کر کہا۔

''زیادہ چیخ و پکار مچا کر لڑکی کے سامنے ہیرو بننے کی ضرورت نہیں...... سمجھے...... تم سیدھی طرح سے بتاؤ کہ ہائی کمان کو ڈیڈ باڈی کب تک مل جائے گی......؟'' موٹا اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخا۔

''غزالی کے ہونٹوں سے مغلظات کی بارش ہونے لگی۔ وہ مجھے چھوڑ کر منہ سے کف گراتے ہوئے موٹے پر جھپٹا۔ ''ہائی کمان کی ایسی کی تیسی...... الو کے پٹھے...... میں ابھی تیری ہی ڈیڈ باڈی کیوں نے بنا دوں۔''

میں سہم کر دیوار سے لگ گئی۔ خوف سے میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ میرے لئے کھڑے رہنا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ غزالی کی زوردار ٹھوکر سیدھی موٹے کی ٹھوڑی پر پڑی۔ شاید اس کی زبان کٹ گئی یا دانت ہل گیا کیونکہ خون کی ایک باریک سی دھار اس کے جبڑے سے بہہ کر ٹھوڑی پر چلی آئی۔ وہ لڑکھڑایا لیکن غزالی نے اسے سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ اس کی دوسری ٹھوکر بھی عین اسی مقام پر لگی جو پہلے اس کی زد میں آیا تھا اور غالباً پہلے سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ موٹے کے پاؤں

اکھڑے اور اس کا بھدا وجود دھپ کی آواز کے ساتھ دیوار سے بڑی زور سے ٹکرایا۔ غزالی نے شاید ایک اور وار کیا لیکن تب تک ماسک والا آگے بڑھ آیا اور اس نے غزالی کے کالر میں ہاتھ ڈالا اور اسے اپنی جانب کھینچ کر نہ جانے اس پر کونسا داؤ آزمایا کہ وہ تکلیف سے دوہرا ہو گیا۔ اس دوران موٹا بھی سنبھل گیا اور بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا غزالی پر آن پڑا۔

ان دونوں نے غزالی کو گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کے درمیان کسی گیند کی طرح گردش کرنے لگا۔ میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ غزالی کے وجود پر پڑنے والی ہر چوٹ جیسے میرے دل پر پڑ رہی تھی۔ میں نے کبھی کسی کو اتنی بے دردی سے پٹتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور یہ تو غزالی تھا جس کا نام میرے دل کی دھڑکنوں میں رچنے لگا تھا۔ اس پر گزرنے والی اذیت نے میرا اضطراب نقطہ عروج پر پہنچا دیا۔

میں بلا سوچے سمجھے دیوانوں کی طرح ان کے درمیان آ گئی۔ ''مت مارو اسے...... مت مارو...... پلیز بس کرو۔'' میں نے غزالی کو آگے بڑھ کر تھام لیا۔

وہ دونوں میری اس اضطراری حرکت پر یوں کھلکھلا کر ہنسے جیسے کوئی دلچسپ تماشہ دیکھ رہے ہوں۔ موٹا قریب آیا اور گوشت میں دھنسی ہوئی چندھی آنکھوں کو مجھ پر گاڑ کر بولا۔ ''واہ بھئی نرس...... تو تو بڑی مہربان ہے اس پر۔''

ماسک والے نے میرے بالوں کی ایک لٹ پکڑ کر کھینچی۔ ''سویٹی...... اگر تو بیچ میں نہ آ جاتی تو آج اس تیرے رومیو کا تو قیمہ بن جانا تھا۔''

''ڈارلنگ...... تو اپنے اس ٹارزن کو سمجھاتی کیوں نہیں؟'' موٹے نے میری ٹھوڑی چھوئی۔

غزالی ایک مرتبہ پھر اس پر جھپٹ پڑا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ دونوں تن و توش میں اس سے دوگنے تھے لیکن وہ ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر میرے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ کمرے کی حالت دگرگوں تھی...... کرسیاں الٹ گئی تھیں۔ سائیڈ ٹیبل لڑھک رہے تھے۔ ٹیبل لیمپ، کتابیں، پیپر ویٹ، ایش ٹرے اور نہ جانے کیا کچھ بکھرا اور ٹوٹ رہا تھا۔ میں دیوار سے لگی کانپ رہی تھی۔

اچانک موٹا غزالی کو چھوڑ کر چلایا۔ ''سٹاپ......''

اس کی اس آواز کے ساتھ ہی ماسک والے نے بھی غزالی کو چھوڑ دیا۔ غزالی غصے میں پھنکارتا...... اول فول بکتا پھر ان کی طرف بڑھا...... موٹے نے بڑی پھرتی سے پستول کی نال اس کی طرف سیدھی کر دی۔

''رک جاؤ غزالی اپنی یہ جی داری بچا کر رکھو...... ساری آج ہی نہ خرچ کر دینا۔ ہائی کمان سے سگنل آ گیا ہے تمہارے ساتھ اب معاملہ کسی اور طرح سے طے ہو گا۔'' وہ چہرہ بگاڑ کر بولا۔

''اچھا ٹاٹا...... بائے بائے......''

ماسک والے نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اپنی اس جیولیٹ کو اپنے پاس ہی رکھنا اسے یہاں سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں وہیں ہک بک کھڑی رہ گئی۔ خوف سے میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں ایک ایسے جال میں پھنس گئی ہوں جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا اور میرے سارے جسم پر لرزہ سا طاری تھا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے کہ میری وجہ سے؟'' پشیمان پشیمان سا غزالی میرے قریب آ کھڑا ہوا۔ ''میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو......'' وہ مارے خجالت کے پھر اپنا فقرہ مکمل نہیں کر سکا۔

میں دہشت سے گنگ سی ہو گئی تھی...... مجھ میں ہلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ میں بنا پلک جھپکے اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی...... اس نے آگے بڑھ کر آہستگی سے میرا بازو تھام کر مجھے ایک صوفے پر بٹھا دیا اور خود میرے پاس ہی قالین پر بیٹھ گیا۔

مجھ پر ابھی تک گزرے ہوئے لمحوں کا خوف اس طرح طاری تھا کہ میں حرکت کرتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔ غزالی نے میرے کانپتے ہوئے ٹھنڈے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھ میں لے کر لجاجت سے کہا۔ ''پلیز ریطہ...... مجھے معاف کر دیجئے......

میں آپ کو یہاں لانے کا مجرم ہوں...... میں آپ کا قصوروار ہوں...... لیکن میں......''
وہ ہونٹ بھینچ کر چپ سا ہو گیا۔

میں نے نگاہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آ جانے والے آنسوؤں کی طرف دیکھا جو اس کے لہجے کے بیچ میں گھلے ملے تھے۔ اس کا دھواں دھواں چہرہ کئی جگہ سے سوجا ہوا تھا۔ اس کی داہنی آنکھ کے پاس ایک بہت بڑا نیل تھا۔ اس کے نچلے ہونٹ سے خون رس رہا تھا اور یونانی دیوتاؤں کے سے دہانے کے ایک گوشے سے خون کی پتلی سی سرخ دھاری اس کی ٹھوڑی تک چلی گئی تھی۔ میرے دونوں ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھے۔ جس پر اس کے ہاتھوں کے گھٹتے بڑھتے دباؤ سے اس کے اندرونی اضطراب کا سراغ ملتا تھا۔

اس ایک لمحے میں ہی میرے سارے جذبے اس کے ہاتھ ہو گئے۔ اس کی انجانی ذات میرے اتنا قریب آ گئی کہ میں نے اپنائیت کے بے پناہ احساس کے ساتھ اس کی جانب دیکھا اور میرے لہجے میں میرے سارے جذبوں کا لگاؤ سمٹ آیا۔

''اوہ...... آپ تو زخمی ہیں۔''

اس نے شدت کرب سے اپنا سر جھٹکا۔ ''میرے زخموں کو آپ جانے دیں مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا یا نہیں۔ آپ میری طرف سے بدگمان تو نہیں ہیں؟ آپ کو میری بات پر اعتبار تو ہے ناں کہ میں اس طرح نہیں چاہتا تھا۔''

''اعتبار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ میں آپ سے بدگمان نہیں ہوں۔ مجھے آپ بڑی مصیبت میں نظر آتے ہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا۔

''آپ بہت عالی ظرف ہیں۔'' اس نے گہرا سانس لیا اور میرا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر بولا۔ ''میں آپ کا شکرگزار ہوں۔''

میں اس کی اس حرکت سے کچھ جھجک سی گئی اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی اٹھی اور اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''آیئے میں آپ کے زخم صاف کر کے دوائی لگا دوں۔''

وہ میری طرف پلٹا اور افسردگی سے بولا۔ ''میرے زخم تو بے شمار ہیں آپ

کس کس پر مرہم رکھیں گی۔''

''آپ سارے زخم مجھے دکھا سکیں گے......'' میں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''زخم تو مسیحاؤں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔'' وہ پژمردگی سے بولا۔

''کیا آپ کے زخموں نے اپنا مسیحا ڈھونڈ لیا ہے؟'' میرے ہونٹوں سے بے ساختہ نکل گیا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کے سنگین چہرے پر کرب کی دبیز تہہ کو ایک خوشگوار استعجاب نے مدھم کر دیا...... اس کی مسحور کن آنکھوں میں ایک الجھا ہوا سا سوال ابھر...... مجھے میری بات کی گہرائی اور میرے من کے چور نے محجوب سا کر دیا۔ اس کی آنکھوں کے استفسار سے بچنے کیلئے میں نگاہ چرا گئی اور شاید اسے میرے اس پرحجاب اجتناب میں اپنے کسی سوال کا جواب مل گیا۔ اس نے دو قدم بڑھ کر میرا بازو تھام لیا اور سرگوشی جیسے مدھم لہجے میں بولا۔ ''آؤ ریطہ مسیحائی کا معجزہ دکھاؤ۔'' میں اپنی حجاب سے بوجھل پلکیں نہیں اٹھا سکی۔

غزالی بچوں کی سی سعادت مندی کے ساتھ اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے زخموں کو دیکھا بھالا۔ دوائی لگائی اسے درد کم کرنے والی ایک ٹیبلٹ کھلائی۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور سادگی سے بولا۔ ''اب کیا کروں......؟''

''اب آپ آرام کریں میں مریضہ کے پاس چلتی ہوں۔'' میں نے اسے تاکید کی۔

اس کے چہرے سے مسکراہٹ یکدم غائب ہوگئی اور وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں بھی چل کر ماں کو دیکھتا ہوں۔'' اس نے گھبراہٹ اور پریشانی سے ملے جلے لہجے میں کہا۔ ''اتنی دیر سے تم بھی یہاں ہو...... پتہ نہیں ان کا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے...... آپ آ جائیں...... انہیں دیکھ کر کچھ دیر آرام کر لیجئے گا۔'' میں نے اس کی پریشانی کا خیال کرتے ہوئے کہا۔

وہ میرے ساتھ ہی چلا اور ہم تقریباً اکٹھے ہی مریضہ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ مریضہ پرسکون تھی۔ تیمور مجھ سے چند قدم آگے ہو کر مریضہ کے سرہانے جا کھڑا ہوا اور ایک ٹک اس کے زرد بیمار چہرے کی طرف

دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ اس طرح متغیر تھا جیسے اندرونی کرب سے بے حال ہے۔ مریضہ کے چہرے کی ستی ہوئی زردی کو میرے تجربے نے شک کی نگاہ سے دیکھا۔ میں نے تیزی سے اس کی نبض پر انگلیاں رکھیں اس کی کمزور کلائی زندگی کی حرارت سے خالی تھی۔ میں نے گھبرا کر اس کے دل کی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھا پریشانی سے پپوٹے کھول کر آنکھیں دیکھیں اور میں سن سی ہوگئی۔

''ریطہ...... ریطہ...... ماں جی تو ٹھیک ہیں؟ بولو...... مجھے بتاؤ۔'' غزالی نے بے قراری سے کہا۔

''غزالی خدا کی یہی مرضی تھی ہم مشیت ایزدی کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہیں۔'' میں نے بمشکل یہ چند الفاظ اگلے۔

''جھوٹ مت بولو...... جھوٹ مت بولو......'' اس نے بے یقینی سے کہا اور اپنی مردہ ماں پر جھک گیا...... ''نہیں...... نہیں...... ماں جی کو کچھ نہیں ہوا...... ماں جی کو کچھ نہیں ہوا...... وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں...... وہ ٹھیک ہیں...... بالکل ٹھیک ہیں...... تم جھوٹ بولتی ہو۔''

اس کی حالت دیکھ کر میری پلکیں بھیگ گئیں۔ میں پریشانی سے سوچنے لگی کہ اسے اس بے یقینی کی کیفیت سے کس طرح نکالوں۔ اسے اس سانحے کو قبول کر لینے پر کس طرح آمادہ کروں۔ میری اپنی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مجھے غزالی سے کوئی تعرض کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میں نے گلوکوز کی نالیاں علیحدہ کیں اور پلنگ کے دوسری طرف آ کر مریضہ کی ناک میں لگی ہوئی ٹیوب نکالنے کو میں نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ غزالی نے اسے بیدردی سے جھٹک دیا۔

''مت کرو......'' تم میری ماں کو مارنا چاہتی ہو۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

میں نے اس کے جذبات سے سرخ چہرے کی طرف دیکھا۔ یہ صدمہ اس کے دماغ پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ اسے یقین دلانے کی ضرورت تھی...... ورنہ اس کا ذہن اسی ایک نقطے پر اٹک سکتا تھا...... میں نے ہمت کی اور مضبوط لہجے میں تیمور کو مخاطب کیا۔ ''غزالی تمہاری ماں مر چکی ہے۔ مجھے ٹیوب نکالنے دو۔''

''تم جھوٹ بولتی ہو......'' وہ وحشت زدہ آنکھوں سے میری طرف دیکھ کر

چیخا۔

"نہیں میں جھوٹ نہیں بولتی...... تمہاری ماں واقعی مر چکی ہے۔ یہ دیکھو اس کی نبض رک چکی ہے۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

وہ دانت پیس کر پاگلوں کی طرح میری طرف بڑھا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

میں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔ وہ سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھتا ہوا اور آگے بڑھا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

میں بے طرح پریشان ہوگئی...... خوف و وحشت کی شدت سے مغلوب ہو کر میں نے حفاظت خود اختیاری میں ایک تھپڑ اتنے زور سے غزالی کے منہ پر مارا جتنے زور سے میں مار سکتی تھی اور چلائی۔ "تیمور ہوش میں آ جاؤ...... سمجھنے کی کوشش کرو...... تمہاری ماں مر چکی ہے۔"

میرے تھپڑ کی آواز سے تمام کمرہ گونج اٹھا۔ غزالی ٹھٹک گیا...... اس نے پلکیں جھپک کر میری طرف دیکھا...... میں نے ایک بار پھر دہرایا۔ "غزالی تمہاری ماں مر گئی ہے۔"

اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں ہولے ہولے نمی اتری...... اس کے بے تاثر چہرے پر کرب چھانے لگا...... اس نے سر جھٹک کر رندھے ہوئے گلے کے ساتھ کہا۔ "مت کہو اس طرح...... مت کہو۔"

وہ آہستہ آہستہ یوں قالین پر بیٹھ گیا جیسے اس کی ٹانگوں میں اس کا بوجھ سہارنے کی سکت نہ رہی ہو۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور شدت کرب سے چیختے ہوئے لفظ اگلے...... "یہ کیا ہو گیا...... اوہ میرے خدایا...... یہ کیا ہو گیا......"

میرا دل اس کیلئے دکھ سے بھر گیا...... اس کی ناگفتہ بہ حالت نے مجھے بھی جیسے اس کے غم میں شریک کر دیا...... میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ہمدردی سے لبریز لہجے میں تسلی کے لفظ چنے۔ "غزالی ہمت سے کام لو...... صبر کرو...... حوصلہ نہ ہارو...... خدا کی رضا یہی تھی...... ہر ایک کو ایک نہ ایک دن یہ غم سہنا ہے۔"

اس نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں...... وہ تاسف و ملال سے سر جھٹکتا جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

"میرے خدا یہ کیا ہو گیا ہے...... اس طرح نہیں ہونا چاہئے تھا...... کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

میں اس کے برابر قالین پر بیٹھ گئی...... میں نے ہولے ہولے اس کا بازو تھپکا۔ "غزالی خود کو سنبھالو...... تم جانتے ہو کہ تمہاری والدہ کو ایک لاعلاج مرض تھا...... وہ بہت تکلیف میں تھیں...... اس ابدی سکون نے انہیں نجات دے دی ہے...... تمہیں اس کی مغفرت کیلئے دعا کرنی چاہئے۔"

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "تم نہیں جانتیں ریطہ کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے...... تمہیں معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے...... ماں جی کے بعد مجھ پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے...... میں......" ٹیلیفون کی تیز گھنٹی نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ یوں اچھل کر اٹھا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

* * *

میں وہیں قالین پر بیٹھی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا چند لمحے کسی کی کوئی بات سنتا رہا...... پھر پوری قوت سے دھاڑا۔ "نہیں...... نہیں ہرگز نہیں...... میری طرف سے انکار ہے...... کہہ دو اس بلڈی فول سے...... میں ڈیڈ باڈی کسی قیمت پر نہیں دوں گا۔"

اس نے ریسیور پٹخ دیا...... مٹھیاں بھینچ کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے کمرے کے دو تین پر اضطراب چکر کاٹے...... میں ٹیلیفون پر ہونے والی یکطرفہ گفتگو سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکی۔ لیکن غزالی کا اضطراب دیکھ کر میرے دل کو خوف کی سردی یخ بستہ کرنے لگی تھی۔ میں قالین سے اٹھ کر غزالی کی طرف بڑھی۔ اور محتاط سے لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے جو تم اس قدر پریشان ہو۔"

اس نے یوں چونک کر میری طرف دیکھا جیسے اب تک میری موجودگی سے بے خبر تھا...... پھر تیز قدموں سے میرے قریب آیا اور جیسے پھٹ پڑا...... "اوہ...... میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ وہ لوگ کیا چاہتے ہیں...... وہ...... وہ میری ماں کی لاش خریدنا

چاہتے ہیں۔"

"لاش......" میں ہک بک رہ گئی۔

اس نے بیدردی سے ہونٹ چبائے اور پریشانی سے سر جھٹکا۔"وہ میری ماں کے تابوت میں سمگلنگ کا مال بھیجنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ......" حیرت اور صدمے نے مجھے گنگ کر دیا۔ میں پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

وہ پھر کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹتے ہوئے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔"نہیں......نہیں...... یہ نہیں ہوگا...... میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا...... میں...... ماں جی کی لاش کا سودا نہیں کروں گا۔"

فون کی تیز گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ میرا دل میرے سینے کی دیواریں توڑنے لگا۔ میرے سارے بدن میں بار بار کپکپی سی دوڑنے لگی۔ غزالی نے لپک کر فون اٹھایا۔ اس کی آنکھوں کا ہراس چھپا نہیں تھا...... میں سانس روک کر اس کی آواز سننے لگی۔

"کیسے وحشی درندے ہو تم...... تمہیں کسی رشتے کا پاس ہی نہیں...... تم نے مجھے اتنا نیچ سمجھ لیا ہے کہ میں اپنی ماں کی لاش کو کاروبار کا ذریعہ بناؤں گا...... تاکہ اس کی روح مجھ پر لعنت بھیجے...... میں نے ایک بار کہہ دیا ہے کہ میں کسی قیمت پر ایسا نہیں ہونے دوں گا......" اس نے ریسیور پٹخ دیا اور تیزی سے میری طرف بڑھا...... اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔

"ریطہ پلیز...... کیا تم مجھ پر ایک احسان کرو گی......؟"

میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔"ہاں کہو......"

"تم ڈرائیونگ تو کر لیتی ہو نا......؟" اس نے عجلت میں پوچھا۔

"ہاں......" میں نے جواب دیا۔

"تم ابھی اور اسی وقت ایک ایمبیسی چلی جاؤ......" اس نے تیزی سے کہا۔

"میں تمہیں ایک صاحب کا پتہ دیتا ہوں ان سے مل کر میری والدہ کے انتقال کے بارے میں بتانا...... باقی میں سنبھال لوں گا۔"

باہر پھیلی ہوئی رات اور خراب موسم میں ایمبیسی تک تنہا جانے کے خیال سے

مجھے جھرجھری سی تو آئی...... لیکن اس وقت غزالی میرے سامنے تھا...... اس کی مسحور کن آنکھوں میں التجا تھی اور وہ صدمے اور پریشانی میں غرق اس طرح دل میں اترا جاتا تھا کہ اس کیلئے کچھ بھی کیا جا سکتا تھا...... اس کی خاطر کوئی بھی خطرہ مول لیا جا سکتا تھا...... میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آئی۔

"غزالی تم خود کو اکیلا نہ سمجھو...... میں ہر طرح تمہارا ساتھ دوں گی۔"

وہ چند لمحے یوں بے یقینی سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے اسے اس کی توقع سے بڑھ کر حاصل ہو گیا ہو...... پھر اس نے بے ساختہ مجھے گلے سے لگا لیا اور میرے شانے سے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں رگڑتا ہوا بولا۔"ریطہ...... ریطہ...... تمہاری وجہ سے مجھے کتنی ڈھارس ہے۔" اس کے لفظوں میں آنسو تھے۔

میرا دل تفاخر و تسکین سے بھر گیا۔ میں نے گرمجوشی سے اس کے بال سہلائے اور بالکل کسی چھوٹے بچے کی طرح اسے تسکین دینے کی کوشش کی۔ لمحے کے بے حد چھوٹے سے حصے میں ہمیں احساس کی تپش اور جذبوں کی پختگی پر اعتبار آ گیا۔

اسی وقت زوردار دھماکے سے دروازہ کھلا اور ایک ٹھگنے قد کا مضبوط آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے گھنے بالوں میں چاندی کی سی چمک تھی اور چہرے پر کرختگی اور حیوانیت کے ساتھ بالکل چاندی کے تاروں ایسی بل کھاتی ہوئی مونچھیں عجیب سا تاثر پیدا کرتی تھیں۔ اس کے سامنے کے دانت غیر معمولی طور پر لمبے تھے۔ جنہوں نے اس کے خوفناک چہرے کو غیر انسانی بنا دیا تھا۔

غزالی نے مجھے فوراً ہی علیحدہ کر دیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے ہونٹوں سے صرف اتنا ہی نکلا۔"اسٹیل ہیڈ تم......"

اس نے بظاہر 'یس' کہا لیکن محسوس ایسا ہوا جیسے کسی زہریلے سانپ نے پھنکار ماری ہے۔ میرے جسم سے جیسے جان نکل گئی۔ میں لڑکھڑا کر قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسٹیل ہیڈ کی تیز نگاہ فوراً مجھ تک آئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی غراہٹ سنائی دی۔"اچھا تو یہ ہے وہ نرس جسے تم نے اپنی ماں کو زندہ کرنے کیلئے بلایا تھا۔"

"بکواس بند کرو اس لڑکی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا نام نہ

لو۔'' غزالی بھی اب سنبھل گیا تھا۔

اسٹیل ہیڈ نے قہقہہ لگایا۔ ''اس کا تعلق تمہارے ساتھ جو ہے۔ ابھی اپنی اس محبوبہ کو بانہوں میں لئے تم ہی کھڑے تھے ناں۔ ویسے لڑکی اچھی ہے۔ ہمیں تمہارا انتخاب پسند آیا ہے۔''

''شٹ اپ...... '' غزالی بھنایا۔ ''تم دفع ہو جاؤ فوراً یہاں سے۔''

''آرام سے...... آرام سے...... انسان اپنے آپے میں رہے تو ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔'' وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔

غزالی نے دانت پیس کر کچھ کہنا چاہا لیکن اسٹیل ہیڈ نے بڑی حقارت سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''کوئی لمبی چوڑی چیخ چیخ کرنے کی ضرورت نہیں...... تمہیں معلوم ہے ناں کہ میں ہمیشہ کسی ضروری مشن پر ہی بھیجا جاتا ہوں۔ ہائی کمان نے مجھے صرف تمہاری چوائس معلوم کرنے کیلئے بھیجا ہے...... تم ذرا جلدی سے فیصلہ کرلو کہ تم نے ماں کے تابوت کے ساتھ جانا ہے یا اپنے تابوت میں جانا پسند کرو گے اور یہ لڑکی تمہاری بیوہ کی حیثیت سے دونوں تابوتوں کے ساتھ جائے گی۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں اپنے حیوانوں جیسے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میرا سارا بدن ٹھنڈے پسینے میں نہا گیا۔ میں نے بے چارگی سے غزالی کی طرف دیکھا۔

''اس لڑکی کو ملوث کرنے کی کوشش نہ کرو سمجھے۔'' غزالی نے چیخ کر کہا۔

''یہ تو ملوث ہو ہی چکی ہے۔'' وہ چاندی کے تاروں ایسی مونچھوں کو بل دے کر بولا۔

غزالی نے غصے سے بل کھاتے ہوئے اپنے ہونٹ چبائے اور دانت بھینچ کر بولا۔ ''میں نے ہمیشہ ہائی کمان کے ساتھ وفاداری کی ہے۔ انہیں میری حالت کا اندازہ ہونا چاہئے۔ میری ماں مر چکی ہے مگر مجھ سے ہمدردی کرنے کے بجائے۔'' وہ شدت جذبات میں اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔

''یہ بیسویں صدی ہے بیسویں...... موت ہر شخص کا منطقی انجام ہے...... جذباتی مسئلہ نہیں...... تمہیں پرانے وقتوں کے جاہلوں کی طرح رونے پیٹنے اور شور

مچانے کی ضرورت نہیں...... جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب تم کام کی بات کرو...... سمجھے۔'' اسٹیل ہیڈ نے بے پناہ نرمی سے کہا۔

''تم لوگ انسان نہیں حیوان ہو...... حیوان...... '' میں تمہیں اپنی ماں کی لاش کی بے حرمتی کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔'' غزالی نے چڑ کر کہا۔

''مسٹر تمہارے لئے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ جب دوسروں کی ماؤں کی لاشیں اس طرح بھیجی جاسکتی ہیں تو تمہاری ماں کی کیوں نہیں؟''

غزالی زچ ہو گیا۔ ''وہ فرضی ماؤں کی لاشیں تھیں اور یہ میری حقیقی ماں ہے...... حقیقی......''

''اچھا...... تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔'' اسٹیل ہیڈ نے اپنی شکرے جیسی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ کر کہا۔

''ہاں......'' غزالی نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر دلیری سے کہا۔

''ایک بار پھر سوچ لو بعد میں یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔'' اسٹیل ہیڈ نے کھلے چیلنج کیا۔

تیموز نے حقارت سے سر جھٹکا اور اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہر شے داؤ پر لگانے پر تل گیا ہے۔

میرا دل خوف سے بیٹھا جا رہا تھا...... اسٹیل ہیڈ کے حیوانی چہرے پر اس کے ارادوں کی ہولناکی دیکھ کر میری روح فنا ہوئی جاتی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔

اسٹیل ہیڈ نے غزالی سے کچھ نہیں کہا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وائرلیس قسم کا کوئی سیٹ نکالا اور اس کا بٹن دبا کر بولا۔ ''ڈائمنڈ...... آپریشن زیرو تھری...... مکمل ہو گیا ہے۔''

''دوسری طرف سے 'یس سر' کی آواز سنائی دی۔

''بہت خوب۔ ایک سیکنڈ ضائع کیے بغیر غزالی کا نمبر ڈائل کرو۔'' اس نے حکم دیا۔

ابھی اس نے وہ سیٹ جیب میں بھی نہیں رکھا تھا کہ نیلی فون کی گھنٹی بج

اٹھی۔ میرے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ نہ جانے اگلے ہی لمحے کیا ہونے والا تھا۔ یہ ٹیلیفون کی گھنٹی نہ جانے کیا پیغام لے کر آئی تھی۔ میں نے خوفزدہ آنکھوں سے غزالی کی طرف دیکھا۔ وہ ٹیلیفون اٹھانے کیلئے آگے بڑھا۔ لیکن اسٹیل ہیڈ نے اسے ٹوک دیا۔ ''یہ فون میرے لیے ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کر ریسیور ہاتھ میں لے لیا۔

''یس...... اسٹیل ہیڈ اسپیکنگ......'' سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اچھا تم ریسیور میڈم دھنک کو دو وہ خود اپنے پیارے بھائی سے بات کرے گی۔ اس نے آنکھ کے گوشے سے ایک چھیڑتی ہوئی سی نگاہ غزالی پر ڈالی۔

دھنک کے نام پر غزالی جیسے اچھل پڑا۔ وہ مغلظات بکتا ہوا اسٹیل ہیڈ پر جھپٹا اور اس کا گریبان کھوسٹا ہوا چلایا۔ ''الو کے پٹھے تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ میری معصوم بہن پر ہاتھ ڈالو۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ تم...... تم......''

''ایزی بوائے...... ایزی......'' اسٹیل ہیڈ نے بغیر کسی گھبراہٹ یا اشتعال کے اپنا گریبان غزالی کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور چڑا دینے والے انداز میں بولا۔

''مائے ڈیئر ہمیں تو اس پر ہاتھ ڈالنا ہی تھا...... ظاہر ہے جب تمہارا اور تمہاری ماں کا تابوت بھیجا جائے گا تو ساتھ تمہاری بیوی کے علاوہ تمہاری بہن کا ہونا بھی تو ضروری ہے اور پھر تمہارے بعد جگہ بھی تو کسی نے سنبھالنی ہے نا اس کیلئے تمہاری بہن سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے...... لڑکیاں ویسے بھی اس فیلڈ میں زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔''

غزالی کا رواں رواں غصے سے جھنجھنا اٹھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ طیش اور صدمے کی شدت میں اس کے ہونٹوں سے پوری طرح ادا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اندھا دھند اپنے بیڈ کی طرف دوڑا شاید تکیے کے نیچے سے پستول نکالنے کیلئے۔

''بیوقوف گدھے پستول نکالنے کی حماقت نہ کرنا یہاں آ کر دھنک سے بات کرو۔'' اسٹیل ہیڈ نے تیز غصیلی آواز میں اسے ٹوکا۔

غزالی کا بس نہیں چلتا تھا کہ کیا نہ کر دے۔ اس کا چہرہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں بگڑ گیا تھا۔ وہ ہونٹ چباتا اور مٹھیاں بھینچتا اسٹیل ہیڈ کے قریب آیا اور منہ سے کف گراتے ہوئے بولا۔ ''ڈوب مرو کمینے...... تمہیں خود پر بھروسہ نہیں...... جو تم میری معصوم بہن کے ذریعے مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔''

اسٹیل ہیڈ نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مجھے یہ سارا منظر کسی خوفناک فلم کا ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ میں سانس روک کر سننے لگی کہ غزالی ٹیلیفون پر کیا گفتگو کرتا ہے۔ اس نے ریسیور کان سے لگا رکھا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ ہر لحظہ بدل رہا تھا۔ وہ جیسے کسی ناقابل بیان اذیت سے گزر رہا تھا۔ پھر اس نے بے چینی سے اپنے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''دھنک...... دھنک...... تم کوئی فکر نہ کرو میں ان کا بندوبست کرتا ہوں...... تم گھبرانا مت' پریشان نہ ہونا میں ابھی ان الو کے پٹھوں کو......''

اسٹیل ہیڈ نے فوراً ہی ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ غزالی بھنا کر اس کی طرف جھپٹا لیکن اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کے سینے سے لگا دیا اور ریسیور میں بولا۔ ''ڈائمنڈ...... ابھی لڑکی کو قابو میں رکھو میرا خیال ہے اس کو غزالی کے تابوت کے ساتھ ہی بھیجنا پڑے گا۔''

غزالی کے ہونٹوں سے مغلظات کا طوفان سا نکلا۔ اس کے منہ میں جو کچھ آ رہا تھا وہ بکتا چلا جاتا تھا۔ اسٹیل ہیڈ کے خوفناک چہرے پر غصے کے بجائے محظوظ ہونے کا تاثر تھا۔ وہ مسکرا مسکرا کر جیسے غزالی کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ غزالی کی حالت اس بپھرے ہوئے شیر کی سی تھی جس کو کسی مضبوط پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ اس کی گالیاں' اس کا غصہ' اس کا جارحانہ انداز سبھی کچھ اسٹیل ہیڈ پر رتی برابر بھی اثر مرتب نہیں کر رہے تھے۔ وہ سپاٹ اور بے نیاز چہرہ لیے کسی ستون کی طرح یوں جما کھڑا تھا جیسے اس انتظار میں ہو کہ تیمور کے بپھرے ہوئے جذبات کا نکاس ہو جائے تو وہ کوئی نیا داؤ آزمائے۔

غالباً غزالی کو بھی احساس ہو گیا کہ اس کا احتجاج بے سود ہے۔ پستول اس کے سینے سے لگا ہوا تھا اور اس کی بہن ان کے قبضے میں تھی۔ وہ کچھ نرم ہوا' ضبط کی کوشش میں اس کا دلکش چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ ''تم درمیان سے ہٹ جاؤ میں ہائی کمان سے خود بات کر لیتا ہوں۔''

''پیارے یہ اسائنمنٹ...... اسٹیل ہیڈ کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ کس طرح مکمل ہوگی۔'' اسٹیل ہیڈ نے دانت نکالے۔

''تم اپنی اس بک بک میں پہلے ہی بہت سا ٹائم ضائع کر چکے ہو...... بس اب فوراً ''یس'' کرو کیونکہ میں 'نو' سننے کا عادی نہیں ہوں۔''

غزالی کا چہرہ یکلخت متغیر ہوگیا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر کمرے میں دو تین چکر لگائے اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تم لوگوں کو شرم......''

''بس...... بس بہت ہوگئی۔'' اسٹیل ہیڈ نے غصے سے اسے ٹوکا۔ ''فوراً فیصلہ کرو...... ورنہ......'' اس نے یوں ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا جیسے اگلے ہی لمحے کچھ کرنے کا ارادہ ہو۔

غزالی نے اپنے بال نوچے اور اذیت سے تپتے ہوئے لفظ اگلے۔ ''ہاں میں تیار ہوں۔ یس...... یس...... ایس۔''

''گڈ شو۔'' اسٹیل ہیڈ نے چٹکی بجائی اور پلک جھپکتے میں یوں غائب ہوگیا جیسے ہوا میں تحلیل ہوگیا ہو۔ میں ساکت سی وہیں دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ میرے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ میں خوف کے پسینے میں بھیگ رہی تھی۔

غزالی جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ وہ اپنے بال نوچتا' انگلیاں چباتا بار بار خود سے کہہ رہا تھا۔ ''میں کمینہ ہوں...... میں ذلیل ہوں...... میں نے اپنی ماں کی لاش بیچ ڈالی ہے...... کاش...... کاش...... دھنک بیچ میں نہ آئی ہوتی...... تو میں انہیں۔''

اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر میرا دل صدمے سے ریزہ ریزہ ہوگیا...... اس کے دل پر گزرنے والی اذیت جیسے خود مجھ پر بیتنے لگی۔ میں چند قدم چل کر اس کے قریب آئی اور اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''غزالی...... خود کو سنبھالو...... زندگی میں بہت سے ایسے موقعے آتے ہیں جب نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں بھی مجبور کر دیا گیا ہے۔ ورنہ تم ایسا تو نہیں چاہتے۔''

اس نے اپنے شانے پر رکھا ہوا میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''اوہ ریطہ...... میری ماں

کی روح مجھ پر لعنت کرے گی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''غزالی تمہیں اپنی بہن کو بھی تو بچانا ہے۔ تمہاری ماں کی زندگی تو ختم ہو چکی ہے وہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ لیکن تمہاری بہن تو جیتی جاگتی ہے۔ تمہیں ہر حال میں اس کا تحفظ کرنا ہے۔ اسے ان درندوں سے بچانا ہے۔'' میں نے اپنے دل کی تمام تر نرمی اور گداز سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار سا بندھ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور اپنی مری ہوئی ماں کے پلنگ کی پٹی پر سر رکھ کر بلند آواز میں رونے لگا۔ اس کی آواز کا درد میرے دل میں اتر گیا۔ میری اپنی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر گئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے تسلی دوں۔ جیسے جیسے اس کی آواز بلند ہوتی تھی میرا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ میری گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مجھے دل کا دورہ پڑنے واالا ہے۔ میں بیقرار ہو کر آگے بڑھی اور میں نے اضطرار میں غزالی کا شانہ ہلایا۔

''غزالی...... غزالی...... پلیز چپ ہو جاؤ نہیں تو میں مر جاؤں گی۔ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ مجھے سخت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

غزالی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اپنی آستین سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ شاید میرے چہرے سے میری دگرگوں حالت مترشح تھی۔ اسی لئے تیزی سے اٹھ کر میری طرف بڑھا۔

''ریطہ...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اس نے تشویش سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم خود کو سنبھالو۔''

''میں بہت کمزور ہو گیا ہوں ریطہ...... بہت بے بس...... انہوں نے مجھے باندھ کر مارا ہے...... شاید...... مجھے...... میرے کیے کی سزا ملی ہے۔ میری برائیاں میرے سامنے آئی ہیں۔ میرے گناہوں نے میرے ہی منہ پر کالک مل دی ہے۔'' وہ ہولے ہولے قالین پر بیٹھ گیا جیسے اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہ رہی ہو۔

اس کا یہ لٹا لٹا سا انداز میرے دل میں اتر گیا۔ میں بھی اس کے برابر ہی

قالین پر بیٹھ گئی اور اس کی دلجوئی کی خاطر سج سج کر وہ لفظ چننے لگی جن میں میرے جذبوں کی اپنائیت اور گھمبیرتا سما سکے۔ ہم دونوں خلوص کے انجانے رشتے کی ریشمی ڈور میں بندھے قریب اور قریب آتے چلے گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ازل سے اس کی زندگی میں شریک ہوں اور وہ میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہے۔

اس کے دل میں بھی شاید ایسے ہی جذبے موجزن تھے۔ پہلے کی نسبت اس کی بے چینی اور پچھتاوا کم ہو گیا تھا۔ اسے میری صورت میں جیسے سہارا مل گیا تھا۔ ہم دونوں ہی محسوس کر رہے تھے جیسے ہم ایک دوسرے کا دکھ بٹانے کیلئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

کلاک کے گھنٹے نے ہمیں وقت کی سنگینی کا احساس دلایا۔ غزالی چونک کر جیسے گرد و پیش میں واپس آتے ہوئے بولا۔ ''پتہ نہیں دھنک کس حال میں ہے انہوں نے اسے چھوڑا بھی ہے یا نہیں؟'' غم اور فکر نے اس کے خوبصورت چہرے کو زرد کر دیا تھا۔ ایک ہی رات میں اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔

''تم نے ان کا مطالبہ مان لیا ہے...... اب انہیں دھنک سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''کچھ پتہ نہیں کس وقت کیا ہو جائے۔'' وہ جھنجلاہٹ میں قالین پر مکا مار کر اٹھا اور کسی جگہ فون کرنے کیلئے نمبر ملانے لگا۔ ابھی فون پر اس کا رابطہ قائم نہیں ہوا تھا کہ دروازے کی گھنٹی کئی بار بجی۔ میں گھبرا کر قالین سے اٹھی۔ غزالی نے الجھ کر ریسیور پٹخا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

⌘ ⌘ ⌘

دروازہ کھلتے ہی ایک لڑکی گرتی پڑتی اندر داخل ہوئی اور روتے ہوئے غزالی سے لپٹ گئی...... اس کے پیچھے ایک ہٹا کٹا حبشی تھا جس نے چبھتے ہوئے زرد رنگ کی تنگ سی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جس میں اس کا موٹا چربیلا جسم جگہ جگہ سے امنڈ رہا تھا۔ اس کے بھیڑوں ایسے گھنگریالے بال پھول کر چھتہ سا بنے ہوئے تھے اور اس کی سرخ ڈوروں سے بھری ہوئی نمایاں آنکھیں سب سے پہلے مجھ پر ہی مرکوز ہوئیں مجھے ٹھنڈے پسینے آ گئے۔ اس کے ساتھ دو اور مسٹنڈے بھی تھے جن کی تیز نگاہیں سارے کمرے میں چاروں طرف دوڑتی پھرتی تھیں۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ غزالی کے گلے سے لگی ہوئی لڑکی اس کی بہن دھنک ہی ہے۔ غزالی اسے تھپک تھپک کر تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ضبط کی انتہائی کیفیتوں کی اذیت تھی۔ شاید ان تینوں مسٹنڈوں کی وجہ سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا جس میں اسے بڑی دشواری ہو رہی تھی۔ دھنک نے اس کے شانے سے سر اٹھایا۔ اور سسکیوں کے درمیان بولی۔ ''بھیا یہ کون لوگ ہیں انہوں نے مجھے اغوا کر لیا تھا۔''

غزالی نے اس کی آنکھوں سے مسلسل بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا اور ملائمت سے بولا۔

''بس اب پریشان نہ ہو دھنک...... تم محفوظ ہو۔''

''لیکن...... لیکن یہ لوگ......؟'' اس نے ان تینوں کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ ''یہ اب جاتے کیوں نہیں۔''

''تم گھبراؤ نہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' غزالی نے اسے تسلی دی۔

''ماں جی...... اب کیسی ہیں؟؟'' دھنک نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے

کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ اور اپنی ماں کے بیڈ کی طرف بڑھی۔ غزالی نے اس کا بازو تھاما اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بولا۔ ''دیکھو دھنک اب ماں جی کتنے سکون سے ہیں۔''

دھنک نے سفید چادر سے ڈھکی ہوئی ماں کی لاش کی طرف دیکھا اور دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ غزالی نے اس کے شانوں کے گرد بازو لپٹ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اسے تسلی دینے لگا۔ وہ بہت دیر تک غزالی کے سینے سے لگی آنسو بہاتی رہی اس کی دلدوز ہچکیاں سارے کمرے میں سوگواری کی پرچھائیں بن کر تیرتی رہیں۔ میں پریشان سی کھڑی کبھی روتی ہوئی دھنک کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی ان تینوں خدائی فوجداروں کی طرف جو کچھ بے چینی سے چاروں طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس انتظار میں ہوں کہ دھنک کا رونا دھونا ختم ہو تو وہ کوئی نیا گل کھلائیں۔ میں ایک جانب کھڑی آنے والے لمحوں کے تصور سے لرز رہی تھی۔

دھنک کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ غزالی سے علیحدہ ہوئی اور اپنا آنسوؤں میں بھیگا ہوا گلاب چہرہ ریشمی اسکارف سے صاف کرتی ہوئی بولی۔ ''بھائی...... میں کاشف کو کیا جواب دوں گی۔ مجھے گھر سے باہر ساری رات گزر گئی ہے...... وہ...... وہ کیا سوچیں گے۔'' وہ پھر روہانسی ہو گئی۔

غزالی بھی متفکر ہوا۔ ''میرا خیال ہے اسے یہ تو پتہ نہیں ہو گا کہ تمہیں کڈنیپ کیا گیا ہے۔''

''کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا سمجھ رہے ہیں...... انہوں نے مجھے کام سے آتے ہوئے ہی اغوا کر لیا تھا۔ نہ انہیں فون ہو سکا نہ کچھ...... اب کیا پتہ وہ کیا سمجھ رہے ہیں...... میرے اس طرح غائب ہو جانے پر۔''

غزالی نے دانت پیس کر ان تینوں مسٹنڈوں کی طرف دیکھا اور منہ ہی منہ میں کوئی گالی بکی پھر دھنک سے بولا۔ ''ٹھہرو میں اسے فون کر کے تمہارے بارے میں بتلاتا ہوں کہ تم یہاں ہو تم بھی اس سے یہی کہنا کہ ماں جی کی طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے تمہیں یہاں رکنا پڑا۔ اور ٹیلیفون خراب تھا اس لئے اسے اطلاع نہ دے سکے۔''

دھنک نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ غزالی ٹیلیفون کی طرف بڑھا لیکن اس کا ہاتھ ریسیور پر پڑنے سے پہلے ہی موٹے حبشی نے ریسیور اپنے بھدے مضبوط ہاتھ تلے دبا لیا اور منہ بگاڑ کر بولا۔ ''مسٹر غزالی ٹیلیفون بعد میں ہو گا پہلے ہم سے بات کر لو۔''

''میں ایک بار اسٹیل ہیڈ سے بات کر چکا ہوں۔'' غزالی نے بگڑ کر کہا۔

''نہیں...... ابھی کچھ ضروری تفصیلات اور بھی طے کرنی ہیں۔ اس لئے ٹیلیفون کر کے بندے اکٹھے کرنے سے پہلے ذرا دوسرے کمرے میں آؤ۔ ان عورتوں کے سامنے کھل کر بات نہیں ہو سکتی۔ موٹے کی بات میں نے اور دھنک نے صاف سنی۔ دونوں کے دل میں وسوسے جاگے۔ دھنک تیزی سے غزالی کی طرف بڑھی اور اس کا بازو تھام کر بولی۔ ''نہیں بھائی تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ تم نے جو بات کرنی ہے یہیں کرو میرے سامنے۔''

''گھبرانے والی بات نہیں سویٹی تمہارا بھائی تو بہت ہی اچھا آدمی ہے۔ ہم نے بھلا اسے کیا کہنا ہے۔'' اس کا ساتھی مسخرے پن سے بولا۔

''تمہیں اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔'' غزالی نے غصے سے کہا اور دھنک کی پشت تھپتھپائی۔ ''دھنک تم ریطہ کے پاس بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔''

''بھائی...... یہ لوگ۔'' دھنک نے پریشانی سے ان کی طرف دیکھا۔ ''یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ میں آپ کو ان کے ساتھ دوسرے کمرے میں نہیں جانے دوں گی۔ انہیں کہو کہ میرے سامنے بات کریں میں آپ کو اکیلے ان کے ساتھ نہیں جانے دوں گی۔''

''ضد نہ کرو دھنک۔ میں ان سے بات کر کے ابھی آتا ہوں۔ تب تک تم کاشف کو فون کر لو۔'' غزالی نے نرمی سے کہا۔

''ابھی فون استعمال نہیں ہو گا۔'' حبشی نے ٹیلیفون کا کنکشن نکال لیا۔

غزالی نے ہونٹ بھینچ کر غصہ ضبط کیا۔ ''چلو مرو دوسرے کمرے میں اور بکو کیا بکنا ہے تمہیں۔''

حبشی نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اشارہ کیا اور تینوں غزالی کے ساتھ

دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

دھنک بے اختیاری میں ان کے پیچھے پیچھے چلی لیکن غزالی نے باہر نکلتے ہوئے کواڑ بھیڑ دیئے۔ میرے دل میں ہول سے اٹھنے لگے۔ دھنک نے اپنے دونوں ہاتھ سختی سے ایک دوسرے میں جکڑ لیے اور متوحش نگاہوں سے اس دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔

وہ بے حد سیاہ آنکھوں اور گنگھریالے بالوں والی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے دلکش خدوخال غزالی سے بہت مشابہ تھے۔ اس نے سیاہ ٹراوزر پر سیاہ اور سرخ چیک کا ہاف کوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے گلے میں سیاہ ریشمی اسکارف تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی میری طرف آئی اور قدرے تشویش سے کہنے لگی۔ ''آپ کو کچھ پتہ ہے کہ یہاں یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے سر کو نفی میں جنبش دی۔ ''میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تو رات ہی آپ کی والدہ کی دیکھ بھال کیلئے آئی ہوں۔''

''اوہ......'' وہ بے طرح الجھی اور بے چین قدم اٹھاتی پھر اس دروازے کی دہلیز تک گئی۔ جس سے ابھی ابھی غزالی ان لوگوں کے ساتھ باہر گیا تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر وہ ادھر ادھر کچھ سونگھنے کچھ دیکھنے اور کچھ سننے کی کوشش کرتی رہی مگر ناکام واپس ہوئی اور کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹتی ہوئی بولی۔ ''اف خدایا پتہ نہیں وہ لوگ بھائی کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ تینوں کے تینوں اتنے تو خوفناک ہیں۔ پورے بدمعاش لگتے ہیں۔ بھلا بھائی کے ساتھ اس وقت انہیں کیا ضروری کام ہے۔ خدا خیر کرے۔'' وہ پھر میرے قریب آ گئی۔ ''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے...... ہمیں یہاں چپ چاپ بیٹھنے کے بجائے کچھ کرنا چاہئے۔'' میری اپنی حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ میرا اپنا دل ڈوب رہا تھا۔ لیکن مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں اور ہماری مداخلت غزالی کیلئے اور بھی مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔ میں نے دھنک کے اضطراب میں کمی کرنے کو اسے تسلی دی۔ ''غزالی صاحب نے منع جو کیا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مجھے جھوٹی تسلیاں نہ دیں۔'' اس نے اپنے گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں

الجھاتے ہوئے کہا۔ ''بھائی ابھی تک نہیں آئے۔ میں یہاں انتظار نہیں کر سکتی میں خود جا کر دیکھوں گی چاہئے کچھ ہو جائے۔'' وہ پھر دروازے کی طرف بڑھی۔

''نہیں آپ مت جائیں۔'' میں نے اس کا بازو تھام لیا۔ ''کہیں اس وجہ سے ان کا کوئی کام نہ بگڑ جائے۔ انہوں نے منع جو کیا ہے۔''

اس نے روہانسے ہو کر اپنا سر پکڑ لیا۔ خدایا کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

میں نے اسے قریبی صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ ''پلیز آپ کچھ دیر آرام سے بیٹھیں۔ اس طرح آپ خود کو اور زیادہ پریشان کر لیں گی۔''

شاید اسے بھی حالات کی سنگینی کا کچھ احساس ہو چلا تھا۔ غالباً اسی لیے وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی لیکن اب بھی اس کی نگاہیں دروازے کی طرف تھیں۔

جیسے جیسے غزالی کو آنے میں دیر ہوئی تھی لمحے بھاری ہوتے چلے جاتے تھے۔ بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا اور آنے والے اندیشوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ دھنک بھی میرے قریب ہی بیٹھی اضطراب میں بار بار پہلو بدلتی اپنے ناخن چبا رہی تھی۔

راہداری میں قدموں کی آہٹ ہوئی اور غزالی کمرے میں داخل ہوا۔ دھنک بیتابی سے اس کی طرف لپکی۔ ''بھائی وہ لوگ کہاں ہیں؟''

''دفع ہو گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''وہ کیا کہہ رہے تھے آپ کو اس کمرے میں لے جا کر۔'' دھنک نے اس کا بازو تھام کر متفکر لہجے میں پوچھا۔

''بہن ...... ایسی کوئی فکر والی بات نہیں تھی۔'' اس نے دھنک کا گال تھپتھپایا۔ ''چلو آؤ پہلے کاشف کو فون تو کر لیں نا...... وہ بیچارا مفت میں پریشان ہو گا۔''

وہ فون کرنے کیلئے آگے بڑھا۔

''نہیں بھائی...... پہلے مجھے بتاؤ وہ آپ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔'' دھنک نے پھر اس کا بازو تھام لیا۔

''دھنک...... دھنک...... کوئی ایسی خاص بات نہیں۔ تم خود کو کیوں پریشان

کرتی ہو...... چلو آ جاؤ جلدی سے کاشف کو فون کر لیں۔" غزالی نے بات ٹالتے ہوئے کہا اور فون کے نمبر ملانے لگا۔

دھنک کی تسلی نہیں ہوئی تھی لیکن کاشف کے ذکر پر وہ کچھ اور زیادہ پریشان ہو گئی۔

"گھبراؤ نہیں...... میں ابھی اس سے بات کر لیتا ہوں۔" غزالی نے کہا۔ دوسری طرف شاید لائن مل گئی تھی۔ غزالی نے اپنا رومال ماؤتھ پیس پر رکھا۔ "ہیلو کاشف میں غزالی بول رہا ہوں...... یار کل سے فون خراب تھا اب کہیں جا کر ٹھیک ہوا ہے۔ یار کوئی اچھی خبر نہیں...... ماں جی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں...... دھنک بہت پریشان ہے۔ وہ آفس سے سیدھی ادھر ہی آ گئی تھی۔ ماں جی کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ ہمارے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا پھر فون بھی خراب تھا تمہیں اطلاع بھی نہیں دے سکے۔ نہیں تم اس وقت تکلیف نہ کرو صبح آ جانا۔" دھنک کی طرف سے فکر نہ کرنا وہ ہماری طرف ہے بس یار اللہ کی مرضی...... اچھا خدا حافظ۔"

اس نے ریسیور رکھا...... دھنک جو اس کے بالکل ساتھ لگی دوسری طرف ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی تھی بیتابی سے پوچھنے لگی۔ "کیا کہہ رہے تھے کاشف...... انہیں شک تو نہیں ہوا۔"

"نہیں......" غزالی نے تسلی دی۔ "وہ تو ابھی آنا چاہتا تھا...... میں نے منع کر دیا۔"

"انہوں نے مجھ سے بات کرنے کیلئے نہیں کہا۔" دھنک نے پوچھا۔

"نہیں......" غزالی نے جواب دیا۔ "ایسا تو اس نے نہیں کہا۔"

"اچھا" دھنک کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"دھنک تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ اس نے بھی تو ماں جی کی ڈیتھ کی خبر اچانک سنی ہے۔ پریشانی میں خیال نہیں رہا اسے۔" غزالی نے اسے متفکر دیکھ کر کہا۔

"مگر انہیں پوچھنا تو چاہئے تھا میرا۔" دھنک کے دل میں شاید کوئی وسوسہ جڑ پکڑ رہا تھا۔

"ارے بابا...... یہاں آ جو رہا ہے وہ...... آ کر جو پوچھنا ہوگا پوچھ لے گا۔"

غزالی نے روا روی میں کہا۔

لیکن دھنک کے خوبصورت چہرے سے کسی ان دیکھے اندیشے کا گدلا سایہ نہیں ٹلا۔ وہ من ہی من میں کچھ سوچتی ہوئی صوفے پر چپ سی بیٹھ گئی۔ غزالی چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے صوفے کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور دھنک کے الجھے ہوئے بال سنوارتا ہوا ملائمت سے بولا۔ "پگلی...... اتنا فکر کیوں کر رہی ہے وہ آئے گا تو میں اچھی طرح سے اس کا اطمینان کرا دوں گا۔ کچھ نہیں کہے گا وہ۔"

دھنک نے اثبات میں سر ہلایا لیکن صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ مطمئن نہیں ہے۔

گھڑی کی سوئیاں کچھ اور آگے بڑھ آئیں۔ کلاک نے گھنٹہ بجایا اور صدیوں پر محیط رات کی سیاہیاں دھندلانے لگیں۔ کھڑکی کے شیشوں میں سے صبح صادق کے آثار نظر آنے لگے۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھی صبح کے پانچ بجے تھے۔ مطلع ابھی تک ابر آلود تھا۔ اسی لئے ہر طرف اندھیرے کا سا سماں نظر آتا تھا۔ صبح ہو جانے کے یقین نے مجھے نجات کا احساس دلایا۔ میرے سارے وجود پر چھایا ہوا خوف کسی حد تک کم ہوا۔ اس پراسرار قید خانے سے رہائی کا وقت قریب آ پہنچا تھا۔ میں نے غزالی کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "غزالی صاحب اب مجھے اجازت دیجئے۔"

غزالی نے چونک کر گھڑی دیکھی اور اپنا سر ہلاتا ہوا بولا۔ "ہاں آپ کو جانا تو ہے۔"

میں اٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ غزالی میرے قریب آیا اور پرامید لہجے میں بولا۔ "ربطہ...... کیا میں امید رکھوں کہ ہمارے راز آپ کے پاس امانت ہوں گے۔"

"آپ صرف امید نہ رکھیں آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔" میں نے دوہری سچائی سے کہا۔

وہ ہونٹ چباتے ہوئے کچھ سوچتا رہا کچھ سوچتا رہا پھر اس کے ہونٹوں تک کوئی بات آئی جس کا عکس اس کی مسحور کر دینے والی آنکھوں میں بھی چمکا مگر نہ جانے کیوں اس نے اسے اپنے ہونٹوں پر ہی روک لیا۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں۔

اس نے میز پر سے کار کی چابی اٹھائی اور دھنک سے بولا۔ ''دھنک میں ریطہ کو چھوڑ کر تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

دھنک نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کی نگاہ ماں کی میت کی طرف گئی۔ مجھے بھی اس کی تنہائی کا خیال آیا اگر یہ لوگ اس وقت اپنے وطن میں ہوتے تو اس پھول سی لڑکی کو یوں تنہا اپنی ماں کی میت کے ساتھ نہ رہنا پڑتا۔

''گھبراؤ نہیں میں ابھی آ جاؤں گا۔'' غزالی نے اس کی پریشانی بھانپ کر کہا۔

مجھے اپنی خودغرضی پر ندامت ہوئی۔ ''رہنے دیجئے غزالی صاحب ابھی کچھ دیر ٹھہر جاتے ہیں۔ آپ کے کچھ عزیز آ لیں تو میں پھر چلی جاؤں گی۔ دراصل یہ علاقہ میرے لئے نیا ہے ورنہ میں آپ کو زحمت نہ دیتی۔''

''نہیں...... نہیں...... یہ تو میرا فرض ہے کہ آپ کو خود چھوڑ کر آؤں۔ یہ اپنا ملک تو نہیں ہے۔ یہاں عزیز رشتہ داروں میں ہے ہی کون جو تعزیت کیلئے آئے گا۔'' غزالی نے تیزی سے جواب دیا اور دھنک سے بولا۔

''اچھا دھنک میں بس ابھی گیا اور ابھی آیا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے جیسے بڑا حوصلہ کر کے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

غزالی نے میرا بیگ اٹھا لیا اور میرے آگے آگے چلتا ہوا پورچ تک آیا جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے پچھلے دروازے کے بجائے اگلا دروازہ کھولا میں خود بھی اس کے برابر بیٹھنا چاہتی تھی تاکہ کچھ الوداعی کلمات کہہ سکوں۔ اس نے میری طرف والا دروازہ بند کیا اور دوسری طرف سے آ کر دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ ایک جیپ زن سے گیٹ میں داخل ہوئی۔ اور چرچراتے ہوئے پہیوں کے ساتھ اس نے بالکل غزالی کی کار کے قریب بریک لگائے۔

میں نے پلٹ کر کار کے پچھلے شیشے میں سے دیکھا جیپ کا دروازہ کھول کر اسٹیل ہیڈ کود کر باہر آیا۔ جیپ کے پچھلے حصے میں اس جیسے ہی مشکوک لوگ ٹھنسے ہوئے تھے۔ غزالی جھنجلاہٹ میں بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے باہر نکلا۔ تب تک اسٹیل ہیڈ قریب پہنچ چکا تھا۔

''یہ کدھر کی تیاری ہے؟'' اس کا انداز تحکمانہ تھا۔

''تمہارے کیا ارادے ہیں؟'' غزالی نے اکھڑ پنے سے جواب دیا۔

اسٹیل ہیڈ نے کھلے ہوئے دروازے میں سے جھک کر میری طرف دیکھا۔

''یہ اپنی محبوبہ کو کہاں لے جا رہے ہو؟''

''بکو نہیں......'' غزالی نے غصے سے کہا۔

''پیارے تمہاری اس محبوبہ کے ساتھ ہمارے راز بھی باہر جا رہے ہیں اور تم جانتے ہی ہو۔'' اس نے چبا چبا کر اگلا ہوا جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

مجھے وحشت ہونے لگی۔ مجھے اپنے اردگرد دیواریں سی اٹھتی نظر آنے لگیں۔ میں سانس روک کر غزالی کی بات سننے لگی کہ وہ صورتحال سے کس طرح نبٹتا ہے۔

''تم فکر نہ کرو تمہارے راز راز ہی رہیں گے۔'' غزالی نے درشتی سے کہا۔

''تم اس کی ذمہ داری لیتے ہو؟'' اسٹیل ہیڈ نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' غزالی نے لمبی سی ہاں کی۔

اسٹیل ہیڈ نے پھر جواباً کچھ کہا...... لیکن وہ کسی ایسی زبان میں تھا جو میرے لئے نامانوس تھی اس لئے میں کوئی مفہوم اخذ نہیں کر سکی۔ غزالی نے کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ کھول کر کار میں بیٹھ گیا۔

وہ سب کے سب وہیں کھڑے رہے اور غزالی نے کار سٹارٹ کی اور دوسرے گیٹ سے باہر نکال لایا۔ میں نے گردن موڑ کر اسٹیل ہیڈ اور اس کے ساتھیوں کو وہیں کھڑے دیکھا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکی۔ ''آپ کی بہن پیچھے اکیلی ہے اور یہ لوگ۔''

''نہیں کچھ نہیں ہوتا...... تم فکر نہ کرو۔'' غزالی نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

کھلی سڑک کو دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ رہائی کے خوشگوار احساس نے میرے سانس کی آمدورفت کو سہل کر دیا۔ غزالی معمول سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کا چہرہ کسی گہری سوچ کا غماز تھا۔ میں چپ چاپ اس کے برابر بیٹھی رہی اور میرا دل میرا انجان پاگل دل اس کیلئے دھڑکتا رہا۔ اس کی پریشانیوں اس کی مشکلات اور اس کی بے بسی نے میری ساری ہمدردیاں جیت لیں اور میرے

دیوانے دل میں جتنے بھی جذبے جتنے بھی احساسات امنڈے وہ سب کے سب صرف اور صرف اس کیلئے تھے۔ جو میرے برابر بالکل چپ بیٹھا ہوا تھا۔

وہ بھی چپ تھا اور میں بھی...... میری چپ میں جتنی بھی سوچیں تھیں ان سب کا محور غزالی تھا نہ جانے اس کی چپ میں کس کا تصور جاگزیں تھا۔ بظاہر تو وہ سڑک پر نگاہیں جمائے یوں گاڑی چلا رہا تھا جیسے میری موجودگی سے بے خبر ہو۔

میں اس کی مشکلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی تھی۔ شاید اسی لئے مجھے اس کی یہ خاموشی کھل نہیں رہی تھی۔ جس طرح دگرگوں حالات میں وہ گھرا ہوا تھا ان میں اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی لطیف جذبے کا اظہار کرے گا۔ یا رومانی مکالمے بولے گا۔ اس کے باوجود وہ میرے لئے اجنبی نہیں رہا تھا۔

میں نے اسے گھر کا پتہ بتایا اور وہ طوفانی رفتار سے میرے گھر کے دروازے تک آ پہنچا۔ اس نے بریک لگائے اور میری طرف پلٹ کر بولا۔ ''ربطہ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔''

''نہیں کوئی بات نہیں غزالی...... تم تو مجھ سے زیادہ پریشان ہو۔'' میں نے ہمدردی سے کہا۔

''یہ سب پریشانیاں...... میری اپنی بلائی ہوئی ہیں...... میں اسی کا مستحق ہوں۔'' اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ میں تمہارے لئے فکر مند رہوں گی۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں...... میں جانتا ہوں...... مجھے معلوم ہے۔'' اس نے پورے یقین سے کہا اور میری گود میں رکھے ہوئے میرے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ کر گرمجوشی سے دبایا۔

میرے ہونٹوں پر یہ بات آتے آتے رہ گئی کہ ہم پھر کب مل سکیں گے؟ ہم نے نہ خدا حافظ کہا نہ ایک دوسرے کو الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ میں دروازہ کھول کر باہر نکلی اور وہ زن سے گاڑی بڑھا لے گیا۔

★ ★ ★

میری زندگی میں وہ رات یادوں کی البیلی دھنک بن کر یوں کھل گئی جیسے موسم کی پہلی بارش کے بعد دھلے دھلائے آسمان پر رنگوں کی پینگ سی جھولنے لگتی ہے۔ اس رات کے بعد کتنی ہی راتیں گزریں اور کوئی بھی رات اس کی یادوں کے بغیر نہیں گزری۔ میں اس کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک نہیں سکی۔ اس کے لمس کی حدت، اس کی گرفت کی سختی ابھی تک میرے ہاتھ کی پشت پر باقی تھی۔

ہر آہٹ پر مجھے اس کی آمد کا گمان ہوتا تھا۔ فون کی ہر گھنٹی اس کے فون کی امید بن کر مجھے چونکا دیتی تھی۔ وہ میرے لئے ایک پہیلی بن گیا تھا۔ میں اسے بوجھ لینا چاہتی تھی۔ میں اس کے بارے میں کچھ جان لینا چاہتی تھی اور شاید میری انا اس میں اپنی تسکین تلاش کرنا چاہتی تھی کہ اس نے بھی مجھے یاد رکھا ہے۔ اسے بھی میری جستجو ہے وہ بھی میری آرزو رکھتا ہے۔

لیکن دن پر دن گزرتے رہے اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ نہ کوئی رابطہ ہوا۔ نہ ملنے کی کوئی آس بندھی۔ کبھی کبھی مجھے خیال آتا کہ وہ مجھے فون تو کر سکتا تھا لیکن اس نے تو اس کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی اور مجھے کوئی یہ بتانے والا بھی نہیں تھا کہ اس نے مجھے یاد رکھا ہے یا نہیں۔ سوائے میرے دل کے۔ جو اس کا دیوانہ تھا جو اکثر یہ کہہ کر مجھے چپکے چپکے تسلی دیتا تھا کہ اگر وہ میرے دل میں ہے تو میں بھی اس کے دل کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوں گی لیکن شاید اسے اپنے دل میں جھانکنے کی فرصت ہی نہیں ملتی ہو گی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا تھا میرے اندر بے چینی کی دھیمی دھیمی آنچ سلگتی تھی۔

میرا دھیان اس کی جانب سے ہٹتا نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں وہ مجھ پر اس طرح چھا گیا

تھا کہ میں ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتی تھی۔ شاید اسی لئے میں کچھ کھوئی کھوئی سی بھی رہنے لگی تھی۔

میرے گھر میں جس نے سب سے پہلے مجھ میں اس تبدیلی کو محسوس کیا وہ افتی تھا۔ افتی میرا کزن ہی نہیں بچپن کا ساتھی بھی تھا۔ طبیعتوں کی مناسبت نے ہمیں دوستی کے رشتے میں باندھ دیا تھا لیکن میری جانب سے دوستی کے اس رشتے میں کسی سہانے جذبے کی آمیزش نہیں ہوئی تھی مگر میں محسوس کرتی تھی کہ دوستی کا یہ سنہرا بندھن افتی کی طرف سے روز بہ روز ریشمی سا ہوتا جا رہا ہے۔ کئی بار اس کے رویوں کے ریشم کی گرہ میرے محسوسات کو قید کر لیتی لیکن میں ہر بار اسے ڈھیلا کر دیتی۔ میں ہمیشہ اسے مذاق میں ٹال جاتی۔ تب وہ بھی اسے سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا۔ شاید اس کا وجدان اسے آگاہ کر دیتا تھا کہ ہمارے درمیان کوئی اور نہیں اس کے جذبے براہ راست مجھ تک پہنچتے ہیں۔ ان کے راستے میں کوئی اور حائل نہیں...... وہ جو کچھ مجھے سمجھانا چاہتا ہے میں اسے سمجھ لیتی ہوں خواہ اس پر ظاہر ہونے دوں یا نہ دوں۔

مگر غزالی کے بیچ میں آ جانے کی وجہ سے جیسے یکلخت میرا افتی سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ میں جو پہلے اس کے ساتھ گپیں ہانکتے نہیں تھکتی تھی اب اس کے ساتھ بات کرنے کیلئے بڑی کوشش سے کوئی موضوع تلاش کرنا پڑتا تھا اور جب گفتگو کا آغاز ہوتا تھا تو وہ فوراً ہی اس طرح ختم ہو جاتی تھی جیسے اچانک دونوں کے درمیان اجنبیت کی بلند دیوار اٹھ گئی ہو۔ میں نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا لیکن میں اس کی وجہ بھی جانتی تھی اسی لئے میں خاموش تھی مگر افتی اسے ہونٹوں پر لے آیا اور میرے پیچھے ہی پڑ گیا۔

اس روز موسم بے حد خوشگوار تھا لیکن میرے اندر کا موسم بہت اداس کر دینے والا تھا۔ شاید اس کی وجہ باہر کے موسم کی خوشگواری تھی۔ جو غیر معمولی طور پر رومانی جذبات کو مہمیز کرتی اور سوزِ فراق کو افزوں کر دیتی ہے..... میرے اندر پھیلی ہوئی فراق رتوں کی اداسی میرے وجود پر بھی چھانے لگی تھی۔ افتی کی موجودگی نے میرے پاگل دل کو بہلایا نہیں تھا۔ میں اپنی ہی نارسا سوچوں میں کھوئی کھوئی سی تھی کہ افتی کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

''ریطہ تم کہاں؟''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو افتی؟''

''میں جانتا ہوں کہ تم یہاں نہیں ہو ریطہ...... بہت دنوں سے تم کہیں کھو گئی ہو۔ میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں...... لیکن تم ملتی نہیں ہو۔'' اس کی کھوجتی نگاہیں میرے چہرے سے چھونے لگیں۔

''یوں ہی......'' میں نے سر جھٹکا۔ ''یہ تمہارا وہم ہے...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' میں نے یوں کہا جیسے کوئی خاص بات نہ ہو لیکن میں غیر ارادی طور پر اس سے نگاہیں چرا رہی تھی۔

اس نے میرا بازو تھام لیا اور ہلکا سا دباؤ دیتا ہوا بولا۔ ''میری طرف دیکھو...... میری طرف...... پھر کہو ناں کہ کوئی بات نہیں ہے۔''

میں یونہی چور سی بن گئی...... مجھ میں اس سے نگاہیں چار کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں بمشکل اپنی پلکیں اٹھا سکی اور میں نے اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے کہا۔ ''افتی تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو خواہ مخواہ ہی۔'' میں نے اس کے ہاتھوں سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

اس نے میرا بازو نہیں چھوڑا بلکہ مجھے دونوں بازوؤں سے تھام کر اپنے روبرو کر لیا اور دانت پیس کر بولا۔ ''ریطہ کی بچی...... نالائق......'' اس نے مجھے ایسا زوردار جھٹکا دیا کہ میرا سارا وجود لچک گیا۔ ''جلدی بول...... فوراً بتا...... تجھے کس نے چرا لیا ہے...... بتا...... بول جلدی......''

میں خود کو چھڑانے کیلئے تلملائی۔ ''کیا کرتے ہو افتی...... چھوڑو مجھے...... چھوڑو ناں......''

اس پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ اس نے پلک جھپکتے میں مجھے اٹھا کر تیسری منزل کی کھڑکی میں سے اس طرح باہر لٹکا دیا کہ میرا آدھا دھڑ باہر تھا۔ ''میں تجھے ابھی باہر سڑک پر پھینک دوں گا۔ نہیں تو جلدی بتا یہ کس کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہے تو۔ ہمارے ہاتھ سے کیوں نکلتی جاتی ہے۔ بول جلدی...... بتا......''

میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میں نے مضبوطی کے ساتھ اس کے کوٹ کے

کالر پکڑ لیے۔ ''یہ کیا طریقہ ہے افتی کے بچے...... چھوڑو مجھے...... ہائے اللہ میں گر جاؤں گی۔''

''تمہیں باہر پھینکنا ہی تو ہے...... خدا کی قسم بس ابھی جا رہی ہو نیچے...... نہیں تو بتاؤ۔'' اس نے مجھے کھڑکی میں سے کچھ اور نیچے جھکاتے ہوئے کہا۔

''کیا مصیبت ہے افتی...... میں کیا بتاؤں تمہیں۔'' میں روہانسی ہوگئی۔

''جو میں نے پوچھا ہے...... وہ بتاؤ...... نہیں تو ابھی پھینکتا ہوں تمہیں نیچے۔ ایک منٹ میں تمہاری ہڈیاں چورا ہو جائیں گی...... قیمہ بن جائے گا تمہارا۔'' اس نے میرے ہاتھوں سے اپنے کوٹ کے کالر چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے مجھے دھمکایا۔

''اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہے تو بنا دو میرا قیمہ...... ایک ہی بار جھگڑا ختم ہو۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

وہ چند لمحے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف اس طرح دیکھتا رہا کہ میرا آدھا دھڑ کھڑکی سے باہر لٹکا ہوا تھا۔ پھر اس نے مجھے میرے قدموں پر کھڑا کیا اور جذباتی سے لہجے میں بولا۔ ''ربطہ...... تم میری جان ہو...... میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔''

میں پشیمان سی ہو کر پرے ہٹ گئی اور اپنی دلی کیفیات کو اس سے چھپا لیا لیکن شاید وہ جان گیا تھا کہ وہ مجھے کھو چکا ہے۔ اس کے اور میرے درمیان کوئی حائل ہو گیا ہے۔ اب اس کے جذبات مجھ تک نہیں پہنچتے۔ ہولے ہولے ہم قریب رہنے اور ہر روز ملنے کے باوجود بھی دور ہوتے گئے۔ ایک دوسرے سے ہنسنے بولنے اور گفتگو کرنے کے باوجود یوں محسوس ہونے لگا جیسے عرصہ ہوا ہم ایک دوسرے سے نہیں ملے۔

میرا من غزالی کیلئے سلگتا رہا...... میرا دھیان اس کی جانب سے کبھی نہیں ہٹا...... میں کسی مستانی چکوری کی طرح تصور ہی تصور میں اس کی جانب پرواز کرتی رہتی۔ حالانکہ اس روز کے بعد وہ کہیں نہیں ملا نہ اس کا کوئی پیام آیا۔ میرے پاس نہ کوئی یقین دہانی تھی نہ التفات۔ لیکن دھڑکنوں میں اسی کا نام دھڑکتا تھا۔

ایک روز اچانک ایک کار نے ہسپتال کے پورچ میں آ کر بڑے زور سے بریک لگائے۔ چوکیدار اور دوسرے ملازمین پریشان ہو کر اس کی طرف بڑھے۔ میں نے بھی وارڈ کی کھڑکی کے شیشے میں سے جھانکا اور میری روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔

میرا دل سینے کی دیواریں توڑنے لگا۔ مجھے یقین کرنا محال ہو گیا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ کوئی خواب ہے یا حقیقت۔

مگر وہ خواب نہیں تھا۔ خواب تو بہت سہانے اور جادو جگانے والے ہوتے ہیں لیکن وہ تو تلخی کا احساس رگ رگ میں گھول دینے والی حقیقت تھی۔ کار کا دروازہ کھول کر دھنک افراتفری میں باہر نکلی۔ اس نے ہوسپٹل کے ملازمین سے جلدی جلدی کچھ کہا۔ تھوڑی دیر میں ایک اسٹریچر باہر پہنچ گیا۔ کار کے پچھلے حصے میں سے کسی کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا گیا اور دھنک پریشان چہرے کے ساتھ روتی ہوئی آنکھیں پونچھتی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ میرے لئے اب وہاں ٹھہرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں اپنی ساتھی سسٹر کو تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر تیز قدموں سے ایمرجنسی کی طرف بڑھی۔ لیکن اس سے پہلے ہی اسٹریچر آپریشن تھیٹر کی طرف جا چکا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ مریض کی حالت نازک تھی۔ جب ہی تو اسے فوراً آپریشن کیلئے لے گئے تھے۔ ایمرجنسی ڈاکٹر کے ساتھ میرا نام بھی پکارا جانے لگا تھا۔

میں عجلت میں دھنک کی طرف بڑھی تا کہ اس سے معلوم کر سکوں کہ آپریشن تھیٹر کی طرف لے جایا جانے والا مریض کہیں غزالی تو نہیں۔

''دھنک......'' میں نے اسے متوجہ کرنے کو پکارا۔

وہ تیزی سے میری طرف پلٹی...... میرے منہ سے اپنا نام سن کر اسے حیرت ہوئی شاید اس نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔ مجھے بھی تعارف کرانے کی نہ فرصت تھی نہ خیال۔ میں نے چھوٹتے ہی کہا۔

''آپ کے ساتھ یہ مریض کون ہے......؟ غزالی صاحب تو خیریت سے ہیں؟''

اس کی دلنشیں آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسو یکدم چھلک کر رخساروں پر آ گئے اور وہ نچلا لب دانتوں تلے داب کر بولی۔ ''وہ غزالی بھیا ہی تو ہیں۔''

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ''ہوا کیا ہے انہیں......؟'' میں نے پریشانی سے پوچھا۔

''بس کیا بتاؤں۔'' اس نے ہونٹ بھینچ کر سر جھکا۔ ''وہ...... وہ دراصل

سیڑھیوں سے پھسل گئے تھے...... اس وقت سے بے ہوش ہیں۔ پلیز آپ کچھ کریں نا پلیز...... اگر...... اگر انہیں کچھ ہوگیا تو...... میں......'' وہ مسلسل بہتے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

میں خود بے حد پریشان تھی لیکن میں نے اسے تسلی دینے کی اپنی سی کوشش کی۔ ''آپ حوصلہ رکھیں دھنک خدا سے دعا کریں۔''

تب تک ایمرجنسی میں میرا نام بار بار پکارا جانے لگا تھا۔ میں نے حوصلہ افزائی کیلئے دھنک کا شانہ تھپتھپایا اور ایمرجنسی کی طرف بھاگی...... میں غزالی کو دیکھنے کیلئے بے چین تھی مجھے بار بار یہ اندیشہ دہلا رہا تھا کہ پتہ نہیں میں غزالی کو کس حال میں دیکھوں گی۔

آپریشن ٹیبل پر اس کا ساکت وجود میرے سامنے تھا۔ اس کے یونانی دیوتاؤں کے سے دلکش چہرے پر خراشیں اور نیل تھے۔ اس کی مسحور کر دینے والی آنکھیں بند تھیں اور اس کے لب خاموش۔ وہ مسلسل بیہوشی کے عالم میں تھا۔ ڈاکٹر اور دوسری معاون نرسوں کے خیال سے میں نے اپنے آنسوؤں کو روک لیا جو امنڈ گھمنڈ کر میری آنکھوں سے ٹپک پڑنے کو تھے۔

بے حد تھکا دینے والے کئی گھنٹوں پر محیط آپریشن نے مجھے چور چور کر دیا۔ ہر لمحہ ایک نئی آس بندھتی اور ٹوٹتی رہی...... خدا خدا کر کے آپریشن مکمل ہوا اور امید کی اجلی کرن نے اپنے روشن چہرے کی نرالی چھب دکھلائی۔ ہم آپریشن تھیٹر سے نکلے تو دھنک تیزی سے ڈاکٹر کی طرف لپکی۔ طویل آپریشن سے تھکے ہوئے ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپتھپا کر تسلی کے کچھ لفظ کہے اور آگے بڑھ گیا۔ میں ڈاکٹر سے چند ہی قدم پیچھے تھی۔ دھنک کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ بیتابی سے میری طرف آئی۔

''اوہ...... پلیز...... پلیز...... مجھے کچھ بتائیں...... بھائی کا کیا حال ہے...... انہیں ہوش تو آ گیا ہے ناں...... میں انہیں کب دیکھ سکوں گی......؟'' اس نے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال پوچھ لیے۔

میں نے اس کے متفکر چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ ان آنسوؤں میں غزالی کی محبت چھلک رہی تھی۔ میرے بھی ضبط کے

بندھن ٹوٹ گئے۔ میں جو اتنی دیر سے اپنے آنسوؤں پر بند باندھ باندھ کر تھک گئی تھی پگھل کر رہ گئی۔ میں نے بے ساختہ دھنک کو گلے سے لگا لیا اور اسے بازوؤں میں بھینچ کر خوشی کے لہجے میں کہا۔ ''دھنک خدا کا شکر ہے آپریشن کامیاب رہا ہے...... غزالی کو جلد ہوش آ جائے گا۔''

دھنک کیلئے جذبات مسرت کی یورش میں کچھ بھی بولنا محال تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسو چھلک گئے۔ اور تیزی سے اس کے رخساروں پر بہتے چلے گئے۔ اس نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا۔

میں اسے ریٹائرنگ روم میں لے آئی۔ وہ جان لیوا انتظار کے کرب میں ڈوبتی ابھرتی رہی تھی اس لئے قدرے مضمحل سی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کیلئے چائے منگوائی تو وہ سادگی سے بولی۔ ''میں نے آپ کو پہچان لیا ہے...... آپ وہی نرس ہیں ناں جو اس رات ہمارے گھر پر تھیں۔ جب ماں جی فوت ہوئی ہیں...... مجھے آپ کا نام یاد نہیں آ رہا۔''

''مجھے ریطہ کہتے ہیں۔'' میں نے تعارف کرایا۔

اس نے میرا نام ہونٹوں ہی ہونٹوں میں دوہرایا اور ایک ستائشی نگاہ مجھ پر ڈال کر چائے پینے میں مصروف ہوگئی۔

میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''دھنک کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ غزالی کو یہ چوٹ کس طرح لگی؟''

اس نے غیر ارادی طور پر چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور محتاط سے لہجے میں بولی۔ ''وہ سیڑھیوں پر سے گر پڑے تھے۔''

''کیسے......'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پھسل گئے تھے۔'' اس نے جیسے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر بات کرنے سے کتراتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنی تمام تر توجہ خود کو چائے پینے میں مصروف کرنے پر صرف کر رہی تھی۔ میں نے اس کے اجتناب کو بھانپ لیا۔ اور اسے اعتماد میں لینے کو کہا۔ ''دھنک...... غزالی کے بارے میں میں بھی تھوڑا بہت جانتی ہوں کہ وہ کس قسم کے حالات کا شکار ہے اور اس کا واسطہ کس قسم کے

لوگوں سے ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ وہ سیڑھیوں سے اچانک پھسلا تھا یا کسی نے اسے دھکا دیا ہے یا کوئی اور بات ہے۔''

اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تذبذب کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ وہ تھوڑا ہچکچائی۔ ''آپ نے جو کچھ معلوم کرنا ہے..... وہ بھائی سے پوچھ لیجئے گا..... مجھے کچھ اتنا زیادہ پتہ نہیں ہے۔''

مجھے اس پر پیار سا آ گیا۔ وہ اپنے بھائی کی خاطر راز داری سے کام لینا چاہتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اس کے بھائی کیلئے کسی خطرے یا پریشانی کا باعث بن جائے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''دھنک مجھ پر اعتماد کرو..... میں یہ سب کچھ غزالی کی بھلائی کی خاطر ہی پوچھ رہی ہوں کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اس کا کوئی دشمن اسے پھر نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔''

''کیا.....؟ کیا مطلب.....؟'' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس نے چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی۔

''گھبراؤ نہیں دھنک تمہیں اپنے بھائی کی خاطر ہمت سے کام لینا ہے۔ تمہیں اس کے دشمنوں کا مقابلہ بہادری سے کرنا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' میں نے اس کی ہمت بندھائی۔

''وہ دراصل.....'' اس نے شدت کرب سے ہونٹ کاٹے۔ ''دراصل یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔'' اس کی جھیل ایسی آنکھوں میں شفاف آنسو تیرنے لگے۔ میں بغیر کچھ کہے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ دراز پلکیں جھپک کر ان آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی گئی۔ لیکن کچھ شفاف قطرے ستاروں کی طرح اس کی گھنیری پلکوں کی جھالر میں اٹکے رہ گئے۔ وہ اپنی انگلیوں کے ناخن دانتوں سے کاٹتے ہوئے۔ شاید اپنی بات زیادہ سے زیادہ محتاط طریقے سے مجھ تک پہنچانے کا ڈھنگ سوچتی رہی پھر مدھم لہجے میں بولی۔ ''آپ کو پتہ ہے ناں کہ اس روز ان لوگوں نے مجھے کڈنیپ کرلیا تھا۔''

میں نے ہنکارا بھرا۔ ''ہاں..... مجھے یاد ہے.....''

''بس..... میں اور بھیا دونوں کاشف کو مطمئن نہیں کر سکے کہ میں رات بھر گھر سے کہاں غائب رہی تھی۔ انہوں نے شاید مجھے ان لوگوں کی کار میں دیکھ لیا تھا یا کسی اور نے انہیں کچھ بتا دیا۔ بس انہوں نے کسی بات کا اعتبار ہی نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے۔'' وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں پھر چند لمحے خاموش رہی اور اس کی آنکھوں میں جل تھل کا سماں چھایا رہا۔ ''انہوں نے اپنے راستے الگ کر لیے۔ وہ طلاق دینا چاہتے تھے..... لیکن میں..... میں نے..... میں.....'' وہ آنسو ضبط کرنے کی اذیت کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور اس کے معصوم دل کی شکستگی اس کی دلکش آنکھوں کے رستے بہنے لگی۔ میں اٹھ کر اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے تسلی کیلئے اس کا شانہ تھپتھپایا اور ہمدردی کے کچھ لفظ کہے۔ وہ اپنے رومال سے اپنی آنکھیں پونچھتی رہی۔

''لیکن میں طلاق نہیں لینا چاہتی تھی کہ شاید..... شاید کبھی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے..... شاید وہ کبھی تلافی کی کوشش کریں..... شاید وہ کبھی لوٹ کر آنا چاہیں.....تو ان کیلئے واپسی کا راستہ باقی ہو۔'' وہ پرخیال لہجے میں بولی۔

''ہاں دھنک..... اگر تمہارے اور کاشف کے رشتے میں محبت ہے تو تمہیں اس ریشمی ڈور کو توڑنا نہیں چاہیے۔ تمہیں اچھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ وقت کبھی نہ کبھی تمہاری معصومیت کی ضرور گواہی دے گا اور کاشف کو اپنے رویے پر پشیمان ہونا پڑے گا۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

اس کی خوبصورت آنکھوں میں آس کی لو جگمگائی اور وہ قدرے سنبھل گئی۔

''بھائی کو اس کا بہت دکھ ہے..... انہوں نے اس بات سے بہت اثر لیا ہے۔ وہ ان لوگوں کو میرا گھر اجاڑنے کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ اسی بات پر ان سے جھگڑا ہوا۔ بہت لڑائی ہوئی..... بھائی تو اکیلے تھے ان لوگوں نے انہیں سیڑھیوں پر سے دھکا دے دیا تھا۔ میری تو جان ہی نکل گئی تھی..... اگر بھائی کو کچھ ہو جاتا..... تو میں..... میں مر جاتی۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے کہنے لگی۔

''غزالی کو ہوسپٹل تو تم خود ہی لے کر آئی ہو..... وہ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''انہوں نے ہی بھائی کو اٹھا کر کار میں ڈالا تھا اور یہ کہہ کر دفع ہو گئے تھے

کہ میں انہیں ہوسپٹل لے جاؤں اور اگر میں نے کسی کو اصل بات بتائی تو...... اسی لئے میں آپ کو بتا نہیں رہی تھی۔" اس نے عذر پیش کیا۔

مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ غزالی کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں ورنہ وہ اسے ہسپتال نہ پہنچانے دیتے۔ اس سے مجھے قدرے اطمینان ہوا کہ غزالی کو ہوسپٹل میں کسی حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ میں نے دھنک کو بھی یہ بات سمجھائی تو اس کے خوف اور پریشانی میں قدرے کمی ہوئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور میرے چہرے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "پلیز...... ایک بار مجھے پھر بتایئے کہ بھائی ٹھیک تو ہو جائیں گے نا...... انہیں کوئی خطرہ تو نہیں...... انہیں دماغ پر چوٹ لگی ہے ناں اس لئے مجھے بہت فکر ہے...... کہیں خدانخواستہ۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

میں نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کا ملائم ہاتھ تھپتھپایا اور دل ہی دل میں کہا۔ "دھنک تم کیا جانو کہ میں بھی اس کیلئے کتنی پریشان ہوں اور اس کی صحت یابی کی کتنی شدت سے منتظر ہوں۔" مجھے خاموش دیکھ کر دھنک نے بے چینی سے پہلو بدلا اور متفکر لہجے میں بولی۔ "آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

میں من ہی من میں مسکائی۔ میں واقعی اس سے اپنے جذبے اپنے احساسات اور اپنے دل کا چور چھپا رہی تھی لیکن وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔ میں نے کھل کر مسکراتے ہوئے اس کی دلنشیں آنکھوں میں دیکھا۔ "انشاء اللہ دھنک غزالی صاحب بہت جلد اچھے بھلے ہو جائیں گے۔ اس آپریشن کے بعد امید بندھ گئی ہے...... تم دعا بھی کرنا۔"

اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملائے اور اس نے میرے رخسار پہ چھوٹا سا پیار کر لیا۔

میرا دل' میرا دھیان اور میری ساری توجہ اسی کمرے کی جانب تھی جہاں غزالی کو خاص نگہداشت کے وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ میں نے اپنی ڈیوٹی وہیں لگوا لی تھی۔ اس کا ہر ہر لمحہ میرے دھیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ ان دنوں میں بہت کم گھر گئی۔ میں یوں بھی ایک بے حد فرض شناس نرس تھی میں ان مریضوں کیلئے بھی دن رات ایک کر دیتی تھی جن سے میرا تعلق سوائے انسانیت کے کوئی اور نہیں تھا اور یہ تو میرا خاص مریض تھا جس کے ساتھ جیسے صدیوں کے رشتے اور ازل کے بندھن بندھے تھے۔

میرے جذبوں کے سارے تعلق اس کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں اسی لئے نرس تھی کہ مجھے غزالی کی تیمارداری کرنی تھی۔ اسے زندگی کی طرف لوٹانا تھا۔ میرے اس انہماک نے جلد ہی غزالی کو ہوسپٹل میں میرا "سپیشل مریض" مشہور کر دیا۔ میں نے اس کی تردید نہیں کی۔

میں دھنک کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ اس لئے اس تنہا گھر میں غزالی کے بغیر رہنا ممکن نہیں تھا۔ میری ممی بہت ہی مشفق خاتون ہیں...... میری بہنیں بھی اسے پسند کرنے لگی تھیں۔ وہ بہت جلد ہمارے گھر کا ایک فرد بن گئی تھی۔

دھنک کے خیال سے میرے گھر والے بھی کبھی کبھی غزالی کو دیکھنے آ جاتے تھے۔ ایک روز ان کے ساتھ افق بھی آیا۔ میں نہ جانے کیوں دل ہی دل میں ایک موہوم سے احساس جرم کا شکار ہو گئی۔ میں نہ کھل کر اس سے بات کر سکی نہ ہی اس سے نگاہیں ہی چار کر سکی۔ مگر میں بہت واضح طور پر محسوس کر رہی تھی کہ افق کی نگاہیں غزالی کے چہرے سے ہٹ کر بار بار میرے چہرے سے چھو رہی ہیں۔ وہ خوب ہنس بول رہا تھا۔ اپنی مخصوص شگفتہ طبعی سے اس نے کمرے کی بوجھل فضا کو ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

پھر وہ کھڑکی کی طرف گیا اور کچھ دیر اس کے شیشے میں سے باہر جھانکتا رہا۔ میں کسی ضرورت سے اس کے برابر سے بے خیالی میں گزری تو وہ میری طرف پلٹا۔

"ربطہ...... ذرا یہ دیکھنا۔"

میں نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا...... میں اس وقت اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا میرے ہونٹوں سے نکلے ہوئے کسی لفظ یا میری کسی حرکت سے وہ میرے دل کی گہرائیوں میں نہاں خانوں کا سراغ نہ لگا لے لیکن اب تو اس نے پکار ہی دیا تھا۔ اب اسے نظرانداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں خود کو سنبھال کر اس کے برابر جا کھڑی ہوئی اور بظاہر عام سے لہجے میں پوچھا۔ "کیا......؟"

اس نے کھڑکی میں سے نظر آنے والے عقبی لان کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں وہ مریض جن کی حالت کچھ بہتر تھی چہل قدمی کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ ویل چیئر پر بھی تھے۔ اکثر کے عزیز رشتہ دار ان کے ساتھ تھے۔

"ان مریضوں کو دیکھ رہی ہو تم......؟" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''ہوں......'' میں نے بدستور کھڑکی میں سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان کے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں بھی۔'' اس نے پوچھا۔

''ظاہر ہے سبھی کچھ دیکھ رہی ہوں۔'' میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ شرارت کے موڈ میں تو نہیں لیکن میں اس کے چہرے پر کچھ بھی تلاش نہیں کر سکی۔

''ان کے چہروں سے پھوٹتے ہوئے جذبوں کو بھی کبھی تم نے دیکھا ہے؟ کبھی پڑھا ہے؟ کبھی ان میں بسی ہوئی کہانیوں کو جانا ہے؟ بڑا دلچسپ مطالعہ ہے یہ۔'' اس کی نگاہوں نے میرے چہرے کو ڈھانپ لیا۔

میں قدرے بے چین ہوئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتا ہے لیکن میں نے اس پر کچھ ظاہر کیے بغیر عام سے لہجے میں کہا۔ ''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہاں کام اتنا ہوتا ہے ناں کہ ایسی باتوں پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا۔''

''لیکن کبھی کبھی تو غور کرنا چاہئے...... تبدیلی کیلئے' خوشگواری کیلئے...... دوسروں کو جاننے کیلئے...... ہیں نا۔'' اس کی مسکراہٹ کی طرح اس کی بات بھی گہری تھی۔

مگر میں نے اسے سرسری ہی رہنے دیا اور یونہی سر ہلا کر ہنکارا سا بھر دیا۔

''ان سارے لوگوں کے چہرے بتا رہے ہیں۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''کہ وہ جن مریضوں کے ساتھ ہیں ان سے ان کا کیا رشتہ ہے...... کیا تعلق ہے...... کونسا بندھن ہے...... دل کی کیفیت چھپتی نہیں رہتی...... چہرے کے آئینے سے' آنکھوں کے دریچوں سے عیاں ہوتی رہتی ہے۔''

میں اس کی بات بخوبی سمجھ رہی تھی اور مجھے اس کا ردعمل اس سے پوشیدہ رکھنے میں خاصی دشواری ہو رہی تھی...... اپنے چہرے کا طواف کرتی ہوئی اس کی کچھ کہتی...... کچھ پوچھتی نگاہوں کے سوالوں سے توجہ ہٹانے کیلئے میں نے ارادتاً اپنی گھڑی دیکھی۔ اتفاق سے اس وقت غزالی کو انجکشن دینے کا وقت تھا...... میں نے جلدی سے کہا۔

''اچھا...... میں ذرا اسے انجکشن دے لوں۔''

افتی نے میری کلائی پکڑ لی۔ ''لیکن ربطہ...... ابھی تو میری بات پوری نہیں ہوئی۔''

''میں اسے انجکشن دے لوں تو پھر کر لینا۔'' میں نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔

''لیکن پھر تو وقت گزر جائے گا۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''اس سے تو کوئی حرج نہیں ہو گا...... لیکن اگر اسے انجکشن وقت پہ نہ لگا تو اس کا کافی حرج ہو جائے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ تو میرے حق میں بہت بہتر ہو گا...... ہیں نا......'' وہ ہنس پڑا۔

''افتی کے بچے...... ایسی باتیں مت کرو......'' میں نے ٹوکا۔

''جنگ اور محبت میں سب جائز ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکیں۔

''شٹ اپ۔'' مجھے ہنسی آئی۔

''اچھا...... اچھا چلو جاؤ اپنے مریض کے پاس۔'' اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے آگے بڑھایا اور شرارت آمیز سرگوشی میں بولا۔ ''اور میں دیکھوں گا کہ غزالی کو انجکشن لگاتے ہوئے تمہارا یہ سندر سندر مکھڑا کونسی کہانی کہتا ہے۔''

''بکواس نہ کرو......'' میرے دل کے چور نے مجھے محجوب سا کر دیا اور میں اس سے بازو چھڑا کر غزالی کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے اپنے دنوں کا آرام' راتوں کی نیند' جذبوں کی سچائی اور دعاؤں کے خلوص کو غزالی پر سے وار دیا۔ میری دعائیں مستجاب ہوئیں اور میری ریاضتیں کام آ گئیں۔ ایک رات غزالی نے آنکھیں کھول دیں۔

میں قریب ہی بیٹھی بنائی کر رہی تھی اور بار بار اس کے چہرے کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔ جو میرے من کے آکاش پر چاند بن کر چمکتا تھا۔ اس کی دراز پلکوں کی جنبش اور اس کے یونانی دیوتاؤں کے سے ترشے ہوئے دہانے کی خفیف لرزش میں بہت دیر سے محسوس کر رہی تھی۔ اور یہ خیال مجھے نئی زندگی دے رہا تھا کہ شاید آج وہ معجزہ رونما ہونے والا تھا جس کیلئے میں ایک ایک پل گنتی رہی تھی۔

میں نے غیر ارادی طور پر اپنی نرسنگ کیپ درست کی۔ اپنے بالوں کو دیکھا بھالا اور بہت مدھم سی لپ اسٹک بھی لگائی اور غزالی کی طرف بار بار دیکھتی رہی۔ یہ جاننے کو کہ وہ ہوش میں آ کر کیا کرتا ہے...... کیسے پکارتا ہے...... اس کی ذہنی حالت کیسی ہے......؟

اس نے آنکھیں کئی بار کھولیں اور بند کیں...... کچھ دیر چھت کی طرف گھورتا رہا پھر اس نے سر کو حرکت دے کر گردو پیش دیکھنے کی کوشش کی لیکن آپریشن کے زخموں کی ٹیس نے اس کی اس حرکت کو درمیان سے ہی کاٹ دیا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک کراہ سی نکل گئی۔

میں اپنی بنائی ایک طرف رکھ کر جلدی سے اٹھی اور اس پر جھک کر نرمی سے کہا۔

''آپ اپنے سر کو نہ ہلائیں۔''

اس کی آنکھوں کی اجنبیت نے مجھ سے سوال کیا کہ میں کون ہوں......؟ شاید یہ بھی پوچھا کہ وہ یہاں کیوں ہے؟ لیکن میں نے اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ ہم اس کے بارے میں فکر مند تھے کہ کہیں اس چوٹ نے اس کے ذہن پر تو اثر نہیں ڈالا۔ اس کا ماضی...... اس کی یادداشتوں میں زندہ ہے یا نہیں۔ میرے روئیں روئیں میں ایک بے چینی سی امنڈ رہی تھی اور میں یہ جاننے کیلئے بے تاب تھی کہ غزالی کے ذہن میں میری تصویر ہے یا نہیں؟ کیا اتنے عرصے کی جدائی درمیان میں حائل رہنے کے بعد اس نے مجھے یاد رکھا ہے یا نہیں؟ میرے دل کی تڑپ، میری روح کی بیقراری اور میرے روئیں روئیں میں بسی ہوئی اس کی محبت اس کے جذبوں کے آئینے میں اپنا عکس دیکھنا چاہتی تھی۔

اس نے پلکوں کو کئی بار جھپکا اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں میرے چہرے پر مرکوز ہوئیں...... اس کی فراخ پیشانی پر تفکر کی ایک سلوٹ ابھری اور مٹی...... اور اس نے بہت حیرت سے کہا...... ''ریطہ...... یہ تم ہو......؟''

ایک انوکھی مسرت سے میرا انگ انگ جھوم اٹھا۔ خوشی جیسے میرے اندر سے پھوٹی اور میں اس کی سہانی پھوار میں شرابور ہوگئی۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے مجھے کوئی

لازوال خزانہ مل گیا ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ''ہاں یہ میں ہوں غزالی......''

وہ چند لمحے جیسے کچھ سوچتا رہا پھر کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تم......؟ اور میں...... میں کہاں ہوں......؟ مجھے یہاں کون لایا ہے؟''

''تمہیں چوٹ لگ گئی تھی۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''اوہ......'' اس کی یادداشت میں جیسے کرب کا وہ لمحہ پھر ابھر آیا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر اذیت کا تاریک سایہ لہرایا۔ اس نے لمحے بھر کو آنکھیں میچیں اور پریشانی سے بولا۔ ''دھنک...... کہاں ہے......؟''

''وہ محفوظ ہے۔'' میں اس کی تشویش کو تسکین کی خاطر کہا۔

''وہ کہاں محفوظ ہے...... اس کا تو گھر ٹوٹ گیا ہے۔'' اس کی آواز شکستوں سے چور تھی۔

''غزالی...... ابھی کوئی ایسی بات نہ سوچو یہ تمہارے لئے اچھا نہیں ہے۔'' میں نے بے حد نرمی سے کہا۔

''اب کیا اچھا ہوتا ہے...... اب تو سب کچھ ختم ہو گیا ہے...... نہ ماں جی ہیں اور دھنک۔ میری وجہ سے اسے یہ سب برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔'' اس کے لفظوں میں اذیت تھی۔

مجھے اطمینان ہوا کہ اس کا ذہن صحیح کام کر رہا تھا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ شدید دماغی چوٹ اس کیلئے مہلک ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی یادداشت بھی برقرار تھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں میں بھی فرق نہیں آیا تھا۔

اس کے ذہن پر زیادہ دباؤ اس کیلئے ضرر رساں ہو سکتا تھا۔ میں نے اسے سکون آور انجکشن لگا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ اور میری جاگتی آنکھیں سپنوں کے روپہلے تاروں سے ایک نئی دنیا سنوارنے لگی۔ وہ لمحے مجھے بے حد اچھے لگے اور میں غزالی کیلئے بنائی کرتے ہوئے اس کے بیڈ کے پاس بیٹھی رہی۔

آہستہ آہستہ اس کے زخم مندمل ہو گئے اور وہ صحت اور تندرستی کی طرف لوٹ

آیا۔ ڈاکٹروں نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اگلی صبح اسے ڈسچارج ہونا تھا۔ اسی رات میں اس کا سویٹر تقریباً مکمل کر چکی تھی۔ وہ خود کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کچھ سوچ رہا ہے۔ میں وقفے وقفے سے اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ میں غیر ارادی طور پر اس کی سوچوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ میں بڑی شدت سے چاہ رہی تھی کہ اس وقت اس کی سوچوں کے محور کو جان سکوں لیکن یہ کچھ ناممکن سا معلوم ہوتا تھا۔ کوئی کسی سے کتنا بھی قریب ہو وہ اس کی سوچوں کو نہیں پڑھ سکتا۔

مگر پھر بھی میرا تجسس بار بار مجھے بے چین کر رہا تھا اور میں چاہتی تھی کہ اسے کمرے میں میری موجودگی کا احساس ہو...... ایک بار میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی نگاہوں کا استقبال کیا۔ وہ بھی مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں پژمردگی تھی۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو......؟'' اس کی آواز میں ابھی تک نقاہت تھی۔

''یہ سویٹر بہت جلدی جلدی مکمل کرنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیوں......؟ جلدی جلدی کیوں؟'' اس کے انداز میں تجسس تھا۔

''کسی کو دینا ہے......؟'' میں نے کہا۔

وہ کچھ دیر مجھے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا پھر وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

''کس کو دینا ہے؟''

''ہے ایک بہت ہی اسپیشل بندہ۔'' میں نے اسے الجھانے کو کہا۔

اس کے زرد چہرے کا رنگ بدل سا گیا۔ ''وہ تو ظاہر ہو رہا ہے۔''

''کیسے......؟'' میں نے جان بوجھ کر استفسار کیا۔

''جس انہماک سے تم اسے بنا رہی ہو اس سے تمہارا لگاؤ ظاہر ہو رہا ہے۔'' اس نے واضع لفظوں میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری صاف جھلک رہی تھی۔

مجھے اسے ستانے میں بہت لطف آیا۔ میرے دل کے آنگن میں مسرت کی ننھی منی کلیاں چٹکنے لگیں۔ میں نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا لی اور اس کی بات کا جواب صرف ایک پرحجاب تبسم سے دیا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا اور اس مرتبہ بڑی دیر تک

چھت کی طرف گھورتا رہا...... پھر اس نے میری طرف دیکھا اور چبھتے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

''کیا میں بہت ہی اسپیشل بندے کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''صرف 'کچھ' ہی نہیں...... بہت کچھ جان سکتے ہیں جناب۔''

اسے حیرت ہوئی اور اس نے لمبی سی ہوں کی...... میرے دل نے مجھے شوخی پر اکسایا۔ میں نے اسے تنگ کرنے کو کہا۔ ''فرمایئے...... آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟''

''نہیں...... ایسی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے روکھائی سے جواب دیا۔

''کیوں......؟'' میں نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

اس نے بغیر کچھ کہے کروٹ بدل لی اور اپنا چہرہ دیوار کی جانب کر لیا۔ میں نے اس کی چوڑی پشت کی طرف دیکھا۔ مجھے اس کا یہ خفگی آمیز گریز بہت اچھا لگا۔ مجھے اس کے رویئے میں چاہت کی چوٹ جھلکتی نظر آئی۔ جس نے میرے دل کے نہاں گوشوں کو منور کرنے والے محبت کے چراغ کی لو اور بڑھا دی۔ میں نے اسے پکارا نہیں اور نہ ہی اسے کروٹ بدلنے کیلئے کہا بلکہ جلدی جلدی وہ آخری ٹانکے لگانے لگی جو اس سویٹر کے مکمل ہونے میں رہ گئے تھے۔ میری آنکھوں میں ایک سہانا خواب اتر آیا تھا۔ سویٹر مکمل ہونے میں صرف چند لمحے ہی صرف ہوئے۔ میں نے اسے سیدھا کر کے ہاتھوں سے ہموار کیا اور غزالی کی طرف دیکھا وہ ابھی تک میری جانب پشت پھیرے لیٹا تھا۔

میں چند قدم چل کر اس کے بیڈ کے قریب پہنچی اور میں نے اپنی انگلیوں سے اس کے شانے کو چھو کر اسے متوجہ کیا۔ ''غزالی......''

''ہوں......'' اس نے اسی رخ لیٹے لیٹے ایک تھکی ہوئی سی ہوں کی۔

''ادھر دیکھو...... اسپیشل بندے...... تمہارا سویٹر مکمل ہو گیا ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہلکا سا دباؤ دیتے ہوئے کہا۔

''کیا......'' اس نے اپنے شانے پہ رکھے ہوئے میرے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر یکدم اتنی تیزی سے کروٹ بدلی کہ اس کے ٹانکوں کے زخم دکھ گئے اور میں دھم

سے اس کے بیڈ پر آ رہی۔

"یہ کیا کہا ہے تم نے...... ذرا پھر سے تو بولو...... اپنے ہوش وحواس میں تو ہو تم......" اس نے میرے بازو میں جیسے اپنی انگلیاں گاڑتے ہوئے کہا۔

"ایسی باتیں دوہرائی نہیں جاتیں...... نہیں تو ان کی چاشنی ختم ہو جاتی ہے...... اور پلیز اپنے اس ڈریکولا والے پنجے کو تو میرے بازو میں سے نکالو...... نہیں تو ابھی خون بہنے لگے گا۔" میں نے اس کے ہاتھ کی گرفت اپنے بازو پر سے ڈھیلی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دل چاہتا ہے کہ ڈریکولا کی طرح۔" اس نے مجھے شانوں سے تھام کر خود پہ جھکانا چاہا لیکن میں تیزی کے ساتھ اس کی گرفت سے نکل گئی۔

"اب تم مجھے ڈراؤ تو نہیں ناں جب رات کو تم خراٹے لو گے تو مجھے ڈر لگے گا۔"

وہ ہنسا۔"اچھا لاؤ وہ سویٹر...... اسپیشل بندہ پہن کر تو دیکھے۔"

اگلی صبح دھنک کے ساتھ ممی اور میری بہنیں بھی غزالی کو ہوسپٹل سے لینے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ممی نے غزالی کی صحت یابی کی خوشی میں ایک گھریلو سی تقریب کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ غزالی میرے لوگوں کا اتنا خلوص پا کر بے حد متاثر ہوا تھا اور بار بار ممی کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

افق بھی موجود تھا اور اپنی زندہ دلی سے اس نے خوب رونق لگا رکھی تھی۔ جب باقی سب لوگ خوش گپیوں میں مشغول تھے تو وہ میرے قریب آیا اور نسبتاً مدھم لہجے میں بولا۔"جاؤ...... اب اپنا حلیہ جا کر درست کرو...... تمہارا مریض...... صحت یاب ہو چکا ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔"ہاں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں...... تمہاری آنکھوں کے گرد کتنے ہی رتجگوں کی سیاہی ہے...... اب ہوسپٹل سے لمبی چھٹی لو اور لمبی تان کر سوؤ۔" میں ہنس کر خاموش ہو رہی۔

* * *

اس کے بعد جو دن آئے وہ مجھے اور غزالی کو قریب لانے والے دن تھے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ نہیں ملے لیکن جب بھی ملے ہمیں یہی احساس ہوا کہ ہم نے ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیا ہے اور اگر اب ہم نے ایک دوسرے کو کھو دیا تو شاید اس کی تلافی کسی طرح نہ ہو سکے گی۔

دلوں میں پھوٹنے والی ننھی منی کونپلیں پھیلنے پھولنے لگیں اور لمحوں میں موسم گل آن کر ٹھہر گیا۔ ایسی ہی ایک بہار آفریں شام میں غزالی نے وہ بات کہہ دی جسے سننے کیلئے میں مدتوں سے ترس رہی تھی۔

ہم آئس کریم کھانے کیلئے ایک نسبتاً کم معروف ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے برابر والی میز پر ایک نوخیز مقامی جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہی ٹین ایجرز تھے اور شاید اسی لئے دونوں کے انداز میں بچوں کی سی بے تابی اور بے احتیاطی تھی۔ وہ قربت کے ان ارمان انگیز لمحوں سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ دونوں نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا رکھی تھیں اور آنکھوں اور ہونٹوں کی شوخیوں کے ساتھ ایک دوسرے کو اپنے شوریدہ سر جذبوں سے آگاہ کر رہے تھے۔

غزالی کی نگاہ بھی کئی بار ان تک گئی اور ہر بار لوٹی تو اس نے بڑی شوخی سے میرے چہرے کو چھوا اور میری نگاہوں کو کوئی شریر سا پیغام دے کر میرے رخساروں کو شہابی کر دیا۔ اس قسم کے رویئے تو یہاں کی زندگی میں ایک معمول کی طرح شامل ہیں لیکن غزالی کی موجودگی نے ان کی اٹھکھیلیوں کو کچھ اور ہی معنی دے دیئے تھے۔ میں نے دوسری بار ان پہ نگاہ نہیں ڈالی اور اپنی توجہ آئس کریم کے کپ پر مرکوز کر دی۔

"اے......" غزالی نے اپنی انگلی کے ساتھ میرے ہاتھ کی پشت پر ہلکا سا ٹھوکا دیا۔ "بات سنو......"

مجھے اس کی طرف دیکھنا پڑا۔ وہ بولا۔ "جانتی ہو اس وقت میں کیا سوچ رہا ہوں......"

"بتاؤ......؟" میں نے پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم ان جیسے ہی ٹین ایجر ہوتے اور اسی طرح اس ریسٹورنٹ میں آئس کریم کھانے بیٹھتے......تو ہم کیا کرتے۔" اس نے پھر اس نوعمر جوڑے کی طرف دیکھا جن کی والہانہ قربتیں ان کی آنکھوں میں ستارے اور ہونٹوں پر پھول کھلا رہی تھیں۔

میری نگاہ بھی غزالی کے ساتھ پھر ان تک گئی اور ان کی بے تابیوں نے مجھے نگاہ چرا لینے پر مجبور کر دیا۔ میں نے غزالی کی ہنسی کی آواز سنی۔ شریر چھیڑتی ہوئی سی ہنسی۔ اس نے میز پر ٹکے ہوئے میرے ہاتھ کی ایک انگلی کی پور کو اپنی انگلیوں میں دبایا۔ "ریطہ...... ذرا سوچو...... تصور کرو...... اگر ہم ان دونوں کی جگہ ہوتے تو ایسے وقت میں کیا کرتے۔"

میرے رخساروں کی حدت میرے کان کی لوؤں تک پہنچی اور میں نے اپنی انگلی اس کی انگلیوں سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ "ہم مختلف تہذیب کے لوگ ہیں غزالی۔"

"اونہو بھئی...... وہ محظوظ ہوا......" اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ ہم اپنی تہذیب کے مختلف ہونے کی وجہ سے کیا کرتے۔"

"مجھے نہیں پتہ......" میں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اسے تم سوچو تو سہی کہ یہ کتنی مزے دار بات ہوتی تم اس سے بھی زیادہ سر جھکا کر بیٹھی ہوتیں اور میں...... میں اپنی ننھی منی آرزوؤں کا اندر ہی اندر گلا گھونٹ کر بڑے ادب سے بیٹھا ہوا ہوتا اور شاید میں شرما بھی رہا ہوتا۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ "اور ہاں...... بھئی ہم تو ڈر بھی رہے ہوتے...... خوف سے ہماری جان نکل رہی ہوتی کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔"

مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ "کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم غزالی۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا...... کچھ دیر خاموشی سے مجھے ہنستے ہوئے دیکھتا رہا پھر کھوئے ہوئے سے لہجے میں بولا۔ "آج کہیں ایک مدت بعد میں نے زندگی سے کچھ مسکراہٹیں، کچھ قہقہے چرا لیے ہیں ورنہ میں تو عرصہ ہوا خوشی کے اس اظہار کو بھول چکا ہوں۔ میری زندگی سے ہنسی نکل ہی گئی ہے۔"

میں نے اس کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا۔ جواب سے کچھ دیر پہلے تک مسرت سے چمک رہا تھا لیکن اب اس پر چھائی ہوئی اداسی نے اس چمک کو ڈھانپ لیا تھا۔ میں نے ہمدردی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ "غزالی...... زندگی میں خوشیاں اور غم تو ساتھ ساتھ چلتے ہیں......کبھی خوشیاں قریب آ جاتی ہیں...... اور کبھی غم۔"

"ہاں......" اس نے ایک لمبی سانس لی۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس کے ہونٹوں پر اس کی تابناک مسکراہٹ واپس آئی اور میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت تو خوشی میرے قریب ہے۔"

مجھے خود پر فخر سا ہونے لگا۔ میں نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ فضاؤں میں جیسے موسیقی بکھرنے لگی۔ لمحے تھم گئے۔ ہمارے لب چپ رہے اور ہماری نگاہیں ایک دوسرے سے ہمکلام ہو گئیں۔ اور وہ ساری خوبصورت باتیں جو ہم ایک دوسرے سے کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہیں پاتے تھے وہ نگاہوں کے تکلم میں آپ سے آپ سما گئیں۔

نگاہوں کی یہ دلآویز پرمعنی گفتگو کتنے ہی لمحوں پر محیط ہو گئی۔ شاید ہم اردگرد کے ماحول کو فراموش کر چکے تھے۔ ہمیں اس نوخیز جوڑے کی شوخیوں نے چونکایا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ہمارے میز کے قریب کھڑے ہمیں مخاطب کر کے ایک مشہور نغمہ جھوم جھوم کر گا رہے تھے۔

"وقت ضائع نہ کرو۔
محبت کرنے والو...... اقرار کرنے میں دیر نہ لگاؤ
ایسا نہ ہو کہ وقت نکل جائے
اور تمہارے ہونٹوں پر پیار کا ذائقہ نہ ہو۔"

ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی ترنگ میں آ گئے تھے۔ کچھ ان کی آواز میں آواز ملا رہے تھے۔ کچھ تالیاں اور سیٹیاں بجا رہے تھے۔ ہم سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے تھے۔ میں بے طرح محجوب ہو گئی۔ غزالی خوش دلی سے ہنسا۔ میرے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ اس نے مجھے میری نشست پر سے اٹھا دیا اور اس شوخ جوڑے کے نغمے میں پوری طرح سے شریک ہو گیا۔ ریسٹوران کا آرکسٹرا بھی یہی دھن بجانے لگا اور دوسری میزوں کے گرد بیٹھے ہوئے جوڑے اپنی اپنی نشستوں پر رقص کرنے لگے اور پورا ہال ایک شوخ و شنگ ہنگامے سے بھر گیا۔

ہم دونوں جب ریسٹورنٹ سے باہر آئے تو ہمارے درمیان ایک غیر مرئی سا بندھن بندھ چکا تھا۔ ہم ایک دوسرے کی قربت میں سرشار تھے اور ہمارے ہونٹوں پر محبت کا ذائقہ تھا۔ غزالی نے اپنے کوٹ کا کالر اٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی۔''

''نہیں کوئی خاص نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر گھر تک پیدل ہی چلتے ہیں۔ مجھے ایسی خنک رات میں پیدل چلنا بہت پسند ہے اور آج تو تم میرے ساتھ ہو۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اپنے کوٹ کی جیب میں اپنے دستانے تلاش کرتے ہوئے کہا لیکن میرے ہاتھ ایک ہی دستانہ آیا۔ غزالی نے میرے کوٹ کا کالر اوپر اٹھا دیا۔

''میرا ایک دستانہ کہیں گر گیا ہے۔'' میں نے باقی رہ جانے والا دستانہ پہنتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں...... میں تمہارا یہ چھوٹا سا ہاتھ دستانے سے زیادہ گرم رکھ سکتا ہوں۔'' غزالی نے میرا ہاتھ اپنے چوڑے چکلے ہاتھ میں دبا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

ہم دونوں نے قدم سے قدم ملائے...... خاموش فسوں ساز رات میں بہت دیر تک خاموشی سے چلتے ہوئے سہانی سہانی سوچوں میں ڈوبے رہے۔ فضا میں بڑی رومانی سی خنکی تھی اور ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی قربت کی گرمجوشی...... تپش......

میرے ہاتھ کو تھامے ہوئے غزالی کے ہاتھ کا دباؤ بڑھتا رہا۔ میں نے اس کی طرف پلٹ کر کہا۔ ''کیا کرتے ہو غزالی...... تم تو میرے ہاتھ کا کچومر نکال دو گے۔''

وہ تھم گیا...... مجھے بھی رکنا پڑا...... اس کی گرفت کی مضبوطی برقرار رہی...... اس کی سحر طراز نگاہوں سے فضا طلسماتی سی ہو گئی...... وہ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''نہیں چھوڑوں گا میں یہ ہاتھ۔ کیا کرلو گی تم میرا۔''

''میں...... میں پتہ کیا کروں گی۔'' میں نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

''کیا......؟'' وہ میرے لہجے سے کچھ کچھ چونکا۔

''میں...... میں نہیں چھڑاؤں گی یہ ہاتھ۔'' میں نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ......'' اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور میرے بالوں کی ایک لٹ کھینچ کر بولا۔ ''نکمی لڑکی...... تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا...... اب بولو...... دھنک کو تمہاری امی کے پاس بھیجوں یا خود ہی ان کے روبرو پیش ہو جاؤں...... وہ مان تو جائیں گی ناں۔''

''اگر وہ نہ مانیں تو......؟'' میں نے اسے چھیڑا۔

''تو......'' اس نے اپنا بڑا سا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر ہلایا۔ ''تو تم اغوا ہونے کیلئے تیار رہنا۔''

''ہائے کتنے خطرناک آدمی ہو تم۔'' میں نے مصنوعی خوف طاری کرتے ہوئے کہا۔

''تم بچ کر رہنا لڑکی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہم ہاتھ میں ہاتھ دیئے قدم سے قدم ملائے ایک ساتھ چلتے رہے اور رات کا حسن ہمارے چاروں طرف برستا رہا۔ ہوسٹل کے دروازے پر مجھے الوداع کہتے ہوئے اس نے مدھم سی سرگوشی کی۔ ''میں کل شام آؤں گا...... تمہاری ممی کے پاس۔''

اس کی آواز کا ترنم اور اس کی بات کی شیرینی میرے انگ انگ میں گھل گئی۔ سارے لمحے رات بھر جادو جگاتے رہے اور نائٹ ڈیوٹی مجھے ذرا بھی بار نہ

ہوئی۔

اگلے روز میں نے ممی سے بات کی تو وہ کچھ فکرمندسی ہوگئیں لیکن انہوں نے جلد ہی خود کو نارمل کر لیا۔ شاید میرا دل رکھنے کے خیال سے اور بردباری کے ساتھ مجھ سے پوچھنے لگیں۔

''ریطہ...... کیا تم غزالی کو اتنا جانتی ہو کہ اس پر زندگی بھر کیلئے بھروسہ کر سکو۔''

میں نے لمحے بھر کو سوچا اور مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''ممی...... ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں...... میرے نزدیک سب سے زیادہ اس کی اہمیت ہے۔''

''پگلی...... زندگی گزارنے کیلئے صرف یہی کافی نہیں ہوتا۔'' ممی کا لہجہ ملائم تھا لیکن وہ مجھے کچھ تلخ حقیقتیں سمجھانا چاہتی تھیں۔

''ممی...... پلیز......'' میں نے اپنے دلآویز سپنوں سے چونکنے سے انکار کر دیا۔ ''کوئی ایسی بات نہ کہیے گا جو میری خوشیوں کا گلا گھونٹ دے۔''

''میری بچی میں چاہتی ہوں کہ تمہاری خوشیاں پائیدار ہوں۔ انہیں گہن نہ لگے۔ اسی لئے میں تیری طرف سے فکرمند ہوں۔ تیرا یہ فیصلہ جذبات کا فیصلہ ہے تو بہت جلدی کر رہی ہے۔'' ممی نے بڑے پیار سے مجھے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن اس وقت تو غزالی کی محبت کا یقین میری رگ رگ میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کر رہا تھا اور میں یہ قطعاً تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی کہ زندگی میں محبت کے سوا کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے...... میں نے ممی سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میرا فیصلہ اٹل ہے۔

ممی یہ جان کر کچھ پریشان تو ہوئیں...... وہ میرے ساتھ اس موضوع پر بات بھی کرنا چاہتی تھیں لیکن انہیں یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کی کوششیں بیکار ہوں گی۔ اسی لئے وہ مصلحتاً خاموش رہیں اور انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ غزالی کو مایوس نہیں کریں گی۔

خوابوں، نغموں اور خوش آئند تصورات نے مجھے گھیر لیا۔ اس روز دن بے حد اجلا ہوگیا اور کتنے ہی دنوں بعد سورج نے اپنا سپہلا مکھڑا دکھایا۔ ہلکی ہلکی چمکیلی دھوپ

نے دن کو نرم گرم سا بنا دیا۔ میں عموماً نائٹ ڈیوٹی کے بعد گھر آ کر بستر میں گھستی تھی تو شام کی خبر لیتی تھی۔ لیکن آج تو میری آنکھوں میں نیند کے بجائے سہانے خواب سجے تھے۔

میں نہا دھو کر تازہ دم ہوئی۔ بال بنائے اور کچن میں گھس گئی۔ ممی دن کے کھانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر ایک مشفق سی مسکراہٹ آ گئی۔ ان کی آنکھوں میں مجھے محبت آمیز تشویش نظر آئی لیکن انہوں نے مجھے کچھ کہا نہیں۔ میں نے مسکراتے، گنگناتے، بڑی پریت سے اپنے ہاتھوں سے کچھ چیزیں تیار کیں۔

شام ہوتے ہوتے میں بڑے اہتمام سے تیار ہوئی اور کچھ دیر آئینے کے سامنے اپنے ہی عکس کو ہر زاویے سے جانچتی رہی۔ میں آج شام کو یادگار بنانا چاہتی تھی۔ آج کی شام ہماری زندگی کو ایک نیا رخ دینے والی تھی اور میں چاہتی تھی کہ آج غزالی کی نگاہ مجھ پر پڑے تو اسے اپنے فیصلے پہ ناز ہونے لگے۔ وہ آج مجھے مانگنے آ رہا تھا۔ میں اس کے شایان شان اہتمام کرنا چاہتی تھی کہ اس شام نے ایک خوشگوار یاد بن کر زندگی میں ہمارے ساتھ ساتھ رہنا تھا۔

اسی لئے نہ میں انتظامات سے مطمئن تھی، نہ اپنے سنگھار سے اور وقت تھا کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میری دونوں بہنیں بھی اپنی اپنی ڈیوٹی سے واپس آ چکی تھیں اور میرے ساتھ ہلکی پھلکی سی چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوئی تھیں۔ ممی ہیٹر کے پاس بیٹھیں بنائی کر رہی تھیں۔ ان کی نگاہ وقفے وقفے سے کلاک کی طرف جاتی تھی جہاں سوئیوں کا سفر شام کے سمٹنے کا اعلان کر رہا تھا۔ میں خود کئی مرتبہ کھڑکی میں سے جھانک چکی تھی اور یہ احساس مجھ پر پژمردگی بن کر چھا رہا تھا کہ شام شفق کے سارے سنگ سمیٹ کر سرمئی ہو چلی تھی اور غزالی کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔

''ریطہ...... میں فی الحال سونے جا رہی ہوں...... تمہارے غزالی صاحب آ جائیں تو مجھے جگا دینا۔'' میری بڑی بہن انتظار سے اکتا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دوسری بہن اپنے کمرے میں آفس کا کوئی کام نپٹا رہی تھی۔ چائے کیلئے بڑے اہتمام سے بنائے ہوئے لوازمات رکھے رکھے ٹھنڈے ہو گئے تھے لیکن غزالی

آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مجھے بے طرح اپنی توہین کا احساس ہو رہا تھا۔ میرا دل بھرا ہوا تھا اور میں روہانسی ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی کے گلے سے لگ کر جی بھر کر رو دوں۔

ممی کے ممتا بھرے دل نے میرے زخمی دل کے کرب اور بے چینی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ میرے قریب آئیں اور مشفقانہ سے لہجے میں بولیں۔ ''ریطہ بیٹی خود کو اس طرح پریشان مت کرو۔ ہو سکتا ہے غزالی کو کوئی مجبوری ہو...... کوئی کام ہی آ پڑا ہو...... تم فون کر کے اس کی خیریت پوچھ لو۔''

''کیوں ...... میں کیوں فون کروں اسے۔'' میں نے اپنے اندر گھلی ہوئی تلخی اپنے لفظوں میں سمو کر کہا۔

''وہ فون کیوں نہیں کرتا۔ اگر اسے کوئی مجبوری ہے تو بتاتا کیوں نہیں...... دو منٹ کیلئے فون بھی نہیں کر سکتا۔''

ممی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ انہوں نے پیار سے میرا گال تھپتھپایا۔

''ریطہ اپنا دل بڑا کرو۔ بیٹا جس سے محبت کی جاتی ہے اس کیلئے دل کو تنگ نہیں کرتے۔ اگر وہ کسی وجہ سے فون نہیں کر سکا تو تم تو فون کر سکتی ہو ناں اسے...... پوچھو تو سہی کہ اسے کیا مشکل ہے؟''

''کیوں...... میں کیوں پوچھوں......؟'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''یہ ایسا وقت نہیں تھا کہ وہ کسی اور کو ترجیح دیتا...... اس کا مطلب ہے کہ اسے میری کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔''

''ارے بیٹا...... تم تو بہت جذباتی ہو رہی ہو...... ہر بات کے دونوں رخ دیکھ کر رائے قائم کرنی چاہئے۔ چلو آؤ چائے پیتے ہیں...... کیا پتہ یہ غزالی میاں دیر سے آنے والوں میں سے ہوں۔'' ممی نے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر مجھے ٹیبل کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ممی چائے بنانے چلی گئیں اور میرے دل میں امید کی ایک ننھی سی کلی چٹکی...... ممی کی بات میرے اندر بھی گونجی...... کیا خبر وہ دیر سے آنے والوں میں سے ہو۔''

میں اپنے بازوؤں پہ سر ٹکائے ایسی ہی سوچوں میں گم تھی کہ میرے بالوں پر کسی نے ہلکی سی چپت لگائی۔ میں نے کسلمندی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ افتی میرے مقابل کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا اور اس کی نگاہیں میرے چہرے پر تھیں۔ ''ہیلو...... کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو۔ وہ ہمارے رقیب روسیاہ ابھی تک کیوں نہیں آئے۔'' اس نے اپنی مخصوص بے تکلفی سے کہا۔

میں ندامت میں ڈوب گئی۔ افتی کی اس بات نے مجھے بے طرح سبکی کا احساس دلایا۔ میں جو اتنی دیر سے ضبط کیے بیٹھی تھی ایک ذرا سی ٹھیس سے بکھر گئی۔

''ہاں وہ نہیں آیا...... نہیں آیا...... تم اڑاؤ مذاق...... تم خوش ہو جاؤ کہ وہ نہیں آیا...... تم تو یہی چاہتے تھے ہیں نا......'' میں نے اپنے اندر کھولتا ہوا سارا غصہ اس پہ نکال دیا اور آپے سے باہر ہو کر نہ جانے اسے کیا کچھ کہتی چلی گئی۔

ممی دوڑ کر کچن سے آئیں اور میرا بازو تھام کر بولی۔ ''ریطہ...... ریطہ...... کیا ہو گیا ہے تجھے...... کیا کر رہی ہو بیٹی۔''

''آنٹی...... اسے بولنے دیں...... ذرا اس کے اندر کا غبار نکل جانے دیں...... دل کی بھڑاس نکالنے دیں اسے۔'' میرے سامنے بیٹھے ہوئے افتی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

میں اور مشتعل ہوئی...... مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا مذاق اڑا رہا ہے۔ میں نے چڑ کر اپنے بازو پر سے ممی کا ہاتھ جھٹکا۔ ''بکواس نہ کرو...... تم میرا تماشا دیکھنا چاہتے ہو۔ تم پرلے درجے کے گھٹیا انسان ہو...... تم تو یہی چاہتے تھے کہ وہ نہ آئے...... اب تم خوشیاں مناؤ کہ وہ نہیں آیا...... حاسد کہیں کے......''

ممی نے مجھے پرسکون کرنے کی بہتیری کوشش کی لیکن مجھے قرار نہ آیا۔ میں پریشانی اور غصے میں اسی طرح اول فول بکتی رہی۔

افتی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے ایک جھٹکے کے ساتھ کرسی سے اٹھایا اور ممی سے بولا۔ ''آنٹی...... آپ آرام سے بیٹھ کر چائے پئیں...... میں اسے اس کے کمرے میں لے جا رہا ہوں ابھی دو منٹ میں اس کا دماغ ٹھیک ہو جاتا

ہے۔''

میں شدید طیش میں اس سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے چلائی۔ ''افتی کے بچے...... دفع ہو جاؤ چھوڑو میرا بازو۔''

اس نے میرا بازو نہیں چھوڑا اور مجھے تقریباً گھسیٹتا ہوا میرے کمرے کی طرف چلا۔ ''آؤ ناں ذرا میرے ساتھ اور مجھے بتاؤ کہ آخر اس ناہنجار غزالی کا غصہ تم مجھ پر کیوں نکال رہی ہو۔''

اس نے مجھے میرے بیڈ پر بٹھا دیا اور خود دروازے سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے زچ ہو کر دہائی دی۔ ''خدا کیلئے افتی چلے جاؤ...... مت تنگ کرو مجھے...... مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

''ہاں...... تمہیں اکیلا چھوڑ دوں گا اور تم جل جل کر کڑھ کڑھ کر جل ککڑی بن جاؤ۔'' وہ بولا۔

''تم جاؤ گے کہ نہیں افتی...... جاؤ ناں چلے جاؤ...... میں تنہا رہنا چاہتی ہوں۔'' میں نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''عجیب بیوقوف لڑکی ہو تم...... ایک معمولی بات کو تم نے سر پر سوار کر لیا ہے...... مفت میں خود بھی پریشان ہو رہی ہو اور دوسروں کو بھی پریشان کر رہی ہو۔'' اس نے درشتی سے مجھے ٹوکا۔

''کس نے کہا ہے دوسروں کو کہ میرے لیے پریشان ہوں...... بس تم مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' میں نے شدید غصے میں کہا۔

وہ چند لمحے ہونٹ بھینچے خاموش رہا اس کی آنکھوں میں سے ایک گہرے دکھ نے میری طرف دیکھا۔ پھر اس کے شکستہ لفظ مجھ تک پہنچے۔ ''ریطہ...... تم نے تو شاید سارے رشتے' سارے تعلق توڑ لیے ہیں لیکن دوسرے اس تعلق' اس رشتے کو شاید کبھی نہیں توڑ سکتے۔ تم اپنی ان تمام نالائقیوں کے باوجود انہیں عزیز ہو...... اور شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہاری پریشانیاں ان کیلئے کتنی پریشانی کا باعث ہیں۔''

اس کے ملائم لہجے نے مجھے نادم سا کر دیا۔ اس کے لفظوں کا خلوص میرے

دل پر جا لگا۔ میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ احساس شکست نے مجھ پر غلبہ پا لیا۔ میں افتی کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی لیکن میری انتہائی کوشش کے باوجود بھی میرے آنسو میری آنکھوں میں نہیں رکے اور میرے رخساروں پر مسلسل بہتے چلے گئے۔ اور مجھے اپنی سسکیوں پر قابو پانے میں دشواری ہونے لگی۔

افتی اسی طرح دروازے سے پشت لگائے کھڑا رہا نہ اس نے مجھے خاموش ہو جانے کیلئے کہا نہ تسلی کیلئے ہی کوئی حرف اس کے ہونٹوں سے نکلا۔ وہ چپ کھڑا میری طرف دیکھتا رہا اور میں اپنے دل کا غبار آنکھوں کے راستے نکالتی رہی۔

پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا میرے قریب آیا۔ اس نے جیب سے اپنا رومال نکال کر میرے آنسو پونچھے اور دکھی سے لہجے میں بولا۔ ''ریطہ...... تمہارے یہ آنسو مجھے بہت تکلیف دے رہے ہیں...... بس اب چپ ہو جاؤ پلیز...... چپ ہو جاؤ۔''

میں نے سر جھکا کر اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں اپنے ہونٹ چبائے۔

''سنو...... میں فون کرتا ہوں غزالی کو...... ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ تمہارے یہ آنسو بیکار ہی بہہ رہے ہیں یا ان کا کوئی جواز بھی ہے۔'' اس نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے میرا چہرہ دیکھا۔

''نہیں افتی...... تم اسے ہرگز فون نہیں کرو گے۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''اوہو...... بھئی آخر تم چاہتی کیا ہو......؟ اسے فون بھی نہیں کرنا اور یہاں بیٹھ کر اس کے نہ آنے کا سوگ بھی منانا ہے...... بھئی کسی سے ناراض ہونے سے پہلے اسے صفائی کا موقع تو دینا چاہئے ناں۔'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن میں غزالی کی اس کج ادائی پر اس سے اتنی سنجیدگی کے ساتھ ناراض تھی کہ میں نے افتی کو اسے فون نہیں کرنے دیا۔ میرے دل میں بار بار یہ امید ایک نئی جوت سی جگاتی تھی کہ تھوڑی دیر میں اس کا فون آ جائے گا۔ وہ مجھ سے معذرت کرے گا۔ مجھے منائے گا اور میری ناراضگی کو اپنی محبت سے زائل کر دے گا۔ یہی سوچتے سوچتے میری پوری رات بے چینی میں گزری۔ اور لمحے بھر کو بھی میری آنکھ نہیں جھپکی۔

اگلا دن گزرا اور پھر کئی دن گزرے میرے دل کی کلی روز بروز مرجھانے لگی۔ من کا دکھ مجھے اندر ہی اندر سلگانے لگا۔

غزالی نے پلٹ کر نہیں دیکھا' نہ ہی اس نے فون پر ہی کوئی وضاحت کی۔ وہ یوں منظر سے غائب ہو گیا جیسے کبھی تھا ہی نہیں لیکن میرا دل اب بھی اس کیلئے دھڑکتا تھا اور اسے بھول جانے میں مجھے بہت دشواری ہو رہی تھی۔ میں اس کوشش میں بری طرح سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

★ ★ ★

ایک روز میں ڈیوٹی سے فارغ ہو کر ہوسپٹل سے نکلی تو گیٹ پر میری نگاہ غزالی کی کار پر پڑی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہونٹوں میں سگریٹ دبائے بیٹھا دروازے کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک عرصے بعد دیکھنا مجھے اچھا لگا لیکن فوراً ہی مجھے وہ سارے گلے شکوے اور ناراضگیاں یاد آ گئیں جو اس کی ذات سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ اس نے ہاتھ ہلایا اور عجلت میں دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ میں نے خفگی سے منہ پھیر لیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی آگے بڑھ گئی۔ مجھے اپنے پیچھے تیز قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''ریطہ...... ریطہ......'' وہ مجھے پکارتا ہوا میرے برابر چلا آیا۔ ''میری بات تو سن لو......''

''نہیں...... مجھے کچھ نہیں سننا......'' میں نے رکے بغیر کہا۔

وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ''سننا تو تمہیں پڑے گا ورنہ میں قیامت تک نہیں ٹلوں گا۔''

''نہیں...... اب کہنے سننے کیلئے کچھ نہیں رہا...... تم نے وہ لمحے خود کھوئے ہیں۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''تو اب بتانے تو دو ناں کہ وہ لمحے کیوں کھو گئے تھے مجھ سے۔'' وہ بچوں کے سے ہٹیلے پن سے بولا۔

''یہ سب تمہیں اب یاد آیا ہے۔'' میں نے طعنہ دیا۔

''ہاں مجھے دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے ندامت سے اعتراف کیا۔ ''لیکن مجھے وضاحت تو کرنے دو ناں...... میری بات تو سنو کہ میں کس سولی پر لٹکا ہوا ہوں...... پھر چاہے جو مرضی سزا دے لینا۔ تمہارا مجرم تمہارے سامنے سر جھکا دے گا۔''

اس نے کچھ اس لہجے میں کہا کہ میرا نادان دل اس کی جانب جھکنے لگا۔ لیکن میں نے دل کی بات نہیں مانی اور روکھے پن سے کہا۔ ''بس اب زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں غزالی میں خوب اچھی طرح جان گئی ہوں کہ تمہارے نزدیک میری اہمیت کیا ہے؟''

''تم کچھ نہیں جانتیں ریطہ...... تم کچھ نہیں جانتیں کہ میں کس کرب سے گزر رہا ہوں۔ پلیز...... ایک بار میری بات تو سن لو۔ میری زندگی میں اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کے سامنے میں اپنے زخم کھول سکوں...... جو میرے دکھوں کو سمجھ سکے جو میرے غموں میں شریک ہو سکے۔ وہ صرف تم ہو ریطہ...... تم......'' اس کے لہجے کا کرب اس کے چہرے پر بھی لکھا جا رہا تھا اور اس کے دکھ میں ڈوبے ہوئے لفظ...... میرے گلے شکوے آپ سے آپ دھو رہے تھے اور میں سب ناراضگیاں بھول کر اس کے غموں میں شریک ہوگئی۔

میں کار میں اس کے ساتھ بیٹھی تو اس نے یوں سٹیئرنگ پر سر رکھ دیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔ کچھ لمحے گزرے...... اس نے گاڑی سٹارٹ نہیں کی نہ سٹیئرنگ پر سے سر اٹھایا۔

میں نے تشویش سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ''غزالی...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

اس نے سر اٹھا کر ایک آہ سی بھری۔ ''میں بہت سخت جان ہوں ریطہ مجھ پر کیسی کیسی قیامتیں نہیں گزریں...... مجھے کچھ نہیں ہوا...... کچھ نہیں۔''

''خیریت تو ہے غزالی تم بہت مایوسی کی باتیں کر رہے ہو۔'' میں نے اپنائیت سے پوچھا۔

اس نے سگریٹ سلگایا اور دو تین کش جلدی جلدی لیے۔ کار سٹارٹ کر کے ہوسپٹل کے کمپاؤنڈ میں ہی ایک دور دراز گوشے میں پارک کی اور میری طرف پلٹ کر بولا۔

''تم مجھ سے بہت ناراض ہو ریطہ۔''

میں نے اندھیرے اجالے میں اس کے سوگوار چہرے کی طرف دیکھتے

ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم میری ڈھارس ہو ریطہ...... مجھ سے ناراض مت رہو۔ پلیز۔'' اس نے میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا ہاتھ ٹھنڈا ہے۔

میں نے اپنا ہاتھ علیحدہ نہیں کیا اور مدھم سے لہجے میں کہا۔ ''تم نے مجھے خود ناراض کیا ہے غزالی۔''

''اوہ...... ریطہ...... ریطہ......'' اس نے میرا ہاتھ تھام کر اپنے رخسار سے لگا لیا۔

''سیکھو...... محبت کرنا سیکھو...... جن کے درمیان محبت کا رشتہ ہوتا ہے ان کے بیچ میں صرف محبت ہی ہوتی ہے...... صرف محبت اور محبت ہی محبت...... یہ ناراضگیاں' یہ غصہ' یہ خفگی...... یہ سب کچھ نہیں ہوتا...... بالکل نہیں ہوتا۔''

میں کچھ قائل ہوئی لیکن میں نے پھر بھی اپنی بات رکھنے کو کہا۔ ''مجھے باتوں سے مت بہلاؤ غزالی۔''

''کچھ نہیں سمجھتی ہو تم......'' اس نے میرا ہاتھ اپنے رخسار کے ساتھ بھینچ لیا۔ ''یہ محبت ہے...... محبت...... اور میں نے محبت کے مان پر ہی یہ سمجھا تھا کہ ریطہ...... تم میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو گی...... میرے جذبوں میں میرے ساتھ شریک رہو گی لیکن تمہیں تو محبت کرنا بھی نہیں آتا...... جسے چاہا جاتا ہے اس سے یوں بدگمان تو نہیں ہو جاتے۔''

میں کچھ نادم سی ہوگئی...... میرا سر جھک گیا اور میں اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی۔

وہ بولا۔ ''ریطہ...... اس روز میں تمہاری طرف آنے کیلئے ہی تیار ہوا تھا...... میں نے سارا دن اسی لمحے کو سوچتے ہوئے گزارا تھا۔ شام کو میں دھنک کے کمرے گیا کہ اس کو بھی ساتھ لے چلوں۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں کاشف کی تصویر تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو۔ میری زبان پر تالے پڑ گئے۔ میرے ضمیر کی ملامت نے مجھے مار دیا۔ میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا۔ میں نے وہ ساری شام اپنے کمرے میں خود کو کوستے ہوئے گزار دی۔ ریطہ میری بہن کا گھر میرے کرتوتوں کی وجہ

سے اجڑا ہے۔ میں اس کے سامنے اپنا گھر بسانے کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ میں اس کے دکھے ہوئے دل کو اور ٹھیس نہیں پہنچا سکتا تھا۔ نہیں ریطہ میں یہ نہیں کر سکتا تھا..... میں یہ نہیں کر سکتا تھا..... تم خود کو میری جگہ پر رکھ کر سوچو..... کیا میں معاف کیے جانے کے قابل ہوں..... بولو ریطہ ..... کیا اب بھی تم اپنے مجرم کو معاف کر سکو گی یا نہیں۔''
اس نے سر اتنا جھکایا کہ میری گود میں رکھ دیا۔

''تمہاری ایک ہی سزا ہے۔'' میں نے اس کے گھنے بالوں کی مٹھیاں بھر کر کھینچتے ہوئے کہا۔

''کیا.....؟'' وہ بولا۔

''کہ تم سے پیار کیا جائے۔'' میں نے اس کے کان کے پاس مدھم سی سرگوشی کی۔

اس نے تیزی سے سر اٹھایا اور آنکھوں میں شرارت بھر کر بولا۔ ''تو لو کرو.....''

''بکو نہیں.....'' میں نے ہنس کر اسے پرے دھکیلا۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر پھر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے چہرے سے شرارت رخصت ہو گئی۔ اس نے نیا سگریٹ سلگایا اور سنجیدگی سے کہنے لگا۔ ''ریطہ..... میں دھنک کی وجہ سے بہت پریشان رہتا ہوں۔ اس کا اجڑا چہرہ دیکھتا ہوں تو مجھے خود سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ میں اپنے خاندان کی تباہی کا ذمہ دار ہوں۔ میں اپنی ماں کا مجرم ہوں۔ میں اپنی بہن کا قصور وار ہوں۔ میں ان راہوں کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں جنہوں نے مجھے اپنوں کی خوشیوں کا خون کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ریطہ..... میں چاہتا ہوں کہ دھنک کی خوشیاں لوٹ آئیں۔ میں اس کے دکھوں کی تلافی کر سکوں..... جب تک میں اپنے ضمیر کا یہ بوجھ نہیں اتار لیتا میں شادی نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ سب آسان نہیں ہے۔ اس میں نہ جانے کتنی دیر ہو جائے..... کتنا وقت بیت جائے..... کتنا عرصہ لگے.....'' وہ پھر میری طرف پلٹا۔

''ریطہ..... تم اتنا انتظار کر سکو گی.....؟'' اس معاشرے میں جہاں قدم قدم پر مجھ سے اچھے اور بہتر لوگ تمہارے راستے میں آئیں گے۔ تم میری راہ تکتے تکتے

تھک تو نہیں جاؤ گی۔''

میں نے اس کے دھواں دھواں چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے دکھوں کا عکس اس کے چہرے پر تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ کھو دینے کا خوف اور کسی متوقع محرومی کا اندیشہ لرز رہا تھا۔ ایسے میں وہ مجھے پہلے سے کہیں زیادہ اچھا لگا۔ میں نے بڑے لگاؤ سے اس کے ہاتھ تھامے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے اسے مخاطب کیا۔
''غزالی..... میں نے تمہیں اپنایا ہے..... تو تمہارے دکھ، تمہاری محرومیاں بھی تو میری ہیں۔ میں انتظار کر سکتی ہوں زندگی کی آخری سانس تک..... اس لئے کہ وہ تمہارا انتظار ہے اور اس میں تمہارے حصول کی امید بھی ہے۔''

ہمارے درمیان بندھا ہوا ریشمی بندھن ایک بار پھر مضبوط ہو گیا تھا۔ غزالی کی محبت کا یقین میرے اندر اجالے بکھیر دیتا تھا لیکن اس کی محرومیوں کی کسک نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ اس کی الجھن میری الجھن بن گئی تھی۔ اس کی بہن دھنک مجھے بھی پیاری تھی۔ میں چاہتی تھی کہ اس کا گھر بس جائے اور غزالی مطمئن دل کے ساتھ مجھ تک آ سکے۔

میں اس بارے میں بہت کچھ سوچتی رہتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا ٹوٹا ہوا گھر کس طرح بسایا جائے۔ غزالی نے بتایا تھا کہ کاشف اس سے بہت بدگمان ہے۔ وہ کسی مصلحت پر آمادہ نہیں۔ میں غزالی کیلئے یہ خوشی اپنے ہاتھ سے تراشنا چاہتی تھی لیکن اس کیلئے کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں بہت پریشان رہنے لگی تھی اور اسی بارے میں الجھی رہتی تھی۔

الجھن کے انہی دنوں میں ایک روز ایک خوبصورت جوڑا افراتفری میں ہوسپٹل آیا۔ لڑکے کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور لڑکی خاصی گھبرائی ہوئی لگتی تھی۔ اس روز میری ڈیوٹی ایمرجنسی میں تھی۔ میں نے پہلی نظر میں یہ پہچان لیا کہ لڑکی ایک بدنام کال گرل تھی۔ اس کی تصویریں اکثر فیشن میگزین میں چھپتی رہتی تھیں۔ لڑکا چہرے مہرے سے پاکستانی لگتا تھا اور بے حد وجیہہ تھا۔ اس نے بھی میرے ہم وطن ہونے کا اندازہ لگا لیا اور سیدھا میری طرف ہی آیا۔

''مس..... پلیز آپ تھوڑی سی مرہم پٹی کر دیں گی۔'' وہ تیزی سے کہنے

لگا۔

"ہاں ینگ لیڈی..... ذرا جلدی سے ہاتھ کی صفائی دکھاؤ ہمیں ایک پارٹی میں پہنچنا ہے اور ہمیں پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔" اس کی ساتھی نے شانے اچکا کر گھڑی دیکھی۔

"لیکن یہ زخم کس طرح لگا ہے.....؟" ڈورس بھی قریب آ گئی اور اس نے کڑے لہجے میں سوال کیا۔

"ایکسیڈنٹ..... محض ایکسیڈنٹ۔" لڑکی نے فوراً کہا۔

"یہ ایکسیڈنٹ تو نہیں لگتا۔" ڈورس نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"خدا کیلئے اس تھانیداری سے ہماری جان چھڑائیں..... اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔" لڑکے نے دبی زبان میں مجھ سے اردو میں کہا۔

مجھے اس کے مضحکہ خیز انداز پر ہنسی آ گئی۔ میں نے ڈورس کو ٹالا..... "ڈورس یہ میرا ہم وطن ہے اس کی مشکل مجھے ہی حل کرنے دو۔"

"تمہاری مرضی لیکن دیکھ لینا کوئی پولیس کیس ہی نہ ہو۔" ڈورس نے مجھے تنبیہ کرنا ضروری خیال کیا۔

"لگتا ہے تم کچھ مار کٹائی کر کے آئے ہو۔" میں نے لڑکے سے اردو میں پوچھا۔

"بس یونہی کچھ پھڈا ہو گیا تھا لیکن آپ بے فکر رہیں یہ پولیس کیس ہرگز نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"مگر پھر بھی کچھ اطمینان کرنا تو ضروری ہے۔" میں نے اسے ڈراوا دیا۔

"کچھ تو لحاظ کریں ہمارا۔" وہ لجاجت سے بولا۔ "ابھی مشکل سے تو اس تھانیدارنی سے جان چھوٹی ہے۔"

لڑکی سخت بے چینی میں اپنی ایڑیوں پر جھولتی ہوئی بولی۔ "پلیز ذرا جلدی کرو ورنہ بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"اوہ جو یہ گڑبڑ ہو چکی ہے۔" میں نے لڑکے کے سر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو ہو ہی چکی ہے لیکن اگر تم اور دیر کرو گی تو اس سے زیادہ ہو جائے

گی۔" لڑکی نے قدرے بدتمیزی سے کہا۔

میرا موڈ خراب ہوا۔ لڑکے نے میرے چہرے سے شاید اس کا اندازہ کر لیا اور لڑکی سے بولا۔ "ڈارلنگ تم فون پر انہیں بتا دو کہ ہمیں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو جائے گی۔ اب اس میں وقت تو لگے گا۔"

لڑکی برے برے منہ بناتی ریسپشن کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے اس کا زخم دیکھا جو کچھ زیادہ گہرا نہیں تھا۔ ٹانکے لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کی ڈریسنگ کر چکی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "بہت سکون ہے آپ کے ہاتھ میں..... آپ نے میرا زخم دکھنے نہیں دیا۔"

"شکریہ۔" میں نے اپنا ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے رسماً کہا۔

"اب تو روز روز ایسے زخم کھانے پڑیں گے۔" اس کی پرکشش آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"میں ہر روز ایمرجنسی میں ڈیوٹی پر نہیں ہوتی۔" میں نے اس کی بات سمجھ کر اکھڑے پن سے کہا۔

"چلئے..... ہم آپ کی ڈیوٹی کا شیڈول پتہ کر لیں گے۔" وہ قدرے خم ہو کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"او..... ڈیئر فول..... تمہیں یہاں بھی عشق بگھارنے کا موقع مل گیا ہے۔" اس کی ساتھی فون کر کے واپس آئی۔

"نہیں ڈارلنگ..... میرے نصیب میں تو صرف تم ہی ہو۔" وہ اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

لڑکی نے ہنس کر کوئی گالی بکی اور اس کے رخسار پر چٹکی لے کر بولی۔ "تم یہ [illegible] کروا کے کچھ زیادہ ہی بلڈی فول نہیں لگ رہے۔"

"میں تو ہوں ہی نمبر ایک فول کہ آج کی پارٹی میں شریک ہونے کیلئے تمہیں [illegible]پنا ہے۔" لڑکے نے اسے چھیڑا۔

"کمینے..... تم بہت ہی کمینے ہو۔" لڑکی بھنا کر اس پہ جھپٹی۔ لیکن وہ اسے جھکائی دے کر اس کی پہنچ سے نکل گیا۔

"اپنا نام بتایئے......" میں نے ان کی اس چھیڑ چھاڑ سے اکتا کر لڑکے کو متوجہ کیا۔

"نایاب......" وہ قریب آ گیا۔ "کیسا لگا میرا نام؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"ایڈریس لکھوایئے......" میں نے اسے نظر انداز کر کے کاروباری لہجے میں کہا۔

اس نے ایڈریس لکھوایا اور مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے پھر ملنے کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"بس اب آپ جا سکتے ہیں۔" میں نے ضروری اندراج کرتے ہوئے فارم سے نگاہ ہٹائے بغیر خشکی سے کہا۔

"میں کل ڈریسنگ کیلئے کس وقت آؤں۔" اس نے پوچھا۔

"آپ یہ ڈریسنگ خود بھی کر سکتے ہیں۔" میرا انداز سپاٹ تھا۔

"میں خود کہاں کر سکتا ہوں جی اور جو زخم خراب ہو جائے تو میں تو مفت میں ہی مارا جاؤں گا۔" اس نے دہائی دی۔

مجھے اس کے مسخرے پن پر دل ہی دل میں ہنسی تو آئی لیکن میں نے اپنے رویئے میں لچک پیدا نہیں ہونے دی اور یوں ظاہر کیا جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

وہ ڈھٹائی سے پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی ساتھی نے اس کی آستین گھسیٹ لی اور دیر ہو جانے کا شور مچاتی اسے اپنے ہمراہ لے گئی۔ وہ جاتے جاتے بھی پیچھے مڑ کر میری طرف الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتا ہوا گیا۔

دوسرے روز وہ پھر آن موجود ہوا۔ اس روز وہ اکیلا تھا۔ اور غالباً پورے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آیا تھا۔ ایمرجنسی میں میرے ساتھ ایملی بھی تھی۔ اس نے میرے قریب آ کر بالکل شناساؤں کی طرح ہیلو...... ہیلو...... کی اور اپنی ڈریسنگ کروانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

"ایملی ...... ذرا اس کی ڈریسنگ کر دو......" میں نے جان بوجھ کر اسے ایملی کے حوالے کرنا چاہا۔

"نہیں...... میں صرف آپ سے ہی ڈریسنگ کراؤں گا۔" وہ ٹھنکا۔

"میں مصروف ہوں۔" میں نے بدستور اندراجات کے رجسٹر پر جھکے جھکے کہا۔

"میں انتظار کر لیتا ہوں۔"

"آپ اپنا وقت ضائع نہ کریں۔" میں نے درشتی سے کہا۔

"وقت کی پروا کسے ہے مگر میں آپ کو اتنا بتا دوں کہ اگر آپ میری ڈریسنگ نہیں کریں گی تو میں دھرنا مار کر یہیں بیٹھ جاؤں گا۔" اس نے ایک کرسی سنبھال لی۔

"یہ شاید تمہارا ہم وطن ہے۔" ایملی نے اس کی زبان نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہاں......" میں نے سر ہلایا۔

"تو تم ہی اسے ٹریٹمنٹ دو...... اسے شاید وطن کی یاد ستا رہی ہے۔ جب ہی وہ تمہارے پاس آیا ہے۔" ایملی نے اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں کہا۔

نایاب اچھل کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایملی کا ہاتھ پکڑا اور اس پر بوسہ دے کر بولا۔ "اوہ خوبصورت لڑکی...... تم نے اپنے ہی جیسی خوبصورت بات کی ہے۔"

ایملی اس ستائش پر کھل اٹھی اور مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ریطہ...... اس دلچسپ آدمی کی بات مان ہی لو۔"

"آپ کا نام ریطہ ہے...... بہت پیارا نام ہے۔" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ باتیں ذرا کم کریں اور چلیئے میں آپ کی ڈریسنگ کر دوں۔" میں نے اس کی چرب زبانی سے پیچھا چھڑانے کو کہا۔

"اوہ...... شکریہ...... شکریہ...... آخر آپ کو مجھ پر ترس آ ہی گیا۔" اس نے مسمسی صورت بنائی۔

جتنی دیر میں اس کی ڈریسنگ کرتی رہی اس کی زبان تالو سے نہیں لگی۔ وہ بلا کا باتونی تھا اور نہ جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے تکی باتیں کیے جا رہا تھا۔

میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔

فراغت ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میرے شانے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''یقین کیجئے کہ میں اپنی زبان بولنے کو ترس گیا ہوں۔ یہاں انگریزی بول بول کر میرا منہ ٹیڑھا ہو گیا ہے اور آپ ہیں کہ میری کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہیں۔''

''دیکھئے میں زیادہ بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔'' میں نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

''پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں...... آپ میری ہم وطن ہیں...... آپ سے بات کر کے میں اپنوں کو یاد کر لیتا ہوں۔ کیا میں کبھی کبھی آپ سے مل سکتا ہوں؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

''نہیں...... مجھے یہ سب پسند نہیں۔'' میرے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

''تھوڑی دیر مل بیٹھنے میں بھلا کیا حرج ہے۔'' اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

میں نے ابھی اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ مجھے ڈاکٹر براؤن کا بلاوا آ گیا اور میں سب کام چھوڑ کر ان کے آفس کی طرف روانہ ہو گئی۔

میں خاصی دیر کے بعد واپس آئی تو وہ ابھی تک ایک کرسی پر جما بیٹھا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ آئی۔ تو وہ تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے قریب آ کر بولا میں نے آپ کی خاطر اتنا انتظار کیا ہے...... پلیز...... اب تو بتا دیجئے کہ میں کبھی کبھی آپ سے مل سکتا ہوں ناں...... پلیز......''

میں نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''بھئی آخر آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟''

''آپ مجھے اچھی لگی ہیں...... بلکہ بہت اچھی لگی ہیں...... آپ مجھ سے دوستی کر لیجئے ناں...... میں بہت تنہا ہوں۔'' اس نے بڑی صاف گوئی سے جتلایا۔

مغرب میں لڑکوں کے ساتھ دوستی کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے یہاں لڑکیوں کے ساتھ مراسم بڑھانا۔ اس لڑکے پر بھی مغرب کا رنگ خوب چڑھا ہوا تھا۔ اسی لئے وہ مجھے دوستی کی دعوت دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس کے ساتھ

بحث کرنا فضول وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ اسی لئے میں نے پیچھا چھڑانے کو یونہی کہہ دیا۔ ''اچھا...... میں سوچوں گی۔''

اس نے اپنی شریر آنکھیں نچائیں۔ ''یہ کوئی پہیلی تو نہیں ہے...... جس کا جواب آپ سوچ کر دیں گی۔''

''پلیز...... اب آپ جائیں...... مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہہ کر جیسے گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنا چاہا۔

وہ مسکرا کر خم ہوا۔ ''ٹھیک ہے مس ریطہ...... ہم پھول کھلنے کا انتظار کریں گے۔''

وہ چلا گیا اور میرے ذہن سے بھی اتر گیا۔ میں ان دنوں بے حد الجھی ہوئی سی اور پژمردہ رہتی تھی۔ زندگی بے رنگ اور دل بے آباد سا ہو چلا تھا۔ غزالی کی محبت کے یقین کے باوجود دوری کی اس خلیج کو پاٹنا ممکن نہیں تھا۔ دھنک کا ٹوٹا ہوا گھر جوڑنے کی جستجو ناکام تھی۔

⌘ ⌘ ⌘

میں تنہائی پسند ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی بات مجھے خوش نہیں کرتی تھی۔ غزالی سے مل کر فرقتوں کی تلخی کچھ اور بڑھ جاتی تھی۔ اسی لڑکے نایاب نے بھی دو ایک بار فون کیا تھا لیکن میں نے بے حد مختصر بات کی۔ اس کی شوخیاں مجھے بار ہوتی تھیں۔

انہی دنوں ایک شام میں ایملی کے ہمراہ ہوسٹل سے نزدیکی ریستوران میں کافی پینے چلی گئی۔ خیال تھا کہ شاید کچھ تبدیلی کا احساس ہوگا۔ لیکن یہاں کے بے ہنگم شور نے مجھے پریشان کر دیا۔ آرکسٹرا عجیب وغریب دھنیں بجا رہا تھا اور ایک شوخ و چنچل نیگرو لڑکی چیختے ہوئے رنگوں میں ملبوس گانا گا رہی تھی۔ جس میں سر و نغمگی کا کوئی عمل دخل نہیں تھا صرف بلند آہنگ چیخ و پکار کے سوا کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا لیکن وہاں موجود لڑکے اور لڑکیاں اس سے بے حد محظوظ ہو رہے تھے اور بڑے شوخ اور بیباک انداز میں اسے داد دے رہے تھے۔

ایملی بھی ماحول کی خوشگواری کا لطف اٹھا رہی تھی لیکن میرا دماغ شور و ہنگامے میں پھٹا جا رہا تھا۔ کافی کی ایک پیالی پینا بھی مجھے دوبھر ہو گیا تھا۔

''ایملی ...... یہ تم کہاں لے آئی ہو...... میں تو کچھ دیر سکون سے گزارنا چاہتی تھی......'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''اوہ...... کم آن ڈیئر...... تم کچھ زیادہ ہی مردم بیزار ہوتی جا رہی ہو...... میری جان زندگی کا لطف اٹھاؤ...... یہ دن پھر لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔'' ایملی نے جھومتے ہوئے کہا۔

مجھے احساس ہوا کہ زندگی کا سارا لطف تو اندر کے موسم سے ہے۔ میرے اندر کی خزاں دوسروں پر مسلط تو نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے میں نے ایملی کی بات کا کوئی

جواب نہیں دیا۔ وہ گانے میں اتنی محو تھی کہ اس نے میرے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا۔ میں اکتا کر کافی کی پیالی کو گھورنے لگی اور اس کی تاریک سطح پر کچھ چہرے بار بار بننے اور مٹنے لگے۔

اسی وقت کوئی ہمارے میز کے ساتھ اتنی زور سے ٹکرایا کہ پیالیاں چھلک گئیں۔ میں نے اور ایملی نے لڑھکتے ہوئے برتنوں کو بمشکل بچایا۔ میری نگاہ ٹکرانے والے کی طرف اٹھی۔ نشے میں جھومتا ہوا نایاب ایک لڑکی کی کمر میں بازو ڈالے میری طرف جھکا۔

''مس ربطہ...... آپ کے خوبصورت چہرے کی ضیا نے سارے ریسٹورنٹ کو روشن کر دیا ہے۔ میں بھی حیران تھا کہ یہ روشن اجالا کیسا ہے۔'' وہ لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں بولا۔

ایملی نے ابرو سے اشارہ کیا۔ ''یہ شاید وہی ہے...... تمہارا ہم وطن...... تمہارا پرستار۔''

میں ایملی کے اس طرح کہنے پر شرمندہ سی ہو گئی۔ نایاب سے میرا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن اس سے ہم وطنی کا تعلق میرے لئے ندامت کا سبب بن گیا تھا۔ میں نے اسے ٹالنے کیلئے ناگواری سے کہا۔

''نایاب...... جاؤ اپنی دوست کی صحبت سے لطف اٹھاؤ۔''

''نہیں...... میرے لئے تو آپ کے پاس بیٹھنے میں ہی لطف ہے۔'' اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

اس کی ساتھی نے اس کے کان کے ساتھ منہ لگا کر بلند آواز میں کہا۔ ''اگر تم یہاں بیٹھنا چاہتے ہو تو بیٹھو مرو...... میں مائیکل کے پاس جا رہی ہوں...... بور آدمی۔''

نایاب اپنے کان پہ ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹا۔ ''اوہ...... تم نے تو میرے کان کا پردہ ہی پھاڑ دیا ہے۔ خوبصورت چڑیل۔'' اس نے لڑکی کو بازو سے پکڑ کر گھماتے ہوئے ہلکا سا دھکا دیا۔ ''جاؤ...... جاؤ...... اس بن مانس کے پاس...... تمہیں تو خوبصورت چہرے راس ہی نہیں۔''

لڑکی ہنستی مسکراتی آگے بڑھ گئی۔ نایاب ہلکا سا خم ہوا۔ ''میں بیٹھ سکتا

ہوں؟"

میں سخت بیزار ہوئی اور مجھے افسوس بھی ہوا کہ یہ نوجوان تباہی کے راستے کی طرف کس تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ میں نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ "اس وقت تم اس حالت میں نہیں ہو کہ ہمارے ساتھ بیٹھ سکو۔"

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ دائیں بائیں جھومتا ہوا بولا۔

"تم نشے میں ہو اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔" میں نے درشتی سے جواب دیا۔

"اچھی بات......؟ یہ اچھی بات کیوں نہیں ہے۔" وہ نشے کی ترنگ میں بڑبڑایا۔

ایملی ہنسی...... "بہت مزیدار سوال ہے۔"

مجھے غصہ آیا۔ "نایاب...... تم اپنے ساتھ اپنے ملک کی شناخت لیے پھرتے ہو...... تمہارے ساتھ تمہارے خاندان کی نیک نامی وابستہ ہے اور تم......"

"اچھا...... اچھا...... مجھے بیٹھ تو جانے دیں ناں...... اب کھڑا نہیں ہوا جا رہا...... پھر میں آپ کا واعظ بڑے آرام سے سنوں گا۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

ایملی نے قہقہہ لگایا۔ "بھئی...... بہت دلچسپ آدمی ہے یہ۔"

میرا موڈ اور خراب ہو۔ "انتہائی فضول شخص ہے یہ۔" میں نے غصہ سے کہا اور کرسی دھکیل کر اٹھی۔

"کافی پینے کا سارا مزہ غارت ہو گیا ہے۔ ایملی تمہیں چلنا ہو تو چلو میں جا رہی ہوں۔"

"اوہو...... پلیز...... یہ غضب تو نہ کریں۔" اس نے اٹھ کر ہمیں روکنے کی کوشش کی لیکن لڑکھڑا کر پھر اپنی کرسی پر گر پڑا۔

"ریطہ...... اسے ہلکے پھلکے انداز میں لو...... اس طرح اپنا موڈ خراب نہ کرو۔" ایملی نے خوش طبعی سے کہا اور نایاب کو بازو سے تھام کر اسے صحیح طرح کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی۔ اور اس سے بولی۔ "ہاں تو نوجوان ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم اس پیاری لڑکی کے ساتھ ریشہ خطمی ہونے کی بیکار کوشش میں کیوں لگے ہوئے ہو۔"

"ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔" وہ کرسی پر آگے پیچھے جھومتا ہوا بولا۔

"بات تو اس کی بھی صحیح ہے۔" ایملی کی نیلی آنکھوں میں شرارت چمکی۔

میں نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔ ایملی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "ریطہ...... دوستی کر لینے میں حرج بھی کیا ہے۔ اب تو تمہاری بہت سی ہم وطن لڑکیاں بوائے فرینڈز رکھتی ہیں۔"

"یہی میں اس خوبصورت قاتلہ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔" نایاب جھوم کر بولا۔

میرا موڈ سخت خراب ہوا۔ میں جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک ویٹرس نے آ کر ایملی کو بتایا کہ کاؤنٹر پر اس کیلئے فون ہے۔ ایملی معذرت کرتی ہوئی اٹھ گئی۔ میں نے گھور کر نایاب کی طرف دیکھا۔ اس نے بچوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور شرارت سے بولا۔

"اوہ پلیز...... اس طرح تو نہ دیکھیں ناں...... میں تو شہید ہو جاؤں گا۔"

"بکو نہیں......" میں نے ڈپٹ کر کہا۔ "شہید کا لفظ اپنی گندی زبان پر نہ لاؤ۔ شہید تو عظیم ہوتے ہیں اور تم جیسے گھٹیا لوگ تو نالیوں اور موریوں میں پڑے اپنے مذہب اور اپنے ملک اور اپنے خاندان کے نام پر کالک ملتے ہیں۔"

"ہائے...... ہائے...... پھر وعظ۔" اس نے مصنوعی خوف طاری کرتے ہوئے کہا اور میز پر رکھے ہوئے ٹشو پیپر کے ڈبے میں سے ایک ٹشو نکال کر جلدی سے اپنے سر پر ڈال لیا۔ "لیجئے جناب میں آپ کا سرمن سننے کیلئے تیار ہوں...... ارشاد......"

مجھے اس کی بے ساختگی پر دل ہی دل میں ہنسی تو آئی لیکن اس سے زیادہ غصہ آیا۔ میں نے خفگی سے کہا۔ "نایاب...... تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔ تم خود اور اپنے خاندان کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ تم جو مقصد لے کر اس سرزمین پر آئے تھے اس کو تم نے کیوں فراموش کر دیا ہے۔"

"پلیز...... کوئی اور بات کریں...... آپ تو میرا شجرہ نسب کھولنے بیٹھ گئی ہیں۔ بلکہ یوں کریں کہ آپ کچھ بھی نہ کہیں...... آپ کی موجودگی میرے لیے کافی ہے۔ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں...... میں چاہتا ہوں ہر وقت آپ کو دیکھتا رہوں۔"

وہ دونوں بازو میز پر ٹکا کر اپنی نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اسی وقت سونے کے تاروں ایسے سنہری بالوں والی ایک دبلی پتلی سی لڑکی نے اس کی پشت پر سے دونوں بازو اس کی گردن میں حائل کر دیئے۔ ’’اے...... آج تم مجھے ساحل پہ چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے ڈیئر ڈیول......‘‘

نایاب نے ہنس کر اپنی گردن پیچھے جھکاتے ہوئے اسے دیکھا۔ ’’اور تم اس جرم میں میری گردن توڑنا چاہتی ہو...... پیاری چڑیل۔‘‘

وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ’’مصیبت تو یہ ہے کہ تم جیسے پیارے کمینے کے ساتھ میں یہ کر نہیں سکتی۔‘‘ وہ اس پر جھک کر بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے لگی۔

نایاب نے اس کا بازو کھینچ کر اسے قریب پڑی کرسی پر بٹھا لیا۔ ’’آج میرے سامنے ایک بہت ہی پیاری ہستی ہے۔ آج تو میں تمہاری طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔‘‘

لڑکی کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ مسکرائی۔ ’’آپ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی کیونکہ آپ نے اس نائی بوائے کی توجہ میری جانب سے ہٹا دی ہے۔‘‘

’’میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔‘‘ میں نے خشکی سے کہا اور اپنی کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ نایاب نے مجھے روکنے کی بہتیری کوشش کی لیکن میں تیز قدموں سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں ایملی فون کر کے فارغ ہو چکی تھی۔

’’ارے وہ کہاں گیا...... تمہارا دلچسپ دوست......‘‘ ایملی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

’’چلو آؤ...... چلتے ہیں...... اس احمق نے آج مجھے بہت بور کیا ہے۔‘‘ میں نے اس کے بازو میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

’’تم بھی بہت عجیب ہو...... بھلا اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔‘‘ وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

ابھی ہم ریسٹورنٹ کے دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ اچانک میری نگاہ کونے کی ایک میز پر پڑی جہاں ایک تنہا لڑکی چائے کی پیالی سامنے رکھے کسی گہری

سوچ میں گم تھی۔ میں ٹھٹک کر رکی اور اس کے قریب جا کر اسے مخاطب کیا۔ ’’ہیلو...... دھنک......‘‘

وہ چونک گئی۔ اس نے جلدی جلدی آنکھیں جھپک کر میری طرف دیکھا تو ایک آنسو اس کی آنکھ کے گوشے میں اٹک گیا۔ لیکن اسے خبر نہیں ہوئی۔ ’’اوہ آپ ہیں...... ہیلو......‘‘ وہ بولا۔

’’تم یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟‘‘ میں نے لگاؤ سے پوچھا۔

’’کچھ نہیں...... بس یونہی......‘‘ اس نے اپنے سیاہ گھنے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

’’دھنک...... تم کچھ پریشان لگتی ہو...... خیریت تو ہے۔‘‘ میں نے اپنائیت سے استفسار کیا۔

’’آپ بیٹھیں...... میں چائے منگواتی ہوں۔‘‘ اس نے جیسے بات ٹالنے کو کہا۔

’’نہیں شکریہ۔‘‘ میں نے روا روی میں کہا۔ میرے اندر ایک انجانا سا خوف سرسرانے لگا۔ کہیں غزالی تو کسی مشکل میں گرفتار نہیں جب ہی تو وہ اتنی پریشان نظر آتی تھی۔ ’’دھنک تم کچھ چھپا رہی ہو...... غزالی تو ٹھیک ہیں۔‘‘ میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

اس کی آنکھوں میں نمی جھلکی۔ اس نے پلکیں جھپک کر اپنے آنسوؤں کو بہہ جانے سے روکا اور خود پر قابو پا کر بولی۔ ’’جی ہاں...... سب ٹھیک ہے...... بھائی بھی ٹھیک ہیں بالکل۔‘‘

میرے شکوک مجھے ڈرانے لگے۔ دھنک کی پریشانی میرے اندر اتر گئی۔ میں اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔ ’’نہیں دھنک...... مجھے سب ٹھیک نہیں لگتا...... کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے...... دیکھو...... تم مجھے اپنی بہن نہیں سمجھتی اگر تم مناسب سمجھو تو مجھ سے اپنی پریشانی بانٹ لو۔‘‘

دھنک نے ایک آہ سی بھری پھر کچھ کہنا چاہا۔ ’’وہ دراصل......‘‘ لیکن پھر

جھک کر خاموش ہو گئی۔ اور یونہی اپنے پرس کی اسٹریپ کو انگلیوں میں مسلنے لگی۔ میں اس کے کچھ کہنے کے انتظار میں چپ رہی۔ ایملی نے دخل دیا۔ ’’اگر میں کچھ مدد کر سکتی ہوں تو۔‘‘

میں نے دھنک کا ہاتھ تھپتھپایا۔ ’’دھنک تم اکیلی ہو...... پریشان ہو...... میں جانتی ہوں کہ تمہارے گھر میں کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ تم یہ پریشانی بانٹ سکو۔ غزالی تم سے کتنا بھی قریب سہی لیکن وہ ہے تو بھائی تم اس کے ساتھ دل کے زخم نہیں کھول سکتیں دیکھو مجھے اپنا سمجھو اگر میں تمہاری کوئی مدد نہ بھی کر سکی تو بھی تمہارے دکھ کو سمجھ تو سکتی ہوں۔ تمہارے دل کا بوجھ ہلکا تو کر سکتی ہوں ناں۔‘‘

دھنک کے زعفرانی رخساروں پر آنسوؤں کے چند موٹے موٹے قطرے بہہ گئے۔ جنہیں اس نے جلدی سے اپنے اسکارف میں جذب کر لیا اور سر جھٹک کر بولی۔ ’’کچھ کہنے سے فائدہ...... اب وہ اتنی دور نکل گئے ہیں کہ پلٹ کر آنا شاید ممکن نہیں رہا...... اب میرے پاس کوئی امید نہیں رہی۔‘‘

’’تم کاشف کی بات کر رہی ہو؟‘‘ میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

’’تم اس سے پھر ملی ہو۔‘‘ میں نے استفسار کیا۔

’’نہیں...... انہوں نے اپنی طرف آنے والے سارے راستے بند کر دیئے ہیں۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’نہیں دھنک مایوسی کی باتیں نہ کرو سارے راستے کبھی بند نہیں ہوتے۔ کوئی نہ کوئی دریچہ ضرور کھلا رہتا ہے جہاں سے تازہ ہوا آتی رہتی ہے۔ تم فکر نہ کرو میں خود کاشف سے مل کر بات کروں گی۔ مجھے یقین ہے یہ غلط فہمی ضرور دور ہو جائے گی۔ تم مجھے اس کا فون نمبر وغیرہ دو میں کل ہی اس سے اس مسئلے پر بات کرتی ہوں۔‘‘ میں نے اعتماد سے کہا۔

اس نے سر اٹھا کر براہ راست میری آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب ناآشنا سا جذبہ تھا۔ جواب سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس

نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر سر جھٹک کر خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر کچھ کہنے یا نہ کہنے کی آویزش تھی۔ میں نے بات صاف کرنے کیلئے پھر اس سے کہا۔ ’’دھنک کیا تم مناسب نہیں سمجھتی کہ میں کاشف سے ملوں۔‘‘

’’آپ ان سے مل چکی ہیں۔‘‘ وہ زہرخند سے بولی۔

’’میں......؟‘‘ مجھے حیرت ہوئی۔ ’’جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں کاشف سے کبھی نہیں ملی۔‘‘

’’ابھی آپ ان کے پاس سے تو اٹھ کر آ رہی ہیں۔‘‘ اس کے لہجے میں مجھے حسد آمیز سا طنز محسوس ہوا۔

’’کون......؟ وہ‘‘ میں نے تعجب سے دور نایاب کی طرف اشارہ کیا۔ جو دونوں کہنیاں میز پر رکھے اپنی ساتھی کے ساتھ سر جوڑے راز و نیاز میں مشغول تھا۔ ’’لیکن وہ تو اپنا نام نایاب بتاتا ہے۔ ایک روز ہوسپٹل آیا تھا بس تب سے پیچھے پڑا تھا کہ دوستی کرنا چاہتا ہے۔‘‘ میں نے وضاحت سے اسے بتایا تاکہ اس کے دل سے شکوک رفع ہو جائیں۔

’’ان کا پورا نام کاشف نایاب ہے۔‘‘ دھنک نے بتایا۔

میں نے پھر نایاب کی طرف دیکھا وہ اپنی غیر ملکی ساتھی کے ساتھ خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں دھنک کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ اس نے اپنی نگاہیں نایاب پر سے ہٹالی تھیں اور اپنی انگلیاں مسل رہی تھی۔

میں نے اسے متوجہ کیا۔ ’’دھنک...... نایاب شروع سے ہی ایسا ہے یا......‘‘

’’نہیں۔‘‘ اس نے دکھ سے آنکھیں میچتے ہوئے کہا۔ ’’وہ کبھی ایسے نہیں تھے...... مجھے ان کی وفا پر کبھی شک نہیں ہوا۔ ان کی ساری محبت میری تھی مگر اب...... اب انہیں پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا...... وہ کبھی ایسے نہیں تھے۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے یہ اس کی فطرت نہیں ہے وہ وقتی طور پر بہک گیا ہے۔ اس کے راہ راست پر آ جانے کی امید ہے۔‘‘ میں نے اس کی ڈھارس بندھائی۔

”میں اب ایسی امیدیں نہیں باندھتی۔ جن کا انجام ٹوٹ جانا ہے۔“ دھنک نے مایوسی سے کہا۔

”مایوس نہیں ہوتے دھنک۔“ میں نے اسے تسلی دی۔ ”میری سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ تم دونوں کے درمیان یہ غلط فہمی دور ہو جائے اور تمہارا گھر ایک مرتبہ پھر آباد ہو...... میں اس کیلئے ہر ممکن کوشش کروں گی۔“

دھنک نے نہ تردید کی نہ تائید۔ بس چپ چاپ بیٹھی اپنی بھیگی پلکیں خشک کرتی رہی۔

* * *

نایاب میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ دھنک کی خوشیوں میں ہی میری خوشیاں پنہاں تھیں۔ دھنک کا اجڑا ہوا گھر میرے اور غزالی کے سنجوگ کے راستے میں حائل تھا۔ میں اسے ہر قیمت پر آباد کرنا چاہتی تھی۔ میں اس پیاری لڑکی کے آنسو پونچھ دینا چاہتی تھی جو غزالی کو بے حد عزیز تھی۔ میں پہلے بھی اس پر سوچتی رہتی تھی لیکن اب نایاب کے بارے میں معلوم ہو جانے کے بعد مجھے اس میں سہولت نظر آئی تھی۔ امید ہو چلی تھی کہ نایاب کو دھنک کی طرف لوٹانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

میں نے پہلی فرصت میں ہی اس کا نمبر ڈائل کیا۔ میری آواز پہچان کر وہ خوشگوار سے استعجاب میں ڈوب گیا۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں آپ کی آواز ہی سن رہا ہوں اور آپ نے اپنی خوبصورت انگلیوں سے خود میرا نمبر ڈائل کیا ہے۔“ وہ دوسری طرف چہکا۔

”تمہیں یقین کس طرح آئے گا؟“ میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

”بس کچھ دیر اپنی شیریں آواز میں مجھ سے خوبصورت خوبصورت باتیں کرتی رہیں...... شاید یقین آ ہی جائے۔“ وہ بھی شوخ ہوا۔

”بھلا کتنی دیر؟“ میں نے بے تکلفی پیدا کرنے کیلئے اس سے پوچھا۔

”جب تک اس دل کو قرار نہ آ جائے۔“ اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”ہاں...... میں بھی چاہتی ہوں کہ تمہارے دل کو قرار آ ہی جائے اور تم ادھر ادھر بھٹکتے نہ پھرو۔“ میں نے کہا۔

”تو پھر کسی روز میرے اپارٹمنٹ آ جایئے نا پلیز یا مجھے حکم کریں میں حاضر ہو جاؤں۔“ وہ خوش ہوا۔

میں بھی چاہتی تھی کہ ایک بار اس سے براہ راست بات کروں تا کہ اس کا رویہ واضح ہو سکے اسی لئے میں نے وعدہ کر لیا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔

''میں آپ کو کس طرح بتاؤں کہ میں کتنا خوش ہوں۔''

''نہیں تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں میں تمہاری آواز سے اندازہ لگا سکتی ہوں۔'' میں نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

میں اپنے ذہن میں ایک پروگرام ترتیب دے رہی تھی۔ میری توقعات جوان ہو چلی تھیں۔ میرے دل میں امید کی لو بڑھتی جا رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میں پہلی ملاقات میں نہ سہی لیکن چند ایک ملاقاتوں میں یقیناً نایاب کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

میں نے اس کے ساتھ شام کا وقت طے کیا تھا۔ اس روز میرا آف ڈے تھا اسی لئے جب میں نایاب کے اپارٹمنٹ میں پہنچی تو وہ تازہ دم اور شگفتہ تھا۔ پہلی ہی گھنٹی پر دروازہ یوں کھل گیا جیسے میری ہی آمد کا انتظار ہو رہا تھا۔ نایاب مجھے ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملا اور بڑے تپاک سے مجھے اندر لے گیا۔

اس کے اپارٹمنٹ کی دلکش آرائش میں مجھے دھنک کے سلیقے کا پرتو نظر آیا۔ جو اس کی غیر موجودگی میں بے ترتیبی کی نذر ہو چلا تھا۔ نایاب نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ پھر میری طرف دیکھا۔ ''آج یہاں میرا دل چاہتا ہے کہ کبھی ان کو اور کبھی اپنے گھر کو دیکھنے والا شعر بولوں لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ مجھے پوری طرح سے آتا نہیں ہے۔''

''مہربانی...... تم شعر و شاعری پر عنایت کر کے بیچارے شاعروں کی روحوں کو بیقرار نہ کرو۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا بیٹھیں تو سہی ناں کوئی جگہ اپنے شایان شان دیکھ کر میں نے کافی کا پانی رکھا ہے ابھی آپ کو شاندار کافی پلائی جائے گی۔'' اس نے تھوڑا سا خم ہو کر بڑے ادب سے تمام نشستوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور وہ کافی بنانے کیلئے کچن کی طرف چلا گیا۔ میں ایک میگزین اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ بہت جلد کافی کے برتن اٹھائے ہوئے آیا اور میرے

لئے ایک پیالی میں گرم گرم کافی انڈیلی اور پیالی میری طرف بڑھا کر بولا۔

''دیکھئے جناب میں نے کیسی شاندار کافی بنائی ہے۔'' وہ بن کر بولا۔

''بس اب خود ہی تعریف نہ کرتے جاؤ کچھ میری رائے بھی لے لو۔'' میں نے پیالی ہاتھ میں لے لی۔

وہ وہیں قالین پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ''میں آپ کو...... 'تم' کہہ سکتا ہوں...... یہ ذرا آپ جناب بہت پرتکلف سا لگتا ہے...... کوئی اچھی بات سوجھتی ہی نہیں۔''

''چلو...... اگر تمہیں پسند ہے تو تم کہہ سکتے ہو۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے بے نیازی سے کہا۔

''مجھے تو بہت فرق پڑتا ہے ناں۔'' اس نے گہری نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی نگاہوں میں کوئی عجیب مفہوم ہے۔

میں نے اسے اپنا وہم ہی سمجھا اور اس سے پوچھا۔ ''تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟''

اس نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور مسکرا مسکرا کر کافی پیتا رہا۔ پیالی خالی ہو گئی تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

''بتاؤں...... کیا فرق پڑتا ہے...... تم ناراض تو نہیں ہو گی۔''

''میں بات سننے سے پہلے کیسے کچھ کہہ سکتی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا۔

وہ ایک زانو ٹیک کر تھوڑا سا بلند ہوا اور اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''فرق یہ پڑتا ہے کہ میں زیادہ آسانی سے حال دل کہہ سکتا ہوں...... تم سنو گی۔'' اس کی آنکھوں میں ایک شعلہ سا لپکا اور اس کی نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ مجھے یکلخت احساس ہوا کہ میں اس اپارٹمنٹ میں تن تنہا نایاب کے رحم و کرم پر ہوں۔ میں سنبھل کر بیٹھی اور میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ ''پہلے تم میری بات سنو جس کیلئے میں تمہارے اپارٹمنٹ میں آئی ہوں۔''

''اچھا!'' اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ''زہے نصیب......

زہے نصیب...... فرمائیے۔"

"وہ سنجیدہ بات ہے۔ تمہیں اسے سنجیدگی سے ہی سننا پڑے گا۔" میں نے تمہید باندھی۔

"او...... آئی سی......" اس نے سر پکڑ لیا۔ "تو گویا تم پھر وعظ کرنے کے موڈ میں ہو۔ پلیز...... پلیز...... مجھے اس قسم کی نصیحتوں سے بدہضمی ہو جایا کرتی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"بدہضمی کا بھی علاج ہے...... جب ہو گی دیکھی جائے گی۔" میں نے ڈپٹ کر کہا۔

"مگر پرہیز علاج سے بہتر ہے۔" وہ لاڈ سے کہنے لگا۔ اور آگے بڑھ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اور میں ان ساری باتوں سے پرہیز کا قائل ہوں جو اچھے بھلے ماحول کو کلاس روم بنا دیں۔"

"اچھا...... اگر تم کوئی کام کی بات نہیں سن سکتے تو پھر مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" میں نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر لیا اور اپنا پرس اٹھا کر چلنے کیلئے تیار ہو گئی۔

"نہیں...... نہیں...... یوں نہیں...... میں ناراض ہو کر تو نہیں جانے دوں گا۔" وہ بھی عجلت میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے میرا راستہ روک لیا۔

"ہٹو...... راستہ چھوڑو......" میں نے اپنے پرس سے اسے ٹھوکا دیا۔

"نہیں پلیز ناراض بالکل نہیں ہونا۔ تم جو کہو میں سننے کیلئے تیار ہوں۔" اس نے مجھے شانوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔

"ہاں بولو میں سب سنوں گا۔" وہ پھر قالین پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

"میں دھنک کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں نایاب۔" میں نے محتاط لہجہ اختیار کیا۔

وہ یکدم چونکا اور اس نے بہت غور سے میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلا اور وہ ناگواری سے بولا۔ "اس کا نام مت لو میرے سامنے۔"

"نہیں...... یوں نہ کہو نایاب...... تم دھنک کو اس جرم کی سزا دے رہے ہو

جو اس نے کیا ہی نہیں۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"پلیز اس موضوع کو یہیں پر سمیٹ دو میں نہیں چاہتا کہ کوئی بدمزگی پیدا ہو تمہاری اور میری دوستی میں کوئی فرق آئے۔" وہ ناپسندیدگی سے کہنے لگا۔

"تم میرے ساتھ اگر دوستی کا کوئی تعلق سمجھتے ہو تو اس کی وجہ دھنک ہی ہے۔ میں نے اسی کی خاطر تم سے روابط بڑھائے ہیں۔ ورنہ......"

"وہ تمہاری کیا لگتی ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر استفسار کیا۔

میں گڑبڑا گئی کہ اسے کیا بتاؤں۔ دھنک کے ساتھ کونسا رشتہ' کونسا تعلق جتاؤں...... میرا اس کے ساتھ تعلق کتنا گہرا تھا لیکن اسے کسی رشتے میں پرونا بہت دشوار تھا۔ میں نے قدرے شپٹا کر تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "تم مجھے اس کی دوست اور خیر خواہ بھی کہہ سکتے ہو۔"

"تم نے ایک بہت اچھے وقت میں ایک بہت ناگوار بات چھیڑ دی ہے۔" وہ بیزاری سے بولا۔ "سارا موڈ غارت کر دیا ہے۔ سارا طلسم بکھیر دیا بس اس کا ذکر چھوڑو اس وہ میرے لئے اسی طرح ہے جیسے میری زندگی میں آئی ہی نہیں تھی۔ یہاں کے قانون بڑے عجیب وغریب ہیں۔ ورنہ میں کب کا اسے طلاق دے چکا ہوتا۔"

"نہ...... نہ...... اس طرح نہ کہو...... وہ بے قصور ہے...... وہ تم سے محبت کرتی ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"بس...... بس...... پلیز...... اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی۔" اس نے قالین پر آگے کھسک کر دونوں ہاتھ میری گود میں رکھ دیئے اور سر اٹھا کر میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "تم ہو...... یہ تنہائی ہے...... خاموشی ہے...... یہ سب کتنا جادو بھرا اور خوبصورت ہے...... میری تنہائیوں کو دور کر دو ربطہ...... میری اداسیوں کو مٹا دو...... میری بیقراریوں کو تسکین دے دو......" اس نے انگلی سے میرے لبوں پر ایک لکیر سی کھینچنے کی کوشش کی۔

میں پیچھے ہٹ گئی۔ "اپنے ہوش میں تو ہو تم۔"

"تم سامنے ہو تو کون کافر ہوش میں رہ سکتا ہے۔" اس کی نیم وا آنکھوں میں سرخی جھلک آئی۔ اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"بند کرو اپنی یہ فضول بکواس...... اگر تمہیں دھنک کے بارے میں بات نہیں کرنی تو میں یہاں ایک پل نہیں رکوں گی۔" میں طیش میں اپنی جگہ سے اٹھی۔

وہ بھی میرے ساتھ ہی اٹھا اور میرے عین مقابل کھڑا ہو کر میری طرف مسکرا مسکرا کر دیکھنے لگا۔

"ہٹو...... میں جا رہی ہوں۔" میں نے درشتی سے کہا۔

"کوئی جانے دے گا تو جاؤ گی ناں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑے مزے سے بولا۔

میں نے اس کی بات کا جواب دینا گوارا نہیں کیا اور چلنے کیلئے قدم بڑھایا۔

وہ الٹے قدموں چلتا دروازے پہ جا کھڑا ہوا اور بند دروازے سے پشت لگا کر بولا۔

"نہیں جانے دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں سے ایک حیوانی جذبے نے لپک کر اس کی تائید کی۔

مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنی دگرگوں کیفیت کا اظہار نہیں ہونے دیا اور سختی کے بجائے نرمی کا رویہ اپنایا۔

"جب تم اس معاملے پر بات کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہو تو میرے رکنے کا فائدہ؟"

"اور بھی بہت سے معاملات ہیں اور بھی کتنی باتیں ہیں۔" وہ ہنس کر کہنے لگا۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "تم غصے میں بھی کتنی خوبصورت لگتی ہو۔ دل چاہتا ہے تمہیں دیکھتا ہی رہوں۔ تمہاری آنکھوں میں ڈوب جاؤں۔ تمہارے ریشمی بالوں کی چمک کو محسوس کروں اور تمہارے ہونٹ۔" اس نے معنی خیز توقف کیا۔

میں پوری جان سے لرز گئی۔ میں نے اپنا خشک حلق تھوک نگل کر تر کرتے ہوئے اپنے لہجے کو مضبوط بنایا۔ "مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ دھنک بیچاری یونہی تمہارے لئے ہلکان ہو رہی ہے اور تم ہو کہ۔" مجھے طیش کی شدت میں کوئی موزوں لفظ نہیں سوجھا تو میں دانت کچکچا کر رہ گئی۔

وہ ہنسا اور اس نے شرارت سے ابرو اچکائے۔ "اور تم...... فقرہ مکمل کرو نا

اپنا۔"

میں نے غصے سے ہونٹ چبائے۔ "بس اب میں چلوں گی۔" میں تیزی سے اٹھ کر دروازے میں سے نکلی...... لیکن اس نے کوریڈور میں مجھے جالیا۔

"ابھی مت جاؤ ناں...... اس طرح ترسا کے۔" اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔

میں نے غصے سے بازو چھڑایا۔ "یہ کیا حرکت ہے تم مجھے جانے کیوں نہیں دے رہے۔"

اس نے میرا بازو نہیں چھوڑا اور مجھے کمرے کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "ابھی تو کچھ راز و نیاز ہی نہیں ہوئے اور تم چل دیں۔"

مجھے اس وقت اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ میں کیوں اس آوارہ انسان کے اپارٹمنٹ میں تنہا چلی آئی تھی۔ جو میرے مقابل کسی عفریت کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بدل رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو میرے سارے وجود میں کپکپی کی لہر بن کر دوڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کیے اور تلملا کر اس کا ہاتھ جھٹکا۔ "بدتمیزی نہیں چلے گی نایاب۔ تم اس خیال میں نہ رہنا کہ میں بھی ان آوارہ لڑکیوں جیسی ہوں جنہیں تم ساتھ لیے پھرتے ہو۔"

"او...... نو...... تم ان جیسی کیوں ہونے لگیں۔ تم ان سے بہت مختلف ہو اسی لئے مجھے اچھی لگتی ہو۔" اس نے میرا بازو کھینچ کر مجھے خود سے قریب کیا۔ "یقین کرو میں تمہارے لئے ڈوئل لڑنے کیلئے تیار ہوں۔" اس کی سرگوشی میرے کان کی لو چھونے لگی۔

"بکواس بند کرو...... بہت ہو چکا مذاق۔" میں نے کبھی کا سیکھا ہوا کراٹے کا ایک وار اس پر آزمایا۔

اسے غالباً اس کی توقع نہیں تھی...... میرا بازو اس کی آہنی گرفت سے رہا ہو گیا اور وہ اتنے زور میں پیچھے کی طرف لڑھکا میں دوڑ کر صدر دروازے تک پہنچی اور میں نے جلدی سے اس کا ہنڈل گھمایا وہ پلک جھپکتے میں میرے پیچھے تھا اس نے مجھے دونوں شانوں سے پکڑ کر میری پشت دروازے سے لگا کر دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا۔

"چھوڑ دو...... مجھے چھوڑ دو...... مجھے جانے دو۔" میں نے شدید مزاحمت

کرتے ہوئے اسے پیچھے دھکیلا۔ دروازہ ایک مرتبہ پھر تھوڑا سا کھلا لیکن اس نے مجھے باہر نہیں نکلنے دیا۔ اور مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا اندر لے چلا۔ میں نے چیختے ہوئے پھر اس سے بازو چھڑا لیا اور دروازے کی طرف دوڑی۔ وہ میرے پیچھے لپکا۔

اچانک دھڑ سے دروازہ کا چوپٹ کھلا مجھے اپنی آنکھوں پر یقین کرنا محال ہو گیا۔ چوکھٹ پر افتی کھڑا تھا۔ میں گرتی پڑتی اس تک پہنچی اور اس کے بازو سے لگ کر ہانپنے لگی۔ نایاب نے گھور کر افتی کی طرف دیکھا۔ ''تم بغیر اجازت میرے اپارٹمنٹ میں کیوں داخل ہوئے ہو؟''

''بکواس بند کرو اور آئندہ اس لڑکی کی طرف بھول کر بھی نہ دیکھنا۔'' نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' افتی نے دانت پیس کر کہا۔

''کیوں...... تم اس کے مامے لگتے ہو۔'' نایاب مغلظات بکتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ افتی نے مجھے ایک طرف ہٹایا اور جھپٹ کر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ میں ایک طرف کھڑی ان کے ردوبدل دیکھتی رہی۔''

افتی بہت غصے میں تھا اور بری طرح سے نایاب کی مرمت کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ فرش پر پڑا تھا۔ اس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ افتی نے اپنے کپڑے ٹھیک کیے۔ ہاتھوں سے بال برابر کرتے ہوئے اس نے مجھے بازو سے تھاما اور اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا۔

ہم ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لفٹ تک آئے۔ اس نے بٹن دبایا۔ لفٹ کا خودکار دروازہ بند ہوا میں ابھی تک خوف کی کیفیت سے باہر نہیں آئی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں ناہموار تھیں اور میں ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

''ریطہ...... تم ابھی تک کانپ رہی ہو۔'' افتی نے قدرے پریشانی سے کہا اور مجھے اپنے بازو میں سمیٹ کر تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''کوئی بات نہیں زندگی میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو...... نارمل کرو خود کو...... شاباش۔''

مجھے اس کی ذات میں بے پناہ تحفظ کا احساس ہوا۔ میں اس کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔

میری کار نیچے موجود تھی۔ ہم نیچے آئے تو میں نے دیکھا کہ اس کی کار بھی میری کار کے برابر ہی کھڑی ہے۔ میں نے پرس کھول کر کار کی چابی نکالی تو افتی نے اسے میرے ہاتھ سے لے لیا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ ''بیٹھو...... میں تمہیں گھر پہنچا آؤں۔''

''اور تمہاری کار؟'' میں نے اس کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو مجھے تمہاری سلامتی عزیز ہے۔ سمجھیں اور میں جانتا ہوں کہ اس وقت تم ٹھیک طرح سے ڈرائیونگ نہیں کر سکو گی۔'' وہ بولا۔

''وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ میرا ذہن ابھی منتشر تھا اور میں خود کو یکجا نہیں کر پائی تھی۔ افتی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تو میری طرف گردن موڑ کر بولا۔ ''اب کیا محسوس کر رہی ہو تم؟''

''بس ٹھیک ہوں۔'' میں نے مدھم سے لہجے میں کہا اور اپنی توجہ ہٹانے کو پرس میں سے دستی آئینہ نکال کر اپنے بال وغیرہ ٹھیک ٹھاک کرنے لگی۔

افتی نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہم کھلی شاہراہ پر نکل آئے تو وہ بولا۔ ''ریطہ...... تم اس شخص کے ہتھے کیسے چڑھ گئیں...... یہ تو بہت آوارہ انسان ہے۔ میں نے اسے کئی بار کلبوں اور باروں میں بدنام لڑکیوں کے ساتھ دیکھا ہے۔''

''پہلے تم بتاؤ کہ تم یوں اچانک نیکی کا فرشتہ بن کر کہاں سے نازل ہو گئے تھے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اس طرح سے۔'' میں نے بات مکمل نہیں کی۔

''چلو یونہی سہی...... دراصل میں تو یہاں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ تمہاری کار کھڑی دیکھی تو مجھے خیال ہوا کہ شاید تم کسی مریض کو دیکھنے آئی ہو۔ میں لفٹ سے نکل کر آیا ہی ہوں کہ مجھے چیخیں سنائی دیں...... پھر وہ دروازہ کھلا اور بند ہوا...... دو تین بار ایسا ہی ہوا تو میں......'' اس نے دانت بھینچ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ میں نے کنکھیوں سے دیکھا اسٹیئرنگ پہ رکھے ہوئے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کھل اور بند ہو رہی تھیں۔ اس کے اندر کا اضطراب اس کے چہرے پر بھی نظر آ رہا تھا۔

میں افتی کے ساتھ ہمیشہ بے تکلف رہی ہوں۔ وہ میرے سارے رازوں کو

بغیر بتائے ہی جان لیتا تھا۔ اسے میری اندرونی کیفیات کی خبر از خود ہو جاتی تھی۔ اسی لئے اس کے ساتھ ہیر پھیر کر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے اسے تمام قصہ صاف صاف بتا دیا۔ اس نے لمبی سی ہوں کی اور ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ''تو اس کا مطلب ہے کہ غزالی صاحب واقعی تمہیں ہم سے جیت لے جائیں گے۔''

میں قدرے محجوب ہوئی اور اس کی بات ٹالنے کو بولی۔ ''تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو افتی۔''

''یہ عجیب باتیں نہیں ہیں لڑکی...... یہ تو حقیقت ہے...... جس طرح تم اس ناہنجار شخص کیلئے جان جوکھوں میں ڈال رہی ہو اس سے تو یہی لگتا ہے کہ غزالی وہ گھامڑ ہے جس کی محبت نے تمہیں دیوانہ بنایا ہے۔'' وہ ہنسا۔ ''حالانکہ مابدولت اس غلط فہمی کا بری طرح سے شکار تھے کہ وہ عظیم المرتبت ہستی ہم ہی ہیں۔''

میں بھی کھسیانی ہنسی ہنس دی اور بھلا میں اس کے جواب میں کہہ ہی کیا سکتی تھی۔ وہ خاموش رہا اور میں کار کے شیشے سے باہر رواں دواں ٹریفک کے رنگین سیلاب کو دیکھتی رہی۔

''اے......'' اس نے میرے بال ہولے سے چھو کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

''ربطہ اگر میں ایک بات کہوں تو تم یقیناً سوچو گی کی میں یہ سب حسد کے مارے کہہ رہا ہوں...... وہ صاف لہجے میں بولا۔

''نہیں افتی...... اب میں تم سے اتنی بدگمان بھی نہیں ہوں۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیا۔

''بھئی کیا کریں ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ محبت جو ہوتی ہے ناں وہ بہت ساری بدگمانیوں کو جنم دیتی ہے۔'' وہ بولا۔

''تم سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کیا کرو۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''دراصل ربطہ میں کہنا چاہتا ہوں...... میرا مطلب ہے...... میں تمہارے راستے میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ لیکن میں تمہیں کسی ایسے راستے پر چلتا ہوا بھی نہیں دیکھنا چاہتا جو صاف نہیں ہے...... واضح نہیں ہے...... جو دھند میں لپٹا ہوا ہے۔'' اس

نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یعنی......؟'' میرا لہجہ استفہامیہ تھا۔

''یعنی یہ...... کہ غزالی مجھے کچھ زیادہ ٹھیک بندہ نہیں لگتا۔ اس کی زندگی میں کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں ربطہ کہ تم جو بھی فیصلہ کرو سوچ سمجھ کر کو۔ تھوڑا انتظار کر لو جلدی مت کرو۔ یہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہے اور دوسروں کیلئے بھی۔'' اس کے انداز میں اپنائیت اور ملائمت تھی۔

''دوسروں کیلئے کیوں؟'' میں نے اسے چھیڑنے کیلئے کہا۔

''یہ پوچھنے کی بات نہیں ہے عقل کی اندھی۔'' وہ چڑ گیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ ''افتی...... محبت میں سوچ سمجھ کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا۔ یہ سارے فیصلے تو شاید آسمانوں پر ہوتے ہیں۔ جب ہی تو زمین پر محبت کرنے والے ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیتے ہیں۔''

''کاش ہمیں بھی کوئی ڈھونڈ لیتا۔'' اس نے افسردگی سے زیر لب کہا۔

پھر ایک خاموشی کا طویل وقفہ آیا۔ میں بھی چپ ہی رہی۔ میں اس کے دل کی کیفیت سے آگاہ تھی۔ لیکن اس کی افسردگی کو انبساط میں بدلنا میرے بس میں نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں میں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہمارے درمیان رابطہ یک لخت منقطع ہو گیا۔ ہم مکمل طور پر اجنبی بن گئے ہیں اور ہمارے بیچ جان پہچان کا کوئی واسطہ ہی نہیں رہا۔

میرا گھر آ گیا تو اس نے گاڑی روکی اور بغیر کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں چونک کر کھڑکی میں سے بلند آواز میں چلائی۔ ''گھر نہیں چلو گے افتی؟''

''نہیں ابھی مجھے وہاں سے گاڑی بھی لینی ہے۔'' اس نے پلٹ کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔

میں وہیں بیٹھی کار کے شیشے میں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ جب وہ موڑ مڑ گیا تو میں نے چابی نکالی اور کار بند کر کے اوپر آ گئی۔

رات جب میں بستر پر دراز ہوئی تو میں دکھ اور مایوسی میں ڈوبی تھی۔ سارے واقعات میرے ذہن کے پردے پر فلم کی طرح چلنے لگے۔ یہ سوچ کر میں کانپ گئی کہ

اگر افتی نہ آ جاتا تو کیا ہوتا۔ میں نے جو امید باندھی تھی اس کی شکستگی نے مجھے چور چور کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں نایاب کو راہ پر لے آؤں گی۔ دھنک کا مسئلہ سلجھ جائے گا۔ غزالی کی پریشانی ختم ہو جائے گی اور ہم زندگی کی راہوں پر یکجا ہو سکیں گے لیکن سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ ساری امیدیں بکھر گئی تھیں اور تمام توقعات پر پانی پھر گیا تھا۔ نایاب کے سدھرنے کی امید بہت کم تھی۔

میں کروٹیں بدلتی رہی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بار بار افتی کے لفظ میرا دامن پکڑ لیتے تھے۔ مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے لیکن میں ہر بار جب غزالی کے بارے میں کسی بدگمانی کو دل میں لانے کی کوشش کرتی تو دل کی گہرائیوں سے اس کی محبت کسی جھرنے کی طرح پھوٹ کر میرے انگ انگ کو شرابور کر دیتی۔ مجھے غزالی کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ میں خود کو یہ کہہ کر تسلی دیتی کہ افتی کی سب باتیں حسد کی پیداوار تھیں...... میں کوئی ایسی بات تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی جو مجھے غزالی سے دور کر دے۔

نہ جانے میں کتنی ہی دیر ان نا سلجھ سوچوں میں الجھی رہی اور رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ یا شاید کسی وقت آنکھ لگی بھی تو ذہن میں اتنی بے چین سوچیں کلبلا رہی تھیں کہ نیند کی آسودگی مجھ سے کوسوں دور رہی۔

★ ★ ★

اگلے روز میرا ڈیوٹی میں دل نہیں لگا۔ اس لئے میں انچارج سے بات کر کے جلدی اٹھ آئی۔ میں گھر جانے کیلئے باہر نکلی تو ایک کار بالکل میرے قریب آ کر اس طرح بریک لگائے کہ میں گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔ میرے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی۔ غیر ارادی طور پر میں نے کار کی طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔ اسٹیل ہیڈ دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے جائے پناہ کی تلاش میں چاروں طرف دیکھا لیکن فرار کا نہ راستہ تھا نہ وقت...... وہ دو ہی قدم میں میرے پاس آ گیا۔

''ہیلو ڈولی...... یہ بہت اچھا ہوا کہ میں نے تمہیں پا لیا ہے...... کیسی ہو؟''

اس نے یوں بے تکلفی سے کہا جیسے مجھے برسوں سے جانتا ہو۔ میں وحشت زدہ سی اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''گھبراؤ نہیں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ بس تھوڑی دیر کیلئے ہمارے ساتھ چلو'' اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''نہیں...... میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''مجھے نہ بحث کرنے کی عادت ہے نہ انکار سننے کی۔ چلو چل کر آرام سے گاڑی میں بیٹھو...... ورنہ۔'' اس نے دانت بھینچ کر اس طرح کہا کہ میری ریڑھ کی میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ میں نے تیزی سے اپنے دائیں بائیں دیکھا کہ کسی کو مدد کیلئے پکاروں۔

وہ میرا ارادہ بھانپ گیا اور کچکچا کر بولا۔ ''لڑکی زیادہ ہوشیاری دکھانے کا نتیجہ تمہاری لاش کے سوا کچھ نہیں ہو گا اور میرا خیال ہے کہ تم جیسی عقلمند لڑکی اپنی لاش کو

سڑک پر کچلا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔"

میں کانپ گئی۔ "لیکن......"

"اپنا یہ لیکن اپنے پرس میں رکھو...... سمجھیں۔" اس نے کرختگی سے کہا اور میرا بازو سختی سے پکڑ کر مجھے کار میں دھکیل دیا اور خود میرے قریب آن بیٹھا۔ ڈرائیور نے یوں گاڑی اڑائی جیسے گولی بندوق سے نکلتی ہے۔ میں وحشت زدہ سی ہو کر دروازے سے جا لگی۔

"اطمینان سے بیٹھو ڈولی میرا چھیڑ چھاڑ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے نخوت سے کہا۔

میں نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"زیادہ بک بک کر کے دماغ مت کھاؤ...... خاموشی سے بیٹھی رہو۔" اس نے میری طرف اس طرح گھور کر دیکھا کہ میں لرز گئی۔

وہ انسان نہیں کوئی وحشی درندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی گھورتی ہوئی آنکھوں میں سے جھانکتی حیوانیت نے مجھے نگاہیں جھکا لینے پر مجبور کر دیا۔ میں اپنی جگہ پر ساکت سی ہو گئی۔ آنے والے وقت کا تصور مجھے بری طرح سے سہار رہا تھا۔ میں اس رات اسٹیل ہیڈ کی حیوانیت کا مظاہرہ دیکھ چکی تھی اسی لئے میری ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔ کوئی انتہائی اقدام کر گزرنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی پھر بھی میں نے اپنے حواس بحال کیے اور اپنے حوصلے مجتمع کر کے اسے مخاطب کیا۔ "تم بتاتے کیوں نہیں کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

اس نے گردن موڑے بغیر آنکھ کے ایک گوشے سے مجھ پر ٹیڑھی نگاہ ڈالی۔ اپنے حیوانوں جیسے دانتوں کی نمائش کی اور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تمہارے غزالی سے تمہارا بیاہ رچانے۔"

"بکواس نہ کرو۔" میں نے خجل ہو کر غصے سے کہا۔

"میں گدی سے زبان کھینچ لیا کرتا ہوں۔" وہ دانت پیس کر میری طرف پلٹا۔ میں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔ وہ چند لمحے مجھے خونی آنکھوں سے گھورتا رہا پھر سختی

سے لفظ چبا کر بولا۔ "اب اگر تم نے ایک لفظ بھی بولا تو آئندہ تم کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔"

میرا سارا جسم سن ہو گیا اور میں کسی فالج زدہ انسان کی طرح بے حس و حرکت کار کے دروازے کے ساتھ لگی بیٹھی اپنے خوفزدہ دل کی سہمی ہوئی دھڑکنیں سنتی رہی۔ کار اسی طوفانی رفتار سے فاصلہ نگلتی رہی۔ اسٹیل ہیڈ نے سگریٹ سلگایا۔ کار کے بند شیشوں میں اس کے دھوئیں سے فضا دھندلانے لگی اس کی ناگوار بو سے میرا جی متلانے لگا۔ کچھ دیر تو میں ناک پر رومال رکھ کر برداشت کرتی رہی پھر میرا جی متلانے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے ابھی قے آ جائے گی۔ میں تازہ ہوا کیلئے بیتاب ہو گئی۔

میں نے جلدی جلدی کار کا شیشہ اتارا اور باہر سے لپکتی ہوا میں سانس لینے کو میں نے اپنا سارا چہرہ باہر نکال دیا۔ میں ابھی درست طور پر سانس بھی نہیں لینے پائی تھی کہ اسٹیل ہیڈ نے میری گردن کے گرد لپٹے ہوئے مفلر کا ایک سرا اتنے زور سے کھینچا کہ اس کی ڈھیلی گرہ کس کر میری گردن کا پھندا بن گئی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے مفلر تھاما۔ "اوہ پلیز...... چھوڑو...... میرا گلا گھٹ جائے گا۔"

اس نے میرا مفلر چھوڑ دیا۔ "شیشہ بند کرو۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں اسے کھلا رہنے دو تمہارے سگریٹ کی بو سے مجھے متلی ہو رہی ہے۔ مجھے قے آ جائے گی۔" میں نے کراہت سے جواب دیا۔

"دم گھٹتا ہے۔" اس نے طنزیہ انداز میں دہرایا اور سگریٹ کا طویل کش لے کر اپنے منہ میں بھرا ہوا سارا بدبو دار دھواں میرے چہرے پر چھوڑ دیا۔ میری سانس رکنے لگی اور میری آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی۔ میں دونوں ہاتھوں سے اس دھوئیں کو اپنے چہرے سے جھٹکتی ہوئی چلائی۔ "مت کرو اس طرح...... مت کرو۔"

مجھے اس کا قہقہہ سنائی دیا اور گاڑھے دھوئیں کا ایک اور کثیف مرغولہ میری جانب بڑھا۔ میرا جی بری طرح سے متلانے لگا۔ مجھے سانس لینے میں دقت ہونے لگی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس غلیظ بدبودار دھوئیں میں زندہ دفن ہو رہی

ہوں۔ میرے چاروں طرف اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ میرے ہوش و حواس گم ہو چلے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس بدبودار اندھیرے کا یہ ہولناک سفر کب ختم ہوگا۔

میری گردن ڈھلک گئی اور میں سیٹ پر بے سدھ ہوگئی۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ لمحے بہت بھاری اور صدیوں پر محیط تھے۔ نہ جانے میں انہیں کیسے جھیل گئی۔ پھر ہولے ہولے دھند چھٹی میرے ذہن پہ چھایا ہوا غفلت کا پردہ چاک ہوا میرے گم کردہ ہوش و حواس واپس آئے۔ میرا سر بھاری تھا اور پلکیں بوجھل۔ میرے حلق میں کڑواہٹ سی بھری ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں یہ ساری خوفناک یادیں حشرات الارض کی طرح سرسرانے لگیں۔ گزرے ہوئے سارے لمحے کسی خوفناک خواب کی طرح میرے اعصاب پر چھا گئے۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں اور غفلت کے یہ لمحے مجھ پر کس طرح گزرے ہیں۔ میں آنکھیں کھولتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی کہ نہ جانے میرے اردگرد کونسا منظر پھیلا ہوا ہے۔ میں اس غفلت کی اوٹ میں دبکی ہوئی آنے والے لمحوں سے آنکھیں چرا رہی تھی۔

اچانک میرے رخسار پر کسی کی کھردری انگلیاں مس ہوئیں۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور عجلت میں اس ہاتھ کو اپنے رخسار سے پرے ہٹا دیا۔ اپنی زبان سے خشک ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ میرے سرہانے ایک دبلی پتلی چرخ سی عورت کھڑی تھی۔ غالباً اس کے استخوانی ہاتھ کو میں نے اپنے عارضوں سے چھوتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ میں نے اپنی نگاہیں فوراً اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔ شاید اس نے کوئی ماسک پہن رکھا تھا یا اس کی صورت ہی ایسی تھی۔ میں نے اس قسم کے چہرے بچوں کی کارٹون فلموں میں بوڑھی جادوگرنیوں کے دیکھے تھے لیکن میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا کوئی واسطہ حقیقت سے بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ اور اشارے سے پوچھا کہ مجھے کچھ کھانا پینا ہے؟

میں نے ناپسندیدگی سے سر کو نفی میں جنبش دی اور اپنا گھومتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یہ کمرہ فائیو سٹار ہوٹلوں کے کمروں جیسا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے بند تھے اور بتیاں روشن تھیں۔ جس سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس کمرے سے باہر دن

کا سماں ہے یا رات کی چھاؤنی چھائی ہے۔

میرا ذہن ماؤف تھا اور خوف سے میرا بند بند کانپ رہا تھا۔ نہ جانے میں کب سے یہاں تھی۔ نہ معلوم میرے اس طرح غائب ہو جانے سے میرے گھر والوں پر کیا گزر رہی تھی۔

مجھے افتی کی بات یاد آئی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں نے غزالی کو دل میں جگہ دے کر غلطی کی تھی۔ وہ نہ جانے کن جرائم پیشہ لوگوں کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا جنہوں نے نہ معلوم کس مقصد کیلئے مجھے اغوا کیا تھا۔ جس طرح اس رات انہوں نے دھنک کو یرغمال بنا لیا تھا۔

میں پچھتاؤں کے بھنور میں گھری چپ بیٹھی تھی کہ اس چڑیل جیسی صورت والی عورت نے میرا شانہ ہلا کر مجھے متوجہ کیا۔ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پھر اشارے سے مجھے کچھ کھانے پینے کی بابت پوچھا۔

''نہیں۔ مجھے کچھ نہیں کھانا'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔ ''مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ میں کہاں ہوں۔ یہ لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟''

وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بے آواز ہنسی ہنسی اور مجھے عجیب مضحکہ خیز اشاروں میں نہ جانے کیا سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں کو یوں لگاتی تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ اسے بات کرنے کی اجازت نہیں۔

''تمہاری یہ بکواس بھی میرے پلے نہیں پڑ رہی'' میں بھنا کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ میری نگاہ سرہانے پڑے ہوئے ٹیلی فون پر پڑی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا لیکن مجھے مایوسی ہوئی ٹیلیفون میں رابطہ نہیں تھا۔ میں نے غصے سے ریسیور پٹخا۔

اس بوڑھی چڑیل نے میری بے بسی پر دانت نکالے۔ تو میں چڑ گئی۔ ''دفع ہو جاؤ یہاں سے...... دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... تنہا چھوڑ دو مجھے...... میں تمہاری موجودگی ایک منٹ کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتی...... دفع ہو جاؤ'' میں نے چیختے ہوئے کہا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ایک ایک چیز اٹھا کر پھینکوں۔ اس کمرے کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں جو سامنے آئے اسے کچل دوں۔

جادوگرنی کی صورت والی نے میرے اشتعال کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا اور

آگے بڑھ کر میرے بازو کو یوں اپنے لکڑی نما ہاتھوں سے تھپتھپایا جیسے مجھے خاموش کروانا چاہتی ہو۔ اس کی اس حرکت نے میرے غصے کو اور بڑھا دیا۔ میں نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور پوری قوت سے چیخی۔ ''تم دفع کیوں نہیں ہو جاتیں...... جاؤ اور اس کمینے ذلیل اسٹل ہیڈ کو بھیجو اس بدمعاش نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ کیوں لایا ہے وہ مجھے یہاں...... بکتا مرتا کیوں نہیں...... آخر وہ چاہتا کیا ہے مردود۔''

وہ بوڑھی جادوگرنی بے حد گھبرا گئی۔ خوف سے اس کی سرخ آنکھیں تادہ بن گئیں۔ وہ اشارے سے مجھے بولنے سے منع کرتی ہوئی الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھی۔ ابھی اس کی پشت دروازے کی طرف ہی تھی کہ اس کے کواڑ ایک دھماکے سے وا ہو گئے۔ وہ دروازے کے زور سے اوندھے منہ گرتے گرتے بچی اور بمشکل سنبھل کر پلٹی اور بدحواسی میں اشاروں کی زبان میں نہ جانے کیا کہنے کی کوشش کرنے لگی۔

میری نگاہ بھی دروازے کی طرف گئی۔ چاندی کے تاروں ایسی مونچھوں کو ایک ہاتھ سے بل دیتا وہ میری طرف گھور رہا تھا۔ مجھ میں اس وقت نہ جانے اتنی جرأت کس طرح آ گئی کہ میں اسے یوں روبرو دیکھ کر ذرا نہیں گھبرائی۔ اس سے پہلے کہ اس کے ہونٹوں سے کچھ نکلے میں نے چند قدم آگے بڑھ کر بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم جرائم پیشہ لوگ آخر شریف شہریوں کو کیوں پریشان کرتے ہو۔ تم اپنے ہی جیسے بدمعاشوں سے واسطہ کیوں نہیں رکھتے؟ تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں کیوں لائے ہو؟''

وہ بیچاری چڑیل میرے اس طرح ملامت کرنے پر بے حد گھبرا گئی۔ اس نے اشاروں اشاروں میں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اسیل ہیڈ نے اس کا بازو پکڑا اور اسے کمرے سے باہر دھکیل دیا۔ وہ دروازہ بند کر کے پلٹا تو میں ابھی تک اپنی جگہ پر کھڑی بڑی جرأت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں خود کو کمزور ظاہر کر کے اس کے سامنے حقیر نہیں ہونا چاہتی تھی۔ جیسے ہی میری نگاہ اس سے ملی میں نے درشتی سے بلا خوف کہا۔

''آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

اس نے بے نیازی سے سر جھٹکا۔ ''بتایا نہیں تھا تمہیں۔''

''کیا بتایا تھا...... کب بتایا تھا؟'' میں نے الجھ کر کہا۔

''بہری ہو تم...... یا اونچا سنتی ہو......؟'' وہ درشتی سے کہنے لگا۔ ''بتایا نہیں تھا تمہیں کہ غزالی کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھوانا ہے۔''

میں ہک بک رہ گئی۔ ''یہ کیا بک رہے ہو تم...... میں کوئی گری پڑی لڑکی نہیں ہوں کہ تم جیسے زبردستی میرا نکاح پڑھواتے پھریں۔'' میں نے سخت لہجے میں اسے ٹوکا۔

''کیا کریں...... غزالی نے تم سے ہی محبت کی پینگیں بڑھائی ہیں اس لئے مجبوری ہے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں مٹھار مٹھار کر بولا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم زبردستی کسی کو میرے پلے نہیں باندھ سکتے۔ میں یہ شادی نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں۔'' میں چڑ گئی۔

''تو نہ کرو......'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''یہاں اس ملک میں ویسے بھی باقاعدہ شادی کا رواج نہیں رہا۔ تم بھی اگر غزالی کی منکوحہ کے بجائے اس کی داشتہ بننا پسند کرتی ہو تو ہمیں بھی یہ سارا جھنجھٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ''بکواس نہ کرو...... اپنی گندی ذہنیت اپنے پاس رکھو۔'' میں آپے سے باہر ہو کر چلائی۔ ''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا غزالی۔ آخر تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے...... مجھ تم پر ذرہ بھر اعتبار نہیں...... تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے...... میں جان دے دوں گی۔''

''سیدھا کر دیا ہے ہم نے تم جیسی جان دینے والیوں کو۔'' اس نے اریکولے جیسے دانتوں کی نمائش کی اور چند قدم آگے بڑھ کر میرا بازو زور سے جھٹکا۔ ''اپنے آپے میں رہو سمجھیں...... بہت لحاظ کیا ہے تمہارا۔''

''مجھے ہاتھ نہ لگاؤ......'' میں نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چلا کر کہا۔

''تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ میں کسی طرح کی کوئی شادی نہیں کروں گی۔''

''شادی تو تمہارا باپ بھی کرے گا۔'' وہ میرا بازو مروڑ کر میری کمر کے پیچھے

لے گیا۔ میں تکلیف سے دوہری ہوگئی۔ ''الو کی پٹھی ......تو میری شرافت کا غلط مطلب لے رہی ہے......تجھ سے شروع سے ہی دوسری طرح بات کرنی چاہئے تھی۔''

''اف اللہ......چھوڑو میرا بازو کمینے۔'' میں نے درد سے بلبلا کر دہائی دی۔

اس نے یوں ہونٹ چبائے کہ اس کے درندوں ایسے دانت اور بھی خوفناک معلوم ہونے لگے۔ ''بس اتنا ہی دم ہے۔'' اس نے اتنے زور سے مجھے دھکا دیا کہ فوم کے بیڈ پر گرنے کے باوجود میرے بازو میں موچ آ گئی۔

میں خوف اور ذلت کے احساس سے روہانسی ہوگئی۔ وہ اپنے فل بوٹوں سے ٹک ٹک کی آواز پیدا کرتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور اپنا ایک پاؤں بیڈ پر رکھتے ہوئے اپنی خونخوار آنکھیں مجھ پر گاڑ کر بولا۔ ''بس اب انسان کی بچی بن جا......سمجھی......تجھے تو ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ہم تیرے دل کی آرزو پوری کر رہے ہیں۔''

''تم کون ہوتے ہو میرے دل کی آرزو پوری کرنے والے۔'' میں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

وہ خلاف توقع ناراض ہونے کے بجائے ہنس پڑا۔ لیکن اس کی ہنسی بڑی وحشت ناک تھی۔ وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مجھے دروازے کا لاک گھومنے کی آواز آئی۔ گویا میں مقفل کر دی گئی تھی میں نے چاروں طرف دیکھا اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سنبھل کر بیٹھی۔ میرے بازو میں موچ آ جانے سے خاصا درد ہو رہا تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اسے دبایا اور کئی بار گردش دی تو درد میں کچھ کمی آئی۔ میں پریشانی سے صورتحال کی بوالعجبی پر غور کرنے لگی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور آنے والے لمحوں میں مجھ پر کیا گزرے گی۔

نہ جانے وہ کیوں مجھے یہاں لے آئے تھے۔ غزالی کو اس کی خبر تھی یا نہیں اس قسم کے معاملے سے کیا مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میرا ذہن ہزاروں وسوسوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی نہیں رہ سکی اور اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

نجات کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ایک ایک دیوار، کھڑکی، دروازے

روشندان کا جائزہ لیا۔ ملحقہ غسل خانے کا اچھی طرح سے معائنہ کیا لیکن مجھے اتنا بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کہاں ہوں اور کس عمارت کی کونسی منزل پر ہوں۔

میری پریشانیوں میں لمحہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھے بار بار یہ فکر کھائے جاتی تھی کہ نہ جانے میرے گھر والوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ میری ممی کتنا پریشان ہوں گی اور افتی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا...... کاش افتی اسی طرح اچانک کہیں سے نمودار ہو جائے۔ جیسے وہ نایاب کے فلیٹ میں آ گیا تھا لیکن معجزے روز روز نہیں ہوتے۔ مجھے غزالی کا خیال آیا۔

اسی وقت دروازہ ایک زوردار جھٹکے سے کھلا۔ میں گھبرا کر پھر ایک نشست پر بیٹھ گئی۔ اسٹیل ہیڈ کا مکروہ چہرہ دیکھ کر میں کانپ گئی۔ اس کے ساتھ کوئی اور شخص بھی تھا۔ وہ ٹھک ٹھک بوٹ بجاتا ہوا قریب آیا۔ میں نے لجاجت سے اس کی طرف دیکھا۔

''دیکھو...... مجھے گھر جانے دو......میری والدہ بہت پریشان ہوں گی۔''

وہ چاندی کی تاروں ایسی مونچھوں تلے مکاری سے مسکرایا۔ ''ڈولی......تم بالغ ہو......اب یہ بچوں ایسی باتیں چھوڑ......تمہارے گھر والوں کو مطمئن کرنا ہمارا کام ہے۔ تم خوش ہو جاؤ کہ غزالی تمہارا دولہا بن رہا ہے۔''

میں نے دانت کچکچا کر سر جھٹکا۔ ''کچھ خدا کا خوف کرو میں ایک شریف خاندان کی لڑکی ہوں۔''

''اسی لئے تو تمہاری شادی کر رہے ہیں...... ورنہ......'' اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی اور اپنی جیب سے ایک فارم نکالا اور میرے ہاتھ میں قلم دیتے ہوئے بولا۔

''لو اس پر دستخط کر دو......اس کے بعد تم مسز غزالی ہو گی...... ہے نا مزے کی بات۔''

''میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اس پرمسرت موقع پر۔'' اس کے ساتھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے پریشانی سے فارم الٹ پلٹ کر دیکھا وہ نکاح کا رجسٹریشن فارم تھا

جس پر میرا اور غزالی کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے فارم پرے سرکا دیا۔ ''یہ سب کچھ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ تم مجھے پاگل کر دو گے۔''

''پاگل تو تم پہلے سے ہی ہو غزالی کی محبت میں۔ ہم نے تمہیں کیا پاگل کرنا ہے۔ تم نے تو خود اسے زندگی کا ساتھی چنا ہے۔'' اسٹیل ہیڈ نے مزہ لیتے ہوئے اپنے ساتھی کو آنکھ ماری۔ وہ بھی جواباً مسکرایا۔

اسٹیل ہیڈ نے میرے بالوں کو ہولے ہولے تھپتھپایا۔ ''ہری اپ ڈولی...... ہری اپ...... ایسے حسین اتفاقات تو قسمت والوں کے نصیب میں ہوتے ہیں...... تم نے تو سوچا بھی نہیں ہوگا کہ یوں تمہارے دل کی مراد پوری ہو جائے گی۔''

''اوہ خدایا......'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ میرا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ تم لوگ یہ سب کیا کر رہے ہو۔''

میں زچ ہو گئی۔ ''اوہو...... تم سمجھتے کیوں نہیں ہو...... یہ غلط بات ہے...... میں اپنے گھر والوں کے بغیر یہ سب نہیں کر سکتی...... ہرگز نہیں......''

''پریشان نہیں ہوتے ڈولی...... محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' اس نے پھر قلم میری طرف بڑھایا۔ ''چلو شاباش جلدی کرو زیادہ سوچنے والوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔'' میں نے قلم ہاتھ میں نہیں لیا۔ ''تم فراڈ کر رہے ہو...... غزالی کو بلاؤ...... وہ کدھر ہے؟''

''غزالی بھی آ جائے گا...... اتنی بے صبری نہ بنو......'' اسٹیل ہیڈ نے پھر آنکھ سے اپنے ساتھی کو ایک بیباک اشارہ کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی شکنجے میں کس دی گئی ہوں۔ میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''پلیز مجھے گھر جانے دو...... میں اپنی ممی سے بات کر کے وہی کچھ کروں گی جو تم چاہتے ہو...... مجھ پر یقین کرو۔''

''فکر نہ کرو...... فکر نہ کرو...... سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم دستخط تو کرو...... ورنہ ہمارے پاس ایسے ماہرین کی کمی نہیں جو تمہارے دستخط سے زیادہ اچھے بنا سکتے ہیں۔'' اسٹیل ہیڈ نے بظاہر نرمی سے کہہ کر میرے ہاتھ میں قلم پکڑاتے ہوئے میرے

ہاتھ کو اتنے زور سے دبایا کہ میں اس کے ارادوں کی سنگینی کو پہچان کر کانپ گئی۔

''پلیز...... پھر غزالی کو تو بلا دیں ناں...... میں اس سے بات تو کر لوں۔'' میں نے اس کی منت کی۔

''دستخط کرو فوراً......'' اس نے دانت پیسے۔ ''ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری زندگی کے اس یادگار موقع پر سختی سے کام لیں...... ورنہ......'' اس کی ادھوری بات میں کچھ ایسی درشتی تھی کہ میں نے سر جھکا کر چپکے سے دستخط کر دیئے اور خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔

اس نے فارم اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں ساکت سی وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مختل ہو گئی تھیں۔ نہ کچھ سجھائی دیتا تھا نہ سمجھ میں کچھ آتا تھا۔ میں اس طرح مجبور و بے بس ہو جانے پر خود کو بے حد حقیر محسوس کر رہی تھی۔ آنے والا وقت مجھے ڈرا رہا تھا۔

دروازہ ایک مرتبہ پھر کھلا۔ مجھ میں پلٹ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ میں اسی طرح سر جھکائے گم سم سی بیٹھی رہی۔ قدموں کی چاپ میری طرف آئی پھر کوئی بالکل میرے برابر آن کھڑا ہوا۔ میں اسی طرح سن سی بیٹھی رہی۔

''ربطہ......'' میرے کانوں میں ایک جانی پہچانی سی آواز سنائی دی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری سماعت کا دھوکا ہے۔ میں نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور اسی طرح ملامتوں میں گھری بیٹھی رہی۔

''ربطہ......'' پھر اسی آواز نے پکارا۔

میں نے بیدلی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ میری روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔ میں بے تاب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ ''غزالی...... تم......'' میں اتنا ہی کہہ سکی۔

اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ اس کے گھنے بال بکھرے بکھرے سے تھے۔ اس نے جین کی پتلون پر ایک گھسی ہوئی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ میری جانب عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جن کا مفہوم میرے لئے ناقابل فہم تھا۔ اس نے پھر ایک بار میرا نام پکارا اور خاموش ہو گیا۔ شاید اس کے پاس بھی کہنے کیلئے کچھ نہیں رہا

تھا۔

میرا جی بھرا ہوا تھا اور مجھے شدت سے رونا آ رہا تھا۔ مجھے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اس کا چہرہ دھندلا نظر آیا۔ ''اوہ غزالی...... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' میں رندھے ہوئے لہجے میں کہے بغیر نہ رہ سکی اور میری آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسو میرے رخساروں پہ چھلک آئے۔

غزالی نے میرے قریب آ کر میرے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ''ریطہ...... ریطہ......'' میں شرمندہ ہوں۔ میری وجہ سے تمہیں یہ سب جھیلنا پڑا...... کاش...... میرے اور تمہارے درمیان شناسائی کا یہ رشتہ نہ ہوتا...... تو یہ لوگ تمہیں اس طرح پریشان نہ کرتے۔''

میں نے پریشانی سے اسے بتایا۔ ''انہوں نے مجھ سے دستخط کروا لیے ہیں...... وہ...... وہ کہتا تھا...... کہ میرا اور تمہارا نکاح......'' میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہاں......'' وہ ایک ٹک میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''ریطہ...... میری محبت نے تمہیں پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں دیا اور اب......'' اس نے پریشانی سے ہونٹ چبائے۔ ''اور اب انہوں نے اپنی کسی غرض کیلئے یہ جال پھیلایا ہے...... مجھے افسوس ہے تو اس بات کا کہ میرے ساتھ تم بھی...... تم بھی ان کی منحوس نظروں میں آ گئی ہو۔''

میں لڑکھڑا سی گئی۔ ''لیکن......لیکن یہ نکاح......''

اس نے مجھے تھام کر ایک بیڈ پر بٹھا دیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر ہاتھ مسلتے ہوئے میری طرف پلٹا۔ ''ریطہ...... میں نے اس طرح نہیں چاہا تھا۔'' اس نے سر جھٹک کر دکھ سے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا تھا اس طرح......'' اس کا لہجہ کرب سے ٹپ رہا تھا۔ ''مجھ پر یقین کرو کہ میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا تھا اگر دھنک میری مجبوری نہ ہوتی تو میں انہیں اس حد تک کبھی نہ پہنچنے دیتا...... لیکن...... لیکن...... میں کچھ نہیں کر سکا اور مجھے ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔''

''تو......تو کیا یہ نکاح ہو گیا ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں......'' اس نے سر ہلایا۔ ''نہ جانے وہ لوگ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں شادی کر لوں۔ انہیں تمہارے اور میرے تعلقات کی بھی خبر تھی...... اسی لئے وہ تمہیں اغوا کر لائے...... حالانکہ میں۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ چبانے لگا۔

''اب کیا ہو گا غزالی؟'' میں نے فکرمندی سے کہا۔

''میں کسی اور طرح سے سوچ رہا ہوں ریطہ۔'' اس نے میرے قریب بیٹھ کر مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ میں اس کے شانے سے لگی ناآسودہ سانس کھینچتی رہی۔ ہمارے اردگرد خاموش لمحے سرسراتے رہے۔ پھر اس نے مدھم سے لہجے میں کہا۔ ''تم میری زندگی میں آئی ہو ریطہ تو اب مجھے اس کا رخ بدلنا ہو گا۔ چاہے اس کیلئے مجھے اپنا آپ ہی داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑے۔'' یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے آپ کے ساتھ کوئی وعدہ کر رہا ہے۔

میرے پاس کہنے کیلئے کوئی لفظ نہیں تھا۔ اس عجیب و غریب صورتحال نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ میرے دل میں رہ رہ کر ہول اٹھتے تھے۔ کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ ذہن پر جو اندھیرا سا چھایا ہوا تھا وہ کسی طرح چھٹتا نہیں تھا۔ غزالی نے تسلی کیلئے ہولے ہولے میرا بازو تھپتھپایا۔ ''ریطہ......خود کو پریشان مت کرو......حوصلہ رکھو......تم میرے ساتھ ہوئیں تو میں ہر مشکل کا مقابلہ کر لوں گا۔''

اس کے لفظوں نے مجھے سہارا نہیں دیا۔ میں نے فکرمندی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میں گھر جانا چاہتی ہوں غزالی۔ ممی میرے لئے بہت پریشان ہوں گی۔ میں انہیں یہ سب کچھ کس طرح بتاؤں گی۔ میں ان سے کیا کہوں گی...... میرے پاس اس کا کیا جواز ہے؟ انہوں نے مجھے تم سے شادی کرنے سے منع تو نہیں کیا تھا۔'' میں اتنا کہتے کہتے رو پڑی۔

غزالی نے مجھے دونوں شانوں سے تھام کر اپنی طرف گھما لیا اور ملائمت سے بولا۔ ''مجھے احساس ہے ریطہ کہ میری وجہ سے تم کتنی پریشانی میں مبتلا ہو گئی ہو لیکن تم فکر نہ کرو اسٹیل ہیڈ نے تمہارے گھر پیغام بھجوا دیا تھا اس وقت تو رات کے دو بج رہے ہیں صبح میں کوشش کروں گا کہ تمہیں گھر پہنچوا دوں۔ ابھی تم کسی کو کچھ مت بتانا میں بہت

جلدی تمہاری ممی سے بات کرلوں گا۔ پھر ہم زندگی کو کسی اور انداز میں شروع کریں گے۔'' اس نے میری ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر میرا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ''ریطہ...... تم میرا ساتھ دو گی تو میں سارے جہان کا مقابلہ کرلوں گا۔ تم میرا حوصلہ بنو گی تو میرے لئے ساری مشکلیں آسان ہوں گی۔''

''بولو...... میرا ساتھ دو گی ناں؟''

میں نے اس کی آنکھوں کی التجا کے سامنے خود کو بے بس پایا۔ میرے سامنے غزالی تھا اور میرے دیوانے دل میں اس کی محبت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس وقت مجھے اس کے سارے دکھ' ساری پریشانیاں اپنی معلوم ہوئیں۔ میں نے اقرار میں سر کو جنبش دی۔ ''غزالی...... اگر تم اس دلدل سے نکل آنے کی کوشش کرو گے تو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔''

''تم میری ڈھارس ہو ریطہ۔'' اس نے احساس ممنونیت سے اپنی پیشانی میری پیشانی کے ساتھ لگا دی۔ پھر خود ہی ہنس پڑا۔ اور مجھ پر ایک بھرپور نگاہ ڈال کر بولا۔

''ریطہ...... ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم ان واہیات کپڑوں میں دولہا دلہن بنیں گے۔''

میں نے جھینپ کر غزالی کی طرف دیکھا۔ اس نے جین کی پینٹ اور رف سی جیکٹ پہن رکھی تھی اور میں بھی اپنے یونیفارم میں تھی۔ وہ مسکرایا۔ ''ریطہ...... زندگی کی کیسی ستم ظریفی ہے کہ ہماری زندگی کے سب سے خوبصورت لمحے کتنی پریشانی کے اسیر ہو گئے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں سننے کے بجائے ان کی جان کو رو رہے ہیں۔''

میں شدید پریشانی کے باوجود شرما سی گئی۔ میری پلکوں نے میرے رخساروں کو چھوا۔ میں غیر ارادی طور پر اس سے دور ہٹ گئی۔ وہ اسی طرح بیڈ پر بیٹھا رہا۔ اس کی نگاہوں کی تپش میرے رخسار دہکاتی رہی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا بازو تھاما۔ میرے رخساروں کی تپش میرے کانوں کی لوؤں تک پہنچی۔ لمحے بھر کو فضا طلسماتی سی ہو

گئی۔ میں آپ سے آپ اس کی جانب کھنچنے لگی۔ لیکن میں فوراً ہی سنبھل گئی اور میں نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ''غزالی...... میں بہت تھک گئی ہوں۔''

وہ بھی سر جھٹک کر جیسے ہوش میں آ گیا۔ ''میرا خیال ہے تم آرام کرلو۔ ابھی رات باقی ہے۔''

''اور تم......؟'' میں نے کمرے میں ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ ''میں......؟'' اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی سی شرارت اتری۔ ''میرا کیا ہے میں بھی اسی بیڈ کے کسی کونے کھدرے میں پڑ رہوں گا۔'' اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

مجھے اس کی خود ساختہ معصومیت پر ہنسی آئی۔ ''جی نہیں مہربانی۔ اس بیڈ پر آپ ہی آرام فرمائیں میں اس صوفے پر چلی جاتی ہوں۔'' میں اٹھ کر صوفے کی طرف بڑھی۔

غزالی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ ''نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

اس نے میری بات کا جواب دیئے بغیر مجھے بیڈ پر بٹھا دیا۔ ''جوتے اتارو......'' وہ بولا۔

''نہیں...... میں وہاں صوفے پر۔'' میں نے احتجاج کیا۔

''نہیں...... نہیں مت کرو...... فٹا فٹ جوتے اتارو...... ورنہ میں خود اتارتا ہوں۔'' وہ میرے پاؤں کی طرف جھکا۔

''کیا مصیبت ہے غزالی......'' میں نے پاؤں جھٹک کر جوتے اچھالے۔

اس نے پلک جھپکتے میں مجھے بیڈ پر لٹا دیا۔ میں نے ہراساں ہو کر اٹھنے کی کوشش کی تو وہ مجھ پر جھک آیا اور مجھے کمبل اڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ریطہ...... مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو میں ادھر صوفے پر ہی سوؤں گا۔ مجھے تمہاری عزت بہت عزیز ہے۔''

میں قدرے نادم سی ہو گئی۔ مجھے کہنے کیلئے کچھ نہیں سوجھا۔ میں نے نظریں چرا لیں۔ اس نے میری ٹھوڑی چھوئی۔ ''گڈ نائٹ کہنے کی اجازت تو ہے ناں۔''

میں انکار نہ کرسکی۔ اس نے بڑے پیارے انداز میں اس کی تکمیل کی۔ میں نے جلدی سے اپنا چہرہ کمبل میں چھپا لیا۔ اس کے قدموں کی آہٹ دور ہٹی اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ صوفے پر دراز ہو چکا ہے۔ میں اسی طرح بے حس و حرکت کمبل میں منہ ڈھانپے پڑی رہی۔

''ریطہ......'' مجھے غزالی کی آواز سنائی دی۔

''ہوں......'' میں نے کمبل کے اندر سے ہنکارا بھرا۔

''میری طرف دیکھو ریطہ۔'' وہ پکارا۔

میں نے کمبل چہرے سے ہٹایا۔ اس نے روشنیاں بجھا دی تھیں۔ کمرے میں نائٹ بلب کی ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ غزالی دور صوفے پر کمبل لپیٹے لیٹا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں ان جلا سگریٹ تھا۔

''ریطہ......'' اس نے اپنے سر کے نیچے کشن کو دوہرا کیا تاکہ مجھے صاف طور پر دیکھ سکے۔ ''تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟'' اس نے سگریٹ جلاتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اس کی طرف کروٹ بدلی۔ ''میں پریشان ہوں غزالی۔''

''وہ تو میں جانتا ہوں...... لیکن میں نے کچھ اور پوچھا ہے۔'' اس نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا۔

''کیا...... کیا پوچھا ہے تم نے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''تھوڑی دیر کیلئے پریشانیوں کو بھول جاؤ اور صرف اس بندھن کے بارے میں سوچو جس میں ہم بندھے ہیں...... تمہیں کیسا لگتا ہے؟'' وہ مسحور کر دینے والے لہجے میں بولا۔

''یہ تو ہماری سب سے پیاری آرزو تھی غزالی...... یہ پوری ہی ہوئی تو کس انداز میں۔'' میں نے کچھ تاسف کچھ پریشانی کے انداز میں کہا۔

اس نے جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سگریٹ نوشی کرتا رہا۔ میں بھی چپ چپ سی اپنی لاینحل سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہی۔

مجھے یاد نہیں کہ کب میری پلکیں بوجھل ہوئیں اور کب میں نیند کی وادی

اتری۔ وہ ڈراؤنے خوابوں سے بھری ہوئی تھکا دینے والی نیند تھی۔ میں خود کو غزالی کے ساتھ نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا ہوا دیکھتی رہی۔ اسٹیل ہیڈ جیسے کتنے ہی منحوس چہرے ہمارا تعاقب کرتے رہے اور ہم ان کی پہنچ سے دور ہونے کیلئے تگ و دو میں مصروف رہے...... اچانک بڑے زور کا دھماکہ ہوا۔

میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں میری ساری گردن پسینے سے بھیگ رہی تھی اور میرے جسم میں کپکپی سی چھوٹ رہی تھی۔ میں نے کمبل اپنے گرد سختی سے لپیٹتے ہوئے خوفزدہ آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ نائٹ بل جل رہا تھا لیکن کمرے میں ایسا ملگجا سا اجالا پھیلا ہوا تھا جیسے دن نکل آیا ہو لیکن بند کھڑکیوں اور روشندانوں میں سے اس کی گواہ کرنیں اندر آنے کا راستہ نہیں پاتی تھیں۔ دور غزالی صوفے پر بے خبر سو رہا تھا۔

دروازے پر بڑے زور سے دستک ہوئی۔ میں کانپ گئی۔ شاید پہلے بھی ایسی ہی دستک مجھے سوتے میں دھماکہ معلوم ہوئی تھی۔ میں نے پریشانی سے غزالی کی طرف دیکھا وہ ہلا تک نہیں اور اسی طرح گہری نیند میں ڈوبا رہا۔ میں جلدی سے اٹھ کر غزالی کی طرف بڑھی اور اس کا شانہ ہلایا۔

''غزالی...... غزالی...... دیکھو باہر کون ہے......؟''

اس نے نیند میں ہوں ہاں کی اور کروٹ بدل لی۔ دستک میں تیزی آئی میں نے گھبرا کر اسے جھنجھوڑا۔

''غزالی...... غزالی...... اٹھو...... دیکھو کوئی بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔''

''کیا ہوا......؟ کیا بات ہے؟'' وہ نیند بھری آنکھیں کھول کر بڑبڑایا۔

''باہر کوئی ہے...... ذرا یہ دستک سنو۔'' میں نے پریشانی سے اسے بتایا۔

''اوہ یار...... کیا مصیبت ہے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا اور جماہی لیتا ہوا اٹھا۔ میں خوفزدہ آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی کہ نہ جانے یہ کواڑ ہٹنے پر کون سی مصیبت ہماری منتظر ہوگی۔ غزالی نے غصے سے بکتے جھکتے دروازہ کھولا۔ کسی

نے چائے کی ٹرالی اندر دھکیل دی۔

''دھت تیرے کی......'' غزالی اکتایا ہوا پیچھے ہٹا۔ ''اس چائے کیلئے کم بختوں نے نیند خراب کر دی۔''

''غزالی...... تمہیں پریشانی میں بھی ایسی گہری نیند آتی ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولا اور میری طرف بڑھا۔

''آؤ ریطہ...... تمہیں گڈ مارننگ کہہ لوں۔''

''نہیں...... شکریہ...... شکریہ......'' میں جلدی سے کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

★ ★ ★

میں نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ پریشان کن واقعات نے کھانے کی ہوش ہی نہیں رہنے دی تھی۔ اس وقت گرم گرم چائے اور ٹھیک ٹھاک ناشتہ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میرا معدہ خالی ہے۔ میں نے چائے بنائی اور ٹوسٹ پر مکھن لگانے لگی۔ تولئے سے منہ پونچھتے ہوئے غزالی بھی باتھ روم سے نکل آیا اور اس نے تولئے کا گولا سا بنا کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے چائے کی پیالی اٹھالی۔ ''اس وقت تو واقعی چائے کی بڑی طلب ہو رہی تھی۔''

میں نے اسے تنگ کرنے کو کہا۔ ''کچھ پتہ بھی ہے میں نے کل سے کچھ نہیں کھایا اور تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ مجھ سے کھانے کیلئے ہی پوچھ لیتے۔''

''کھانے کی ہوش ہی کسے تھی۔'' اس نے چائے کی پیالی پلیٹ پر رکھ دی۔

''تم اندازہ نہیں کر سکتیں ریطہ...... کہ مجھے کن کانٹوں پر چلنا پڑا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح کی کوئی پریشانی ہو...... لیکن انہوں نے میری ایک ہی نہیں چلنے دی۔'' اس نے ایک آہ سی بھری...... ''میں چاروں طرف سے مشکلوں میں گھرا ہوں...... ریطہ...... کہیں تم گھبرا تو نہیں جاؤ گی؟'' اس نے آنکھوں میں امید لے کر میری طرف دیکھا۔

اب گھبراؤں یا نہیں...... فرق پڑتا ہے اس سے۔'' میں نے منہ لٹکا کر کہا۔

''کیا مطلب......؟'' اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

''عمر بھر کا ساتھ جو ہو گیا ہے...... تمہاری مشکلوں میں...... تمہاری پریشانیوں میں، تمہاری راہ کے کانٹوں میں۔'' میں نے مسکرا کر سچی لگن سے کہا۔

اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ وہ بڑی دیر تک والہانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر خوشگوار سے لہجے میں بولا۔ ''زندہ باد ریطہ...... تم نے تو منہ چومنے

والی بات کی ہے...... یہاں آؤ......میرے پاس یا میں آؤں۔"

میں جھینپ گئی۔"ناشتہ کرو خاموشی سے جلدی جلدی۔"

وہ ہنسا۔"میرا ارادہ تو کچھ اور ہے۔"

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور اس کی شریر نگاہوں کی بارش میں بھیگتی خاموشی سے ناشتہ کرتی رہی۔

ناشتہ ختم کرتے ہی میں نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی اٹھ گئی۔"اب مجھے گھر چھوڑ آؤ۔" وہ پیالی رکھ کر میری طرف متوجہ ہوا۔ اس کے چہرے پر سوچ تھی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے وہ کسی تذبذب میں ہے۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا جیسے سوچنے کیلئے وقت لینا چاہتا ہو۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر اپنی جیکٹ پہنتے ہوئے بولا۔"ٹھیک ہے ریطہ...... میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں......میرا خیال ہے آج تمہاری ممی سے بات کر ہی لوں۔"

"او کے......" مجھے نجات کی خوشی محسوس ہوئی۔ میں نے اپنا پرس اٹھا کر شانے پر ڈال لیا۔

"ٹھہرو...... دیکھتے ہیں کہیں دروازہ تو بند نہیں......" غزالی نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔

میں اس کے برابر ہی کھڑی تھی۔ وہی ہوا جس کا مجھے بھی خدشہ تھا۔ بند دروازہ کئی بار دستک دینے پر بھی نہیں کھلا۔ میری پریشانی بڑھنے لگی۔ غزالی نے غصے میں دروازے پر ایک زوردار لات رسید کی اور منہ ہی منہ میں کوئی گالی بکی۔ میں فکرمندی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اب کیا ہوگا غزالی؟"

"گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" غزالی نے مجھے تسلی دی لیکن میں صاف طور پر محسوس کر سکتی تھی کہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے جیب سے وائرلیس قسم کوئی آلہ نکالا اور اس کا بٹن دبا کر بولا۔"ہیلو اسٹیل ہیڈ...... یہ کیا بکواس ہے تم لوگ کہاں مر گئے ہو......ان سے بولو کہ دروازہ کھولیں۔"

میں بے تابی سے غزالی کے قریب آ گئی تا کہ دوسری طرف سے آنے

آواز کو صاف طور پر سن سکوں۔

اسٹیل ہیڈ کا مکروہ قہقہہ سنائی دیا۔"اتنی جلدی دل بھر گیا تمہاری نئی نویلی دلہن سے۔"

"بکو نہیں......" غزالی غرایا۔"فوراً دروازہ کھلواؤ...... ریطہ کو اپنے گھر جانا ہے۔"

"ریطہ کو سمجھاؤ کہ اب اس کے شوہر کا گھر ہی اس کا گھر ہے...... یہ روز روز کے میکے جانے کی رٹ لگانا چھوڑ دے۔" اس نے جیسے مذاق اڑایا۔

"تم کیا بک رہے ہو......" میں چیخ پڑی۔"تمہیں شرم نہیں آتی دروازہ کھولو مجھے میرے گھر جانے دو۔"

غزالی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے خاموش رہنے کیلئے کہا اور دانت بھینچ کر بولا۔"اسٹیل ہیڈ...... ریطہ نہ تو تمہاری ممبر ہے اور نہ ہی اس نے حلف اٹھایا ہے۔ تمہیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔"

"مگر اب تو اس کا تعلق ہو گیا ہے ناں...... تمہارا نکاح یونہی تو اس سے نہیں پڑھوایا۔" اسٹیل ہیڈ نے جواب دیا۔"تم تھوڑا انتظار کرو اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ گپ لگاؤ ہیڈ کوارٹر سے آرڈر آنے ہی والے ہیں۔ اور اب بار بار تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھے...... انتظار کرو۔" رابطہ ختم ہو گیا۔

میں پریشانی کے مارے روہانسی ہو گئی۔ گھر جانے کی جو امید ہو چلی تھی وہ لمحے بھر میں دم توڑ گئی۔ میں صدمے کے مارے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ غزالی نے اضطراب میں اپنے ہونٹ چبائے اور اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر بے چینی سے کمرے کا ایک چکر کاٹا۔

میں نڈھال ہو کر قریب پڑی ہوئی کرسی پر گر سی پڑی۔ مجھے رونا آتا چلا جا رہا تھا۔ بے بسی میری آنکھوں کے رستے آنسو بن کر بہنے لگی۔ غزالی نے مجھے روتے دیکھا تو میری طرف لپکا۔

"ریطہ...... پلیز...... ان آنسوؤں کو بہا کر مجھے اور مجرم نہ بناؤ...... میں پہلے ہی اس احساس جرم سے کٹا جا رہا ہوں کہ تمہاری سب پریشانیوں کا ذمہ دار میں

ہوں۔"

میں نے اپنے سکارف سے آنسو پونچھے۔"غزالی میں ممی کی وجہ سے پریشان ہوں.....وہ بہت بے چین ہوں گی۔"

"میں سمجھتا ہوں..... میں سب سمجھتا ہوں۔" وہ غصے سے دانت پیستا ہوا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بولا۔" کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"کچھ کرنا ہی پڑے گا.....ابھی اور اسی وقت....." اس کے دلکش چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں ابھریں۔ اس نے اسی سوچ میں ڈوبے ڈوبے مضطربانہ کمرے کے دو تین چکر لگائے پھر باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور واپس آ گیا۔

میں نے محتاط سے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔"غزالی.....ایک بار پھر اسپیشل ہیڈ سے بات کرلو۔"

"بیکار....." وہ واہیات شخص تو سمجھو ہمارے لئے بہرہ ہوگیا ہے۔ اب کچھ نہیں سنے گا وہ الو کا پٹھا۔"

وہ سر جھٹک کر بولا۔ پر کچھ سوچ کر میری طرف پلٹا اور میرے شانے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔

"ریطہ.....تم میری زندگی میں آئی ہو تو میں نے سوچ لیا ہے کہ ہمیشہ کیلئے ان جھمیلوں سے نکل جاؤں..... اس زندگی پر لعنت بھیجوں اور ایک چھوٹا سا گھر بناؤں..... جو ہماری اپنی دنیا ہو..... جہاں میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ ہو..... جہاں میں کسی کے ہاتھوں کھلونا بننے پر مجبور نہ ہوں۔ ریطہ !!! بولو کیا تم میرا ساتھ دے سکو گی..... میں صرف اور صرف تمہارا ہو کر جینا چاہتا ہوں..... میں خود کو تمہاری محبت کے قابل بنانا چاہتا ہوں..... میں تمہیں خوشیاں دینا چاہتا ہوں ریطہ۔"

میں نے اس کے شدت جذبات سے تپتے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے لفظوں میں بسے ہوئے جذبوں کو اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے محسوس کیا۔ اس کی آنکھوں میں سچ مچ ہی سچ تھا اور اس کے انداز میں گہرا عزم۔ مجھے اس پر یقین آ گیا۔ میں اس کے لفظوں سے اعتبار لے کر جی اٹھی۔ میں نے بے پناہ اپنائیت سے

اس کی آنکھوں میں دیکھا۔" دیکھو غزالی..... میری آنکھوں میں تو تمہاری ہی تصویر ہے.....اور میرا دل تمہارے لئے ہی دھڑکتا ہے۔"

وہ چند لمحے میری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتا رہا پھر میری پیشانی پہ بکھرے بال سنوارتا ہوا بولا۔

"ریطہ.....تم میری خاطر سب کچھ چھوڑ سکو گی؟ تم ایک نئی دنیا میں خوش رہ لو گی۔"

"ہماری خوشیاں اب ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں غزالی۔" میں نے رسان سے کہا۔

"تو پھر ریطہ..... تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا..... جہاں میں لے جاؤں....." اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" میں بھی جذباتی ہوگئی۔

وہ کچھ اور نزدیک ہوا اور اس کی آواز کچھ اور مدھم ہوگئی۔"سنو ریطہ ہمیں نجات کیلئے اپنی پہچان، اپنی شناخت، اپنا نام اور اپنے رشتے یہیں چھوڑ دینے ہوں گے۔ ہم نئے ناموں اور پہچان کے ساتھ ایک نئی دنیا بسائیں گے.....ایک نئی دنیا جسے ہم خود تخلیق کریں گے۔ جسے ہم خود سنواریں گے اپنے لئے.....ایک دوسرے کیلئے۔"

اس وقت جیسے ساری کائنات میری اپنی ہوگئی..... میرا سب کچھ غزالی بن گیا..... جو اس وقت میرے روبرو اپنی آنکھوں میں محبت کے نئے جہان سمیٹے مجھ پر ان کی وسعتیں آشکار کر رہا تھا۔ مجھے غزالی کے سوا کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا اور آنکھیں بند کر کے اس کے ہمراہ چل پڑی۔

"ریطہ..... تم کچھ اپنا حلیہ نہیں بدل سکتیں۔" غزالی نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسے.....؟" میں نے پوچھا۔

"ایسے کہ کچھ اپنے بالوں کا سٹائل بدلو..... کچھ کام میک اپ سے لو..... یہ ارف کسی اور طرح سے پہنو..... دھوپ کا چشمہ بھی لگا لو..... بس فٹافٹ کرو..... ہاں....." اس نے چٹکی بجائی۔

مجھے تھوڑی سی گھبراہٹ ہوئی لیکن غزالی کی قربت میری ڈھارس تھی۔ میں اس کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔ میں نے باتھ روم کے آئینے میں جلدی جلدی اپنے بالوں کا سٹائل بدلا۔ پرس سے میک اپ نکال کر بھنوں کو چوڑا کیا...... سکارف کو اس طرح سر پر لپیٹا کہ وہ میری پیشانی پر کھسک آیا۔ دھوپ کا چشمہ لگا کر جب میں باتھ روم سے باہر آئی تو مجھے ٹھٹک جانا پڑا۔

لمبی لمبی قلموں اور گچھے دار مونچھوں کے ساتھ ایک آنکھ پر سیاہ خول چڑھائے غزالی نے مجھے جھک کر آداب کیا۔ میری ہنسی نکل گئی۔ ''ہائے غزالی...... یہ کیا حلیہ بنا لیا ہے تم نے...... اب تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمہارے ساتھ چلوں یا نہیں۔''

اس نے ہنستے ہوئے میرا بازو تھاما۔ ''اور جس قسم کے حلیہ مبارک میں تم ہو ناں دیکھنا کہیں اس سے گھبرا کر میں تمہیں یہیں نہ چھوڑ جاؤں۔''

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں سہم کر اس کے بازو سے لگ گئی۔

''ہائے...... غزالی...... یہ تو بہت برا ہوا...... پتہ نہیں باہر کون ہے۔''

''جو کوئی بھی ہے بڑے وقت پر آیا ہے...... اب اس کی جان کی خیر نہیں۔'' وہ دانت پیس کر دروازے کی طرف بڑھا۔

''غزالی...... کچھ سوچ سمجھ لو...... یونہی دروازہ نہ کھول دینا...... وہ ہمیں اس حلیے میں۔'' میں نے اسے روکنا چاہا۔

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ ''کیا مصیبت ہے...... اب یہ کون الو کا پٹھا آ گیا ہے۔'' اس نے دروازے کی کنڈی کھولی اور اس کا ایک پٹ وا کیا اور یکدم کسی کو بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا میں نے سانس روک کر دیکھا وہی جادوگرنیوں جیسی بڑھیا غزالی کی گرفت میں تڑپ رہی تھی۔ غزالی کے ہاتھ نے اس کا منہ بند کر رکھا تھا۔ ''جلدی کوئی رسی یا کپڑا لاؤ......'' وہ بولا۔

میں نے بدحواسی میں ادھر ادھر دیکھا اور جلدی میں بستر کی چادر کو بل دے کر غزالی کے ساتھ بڑھیا کو باندھنے میں مدد کی۔ اس کے منہ پر رومال باندھنے کے بعد غزالی نے اسے غسل خانے میں بند کر دیا اور مجھ سے بولا۔

''تم تیار ہو۔''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں جواب دیا لیکن میرا دل اندر سے دھک دھک کر رہا تھا۔

''بس اب اپنے حواس برقرار رکھنا گھبراہٹ اور پریشانی سے بنتے کام بھی بگڑ جاتے ہیں۔'' اس نے میری حوصلہ افزائی کیلئے کہا۔

میں اتنی خوفزدہ تھی کہ اس کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہہ سکی...... وہ جلدی جلدی مجھے سارا منصوبہ سمجھانے لگا۔

''یہ ایک ہوٹل کا کمرہ تھا...... یہ ہوٹل بھی ان لوگوں کی ملکیت ہی ہے۔ میں اس راستے سے چلوں گا جو عام لوگ استعمال کرتے ہیں تاکہ انہیں شک نہ ہو۔ وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں عام راستے سے جاؤں گا۔ خفیہ راستوں کی طرف تو وہ اچھی طرح سے نگرانی کر رہے ہیں۔ اس طرف پکڑے جانے کا خطرہ زیادہ ہے۔''

میں اندر ہی اندر لرز رہی تھی لیکن میں نے غزالی پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ غزالی نے میرا ہاتھ تھاما اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ میرا دل سینے کی دیواریں توڑنے لگا۔ میرے لئے ایک قدم بھی اٹھانا دوبھر تھا۔ اس نے دروازے کی باہر سے کنڈی لگا دی۔ ہم لوگ ایک راہداری میں نکل آئے تھے جس میں کچھ دوسرے کمروں کے بھی دروازے کھلتے تھے۔ جو سب کے سب بند تھے۔

غزالی نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور مجھے کچھ فاصلہ رکھ کر چلنے کو کہا۔ مجھے اور ڈر لگا۔ ہر دوسرا قدم اٹھاتے ہوئے مجھے ہول اٹھنے لگے۔ غزالی نے سگریٹ سلگا لیا اور اس کے کش پر کش لیتا دھوئیں کے مرغولے سے بناتا یوں چلنے لگا جیسے کوئی بے فکرا اپنی رو میں بڑھا چلا جاتا ہو۔ میں ڈرتے ڈرتے اس کے قدم پر قدم رکھ رہی تھی۔

راہداری کے اختتام پر وہ داہنی جانب مڑا...... میں نے پھر قدموں کو تیز کیا اور اس کے پیچھے پیچھے داہنی طرف مڑ گئی۔ ایک نسبتاً کم چوڑے برآمدے کے اختتام پر بل کھاتی ہوئی سیڑھیاں نیچے ہال میں اتر جاتی تھیں۔ جہاں لوگ آ جا رہے تھے۔ غزالی میرے آگے آگے یوں مزے سے چلا جاتا تھا جیسے کسی کی کوئی پرواہ نہ ہو...... میں بھی اس کے پیچھے ایک ایک سیڑھی زینہ اترنے لگی۔

نہ جانے ہال کے کس گوشے میں سے اسٹیل ہیڈ نمودار ہوا اور تیزی سے زینہ چڑھنے لگا۔ میری جان پر بن گئی۔ مجھے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ میرے پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ ہم زینے کے درمیان میں تھے اور نیچے سے اوپر چڑھتا ہوا اسٹیل ہیڈ تیزی سے ہمارے قریب آ رہا تھا۔ میرے جسم میں جیسے جان نہیں رہی اور میری ٹانگیں لرزنے لگیں۔ میں نے شاید گھبراہٹ میں غیر ارادی طور پر پیچھے پلٹ جانا چاہا۔ مجھے غزالی کی آواز سنائی دی۔ ''ریطہ...... ادھر ادھر دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں چلو۔'' میں نے خود کو بمشکل سنبھالا اور لرزتی ہوئی بغیر کسی طرف دیکھے سیڑھیاں اترنے لگی۔

سیڑھیوں پر اسٹیل ہیڈ کے قدموں کی ٹھک ٹھک ہر لحہ قریب آ رہی تھی۔ میرا دل میرے سینے کی دیواریں توڑنے لگا۔ صرف دو قدموں کا ہی فاصلہ تھا۔ وہ ہمارے برابر آ چلا تھا۔ میں نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے گرد و پیش سے بے خبر ہو جانا چاہا۔ وہ چند سیڑھیاں اور اوپر چڑھا اور ہم چند سیڑھیاں نیچے اتر کر اس سے اور قریب ہو گئے۔ میری سانس لینے میں رکنے لگی۔ وہ پہلے غزالی کے برابر سے گزرا اور پھر میرے قریب سے بھی گزر گیا۔ چپ چاپ بغیر کچھ کہے بڑی خاموشی سے ہم پر ایک اچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈالتے ہوئے اس کے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز جب تک سنائی دیتی رہی میں ڈرتی اور گھبراتی رہی۔ بار بار ایسا لگتا تھا جیسے وہ عقب سے آ کر ہمیں دبوچ لے گا لیکن کتنے ہی سارے لمحے گزر گئے ہم زینہ طے کر کے ہال میں پہنچ گئے اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ شاید اس کے تصور میں یہ بات نہیں تھی کہ ہم عام گزرگاہ میں سے یوں روانہ چلے آئیں گے۔

کھلی سڑک پر رواں دواں ٹریفک دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ نجات کے احساس نے میرے اکھڑے ہوئے سانس بحال کر دیئے۔ میں نے غزالی آستیں چھو کر اسے متوجہ کیا۔ ''شکر ہے غزالی اس اسٹیل ہیڈ کے بچے کو کچھ پتہ نہیں چلا۔''

غزالی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ نہ ہی اس نے کسی خوشی یا اطمینان اظہار کیا۔ وہ متلاشی نگاہوں سے سڑک پر آتی جاتی ٹریفک میں کوئی خالی ٹیکسی ڈھونڈ رہا۔ اس کی جستجو کامیاب ہوئی اور ہم جلد ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ اس نے ڈرائیور

کو کوئی نام بتایا اور ٹیکسی ٹریفک کے اژدھام کا ایک حصہ بن گئی۔

''غزالی...... کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

وہ یوں بیٹھا رہا جیسے میری بات سنی ہی نہیں...... اس کا چہرہ کسی گہری سوچ کا غماز تھا اور اس کا ذہن کہیں اور تھا...... میں نے ہولے سے اس کا بازو ہلایا۔

''غزالی...... پلیز...... کچھ مجھے بھی بتاؤ...... مجھے سخت الجھن ہو رہی ہے۔''

''ہوں...... کیا......؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔'' میں نے پھر کہا۔

''دھنک کے آفس...... ہم اس کو لے کر اسی وقت نکل جائیں گے۔'' اس نے بتایا اور ڈرائیور سے گاڑی تیز چلانے کیلئے کہنے لگا۔

میں اس کے برابر دبکی ہوئی بیٹھی رہی اور وہ بار بار شیشے سے باہر سر نکال کر نہ جانے کیا دیکھتا رہا۔

ہمیں دھنک کے آفس پہنچتے پہنچتے تقریباً پندرہ بیس منٹ لگ ہی گئے۔ ہم ٹیکسی سے اترے اور پیدل چلنے والوں کے ہجوم میں سے ہوتے ہوئے ایک پبلک کال آفس پہنچے۔

''میں دھنک کو یہاں آنے کیلئے کہتا ہوں...... کیونکہ وہ الو کا پٹھا...... ہمیں غائب دیکھتے ہی سب سے پہلے یہیں پہنچے گا......'' غزالی نے جیب سے سکے نکالتے ہوئے کہا۔

اس نے نمبر ملایا اور دھنک کے بارے میں پوچھا۔ یکلخت اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ فون پر چلایا۔

''کب......؟ کہاں...... کس وقت...... کیوں......؟ وہ کہاں گئی ہے...... پیغام کون لے کر آیا تھا؟ کتنی دیر ہو گئی ہے اس کو گئے ہوئے۔'' اس نے ریسیور پٹخ دیا اور پریشانی کی شدت سے دھواں دھواں چہرے کے ساتھ بولا۔ ''اسٹیل ہیڈ میں تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔ اس نے دانت اس طرح کچکچائے کہ مجھے ان کی آواز سنائی دی۔

ٹیلیفون پر غزالی کی یکطرفہ گفتگو سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ دھنک غائب ہے۔ گویا انہوں نے ایک بار پھر غزالی کے پیروں میں ایسی زنجیر ڈال دی تھی کہ وہ اپنے ہی قدموں سے اس کی جانب لوٹ جانے پر مجبور تھا۔

میرا دل ڈوبنے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ میں نے پریشانی سے غزالی کی طرف دیکھا۔ ''غزالی...... یہ کیا ہو گیا ہے؟''

اس نے ہونٹ چبائے۔ ''مجھے واپس جانا پڑے گا ریطہ...... مجھے واپس جانا پڑے گا...... میری بہن ان کے رحم و کرم پر ہے...... مجھے واپس جانا پڑے گا۔''

''اور میں......؟'' میں اس نے سانس روک کر پوچھا۔

''تم......'' اس کی دلکش مقناطیسی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہوئیں اور چند لمحے وہ بڑی حسرت سے میری طرف دیکھتا ہی رہا۔

''ریطہ...... تم......'' اس نے بڑے کرب سے کہا۔ ''تم میری محبت ہو...... میری زندگی ہو...... لیکن میرے پاس تمہیں دینے کیلئے کچھ بھی نہیں...... اگر میں تمہیں خوشیاں نہیں دے سکتا تو اپنی مشکلات اور غم بھی تمہاری جھولی میں ڈالنے کا مجھے حق نہیں تم اپنی مرضی سے اپنا راستہ چن لو۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ میں تڑپ گئی۔ ''غزالی...... میں نے تمہارا راستہ چن لیا ہے۔''

اس نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے سر جھکا۔ ''نہیں ریطہ اب ہمارے راستے الگ ہیں لیکن تم اتنا یقین رکھنا کہ میرے دل میں ہمیشہ تمہاری یادوں سے چراغاں ہو رہے گا۔ میری زندگی میں تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہوگا۔ ہمیں تقدیر کے فیصلوں کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا۔ ہمیں مفارقت کے لمحوں میں ہی زندہ رہنا ہوگا۔'' اس نے میرا ہاتھ زور سے دبا کر چھوڑ دیا اور اپنے آنسو چھپاتا ہوا آگے بڑھا۔ لیکن میں نے اسے جانے نہیں دیا۔ اس وقت مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ نہ کوئی خوف تھا نہ کسی مشکل کا احساس اور نہ وقت کی سنگینی کا ادراک۔ میرے روئیں روئیں میں غزالی کی محبت سلگ رہی تھی۔ اس کو کھو دینا جیسے زندگی اور موت کا سوال بن گیا تھا۔ مجھے اس کی محبت کے سامنے دنیا کی ہر شے ہیچ معلوم ہو رہی تھی۔ میرا ضمیر اسے مشکل میں تنہا چھوڑ دینے پر کسی طرح رضامند نہیں تھا۔ میں نے بیقرار ہو کر اس کا بازو تھام لیا اور

لہجے میں بولی۔ ''غزالی...... میں نے محبت کی ہے کوئی کاروبار نہیں کیا...... مجھے نفع و نقصان کی پروا نہیں ہے۔ میں تمہاری چاہت کی ڈور میں بندھی ہوں۔ جس طرف تم جاؤ گے میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گی۔ میں نے تمہیں اپنایا ہے اب ہمیں موت ہی جدا کرے گی۔'' شدت جذبات سے میری آواز لرز رہی تھی۔ میرے ہاتھوں کی گرفت اس کے بازو پہ سخت ہوتی جا رہی تھی اور آنسو میرے رخساروں پر ڈھلکتے آ رہے تھے۔

آتے جاتے راہگیروں سے بچنے کیلئے غزالی مجھے ایک گاڑی کی اوٹ میں لے گیا۔ اس نے میرے آنسو صاف کیے اور رنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''ریطہ...... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''نہیں میں نے کچھ نہیں سمجھنا۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' میں نے بچوں کی طرح ضد کی۔

''نہیں تمہیں جانا پڑے گا۔ تم گھر چلی جاؤ اور اطمینان سے سوچو۔'' وہ قدرے سختی سے بولا۔

''میں نے جو سوچنا تھا سوچ لیا ہے۔ میں تمہیں مشکل میں چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔'' اس کی سختی کے ساتھ میرے انکار میں بھی شدت پیدا ہوئی۔

''اوہو...... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟'' وہ زچ ہو گیا۔

''میں سمجھنے سمجھانے کی منزل سے آگے گزر چکی ہوں۔'' میرے جذبوں کی شدت نے میرے لہجے میں کوئی ایسی بات پیدا کر دی تھی کہ غزالی لاجواب سا ہو گیا۔ وہ راستے کی پروا کیے بغیر ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر جھکا اور بڑی عقیدت سے میرا ہاتھ چوم لیا۔

میں واقعی سوچنے سمجھنے کی منزل سے آگے بڑھ آئی تھی۔ میں نے نہ مستقبل کا سوچا اور نہ ہی حال میں نظر آنے والی مشکلات کی ہی پروا کی۔ نہ مجھے اپنے گھر والوں کا خیال آیا نہ کسی کی پروا رہی۔ میں غزالی کی چاہت میں دیوانی ہو کر بھول بھلیوں میں ایسے راستے پر نکل گئی...... اس کے انداز میں اتنی محبت...... اتنا لگاؤ تھا کہ مجھے خود پر فخر سا ہونے لگا۔ میری آنکھوں نے اسے یقین دلایا کہ میں اس کے ساتھ ہوں اور ہم

ایک ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

لوگ ہمارے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ سڑک پر ٹریفک کا سیل رواں بہا جاتا تھا۔ غزالی کسی گہری سوچ میں ڈوبا نہ جانے کس طرف بڑھا جا رہا تھا۔ معلوم نہیں اس نے دل میں کیا ٹھانی تھی۔ مجھے الجھن ہونے لگی۔ میں اس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

''غزالی...... کیا ارادہ ہے؟''

وہ چونک گیا۔ ''یہ تقدیر کی گردش ہے ریطہ...... تم اسے سہہ لوگی۔'' اس کے انداز میں تشویش تھی۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' میں نے اپنے پورے جذبوں کے ساتھ کہا۔

اس نے ہاتھ دے کر ٹیکسی ٹھہرانا چاہی مگر میں نے روک دیا۔ ''مجھے بتاؤ تو سہی کہ اب تم نے کیا سوچا ہے؟''

''میں اسٹیل ہیڈ سے بات کروں گا...... دوٹوک...... آر یا پار۔'' اس نے درشتی سے کہا۔

میرے دل پر پریشانی نے پرچھائیاں ڈالیں۔ ''نہیں غزالی اتنی جلدی نہ کرو۔ اس پر غور کرلو کہ تمہیں اسٹیل ہیڈ کے ساتھ معاملہ کس طرح طے کرنا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''کیا مطلب......؟''

''میرا مطلب ہے کہ تم اس سے براہ راست ملنے کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کرو۔ تمہارے پاس ان کی کئی کمزوریاں بھی تو ہوں گی تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس طرح اپنا آپ ان کے حوالے کر دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' میں نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

وہ چلتے چلتے رک گیا اور پرخیال لہجے میں بولا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو ریطہ تم نے مجھے صحیح سمت پر ڈال دیا ہے۔ دراصل مجھے دھنک کا خیال کچھ بھی سوچنے سمجھنے نہیں دے رہا۔'' اس نے پریشانی سے اپنے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے کہا۔

''اگر انہیں تم سے کام لینا ہے تو وہ دھنک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وہ

جانتے ہیں کہ تم اس کی خاطر ان کے پاس ضرور جاؤ گے۔ تمہارے پاس سوچنے کا وقت ہے کہیں کوئی پرسکون جگہ دیکھو جہاں تم اپنے اعصاب کو نارمل کرسکو۔ اس طرح راستے میں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔'' میں نے کہا۔

''اں کچھ ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور کچھ دیر خاموشی سے میرے ساتھ چلتا رہا۔

پھر اس نے ایک ٹیکسی ٹھہرائی اور مجھے ساتھ لیے ہوئے اس میں بیٹھ گیا۔ ٹریفک کے سیل رواں میں ہماری ٹیکسی بھی ایک بڑھتی ہوئی لہر بن گئی۔ غزالی میرے برابر چپ بیٹھا تھا اور اس کی آنکھوں میں تشویش آمیز سوچ تھی۔ تھوڑی دیر میں بھی خاموش بیٹھی رہی۔ پھر میں نے اس کا بازو ہلایا۔ الفاظ میں کم اور نگاہوں سے زیادہ اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے بولے بغیر آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے سوال نہ کرنے کی تاکید کی اور پھر شیشے سے باہر سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ کے مسلسل سفر کے بعد ہم ایک ایسے علاقے میں پہنچے جو ایسی تنگ اور نسبتاً کم صاف گلیوں اور قدیم طرز تعمیر پر مشتمل تھا جیسی ہمیں یہاں اپنے ملک اور شہر میں نظر آتی ہیں۔ اس نے ٹیکسی والے کو ادائیگی کی اور مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک ایسی گلی میں مڑ گیا جس میں اتنے موڑ اور گلی در گلی کے راستے تھے کہ میرے لئے انہیں یاد رکھنا بہت مشکل تھا۔

وہ ایک بوسیدہ سی دو منزلہ عمارت کے دروازے کے سامنے رکا اور گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک جھکی ہوئی کمر والی نیگرو عورت کا بوڑھا چہرہ نظر آیا جس کے آبنوسی چہرے پر سفید گھنگریالے بال بہت عجیب سا تاثر پیدا کر رہے تھے۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر ہماری طرف دیکھا اور اکھڑے لہجے میں بولی۔ ''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

''واہ...... واہ گرینی...... اب تم اتنی سٹھیا گئی ہو کہ غزالی کو بھی نہیں پہچانتیں۔'' غزالی نے گھر کر دہلیز پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔

''او بدمعاش یہ تم ہو...... شیطان کے چیلے...... آؤ...... آؤ...... اندر آجاؤ۔''

اس کی آواز پہچان کر گرینی کا بوڑھا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ گرمجوشی سے ہمیں اندر لے گئی۔

پرانے طرز کی مختصر سجاوٹ کے ساتھ وہ گھر بالکل خاموش اور سنسان تھا۔ اس نے ہمیں قدیم طرز کے بڑے بڑے ہینڈلوں والے صوفوں پر بٹھایا اور ہانپتی ہوئی بولی۔ ''غزالی میں تو سمجھ رہی تھی کہ میرے ڈینی اور رسل کی طرح تجھے بھی دنیا کی بھیڑ نے نگل لیا ہے۔ اسی لئے تجھے گرینی کی بوڑھی آنکھوں کا خیال نہیں آتا جو تم لوگوں کی آس میں دروازے پہ لگی رہتی ہیں۔''

''او گرینی...... پیاری گرینی۔'' غزالی نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میرا جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی گرینی کی محبت کی ٹھنڈی چھاؤں میں رہوں لیکن کیا کروں دنیا کی بھیڑ میں تمہارے گھر کا راستہ تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''بس اب خوشامد نہ کر جھوٹے۔'' گرینی نے اسے ایک چپت جمائی۔ ''او یہ تو نے حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟ تیرے ساتھ یہ عورت کون ہے۔'' وہ تھوڑا آگے جھکی او مدھم لہجے میں خوشگواری سے کہنے لگی۔ ''بدمعاش...... تو تو کہتا تھا تجھے عورت سے الر ہے۔''

غزالی کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کنکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔ ''الرجی تو بہت تھی لیکن اس عورت نے سارا کچھ گڑبڑ کر دیا ہے۔ سنتی ہو گر یہ تمہاری بہو ہے۔''

''ارے......'' گرینی نے میرے حلیے کو حیرت سے دیکھا اور چپکے سے غز سے کہنے لگی۔ ''تیری عقل کہاں گھاس چرنے گئی تھی۔ میری بہو بنانے کیلئے تجھے اور لڑکی نہیں ملی تھی یہ تو عمر میں مجھ سے دو تین سال تو بڑی ہی ہو گی۔''

''کیا کروں گرینی اس چڑیل نے تیرے بھولے بھالے غزالی کو پھانس ہے۔'' غزالی بھی شرارت کے موڈ میں تھا۔

مجھے ہنسی آئی میں نے اپنے سر پر لپٹا اسکارف کھولا' چشمہ اتارا اور گرینی قریب جا کر کہا۔

''گرینی اپنے اس بھولے بھالے پنچھی کا حلیہ بھی تو دیکھو اسے میرے کون قبول کر سکتا تھا۔''

گرینی نے اپنی چندھی آنکھیں پھیلا کر غزالی کو ٹہوکا دیا۔ ''اے...... ا

تو سب کچھ سن لیا ہے۔''

''بس اب کچھ مت کہنا گرینی۔'' غزالی نے مصنوعی خوف طاری کرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں تو یہ مجھے مارے گی۔''

''ارے نہیں...... نہیں...... یہ تمہیں نہیں مار سکتی۔ اس نے اپنا بے ڈھنگا چشمہ اتارا ہے تو مجھے محسوس ہوا ہے کہ یہ مجھ سے دو تین سال چھوٹی ہی ہو گی۔'' گرینی نے ہنس کر کہا۔

غزالی نے اپنی آنکھ پر سے سیاہ خول اتارا۔ اپنی مونچھیں اور قلمیں جیب میں ڈالتے ہوئے مجھے دونوں شانوں سے پکڑ کر گرینی کے سامنے لاتا ہوا بولا۔ ''گرینی یہ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے۔ خدا نے اسے تمہارے غزالی کیلئے بنایا تھا۔ اسی لئے تو میں نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔''

گرینی مسکرائی۔ ''ارے تم دونوں اب تو پہلے سے بہت بہتر لگ رہے ہو۔''

''ہم اور بھی بہتر لگ سکتے ہیں لیکن وقت ذرا کم ہے۔'' غزالی نے ہنس کر کہا۔

گرینی اداس ہو گئی۔ ''تمہیں ہمیشہ کم وقت کی شکایت ہی رہتی ہے لیکن تم پھر بھی ڈینی سے' رسل سے اچھے ہو۔ کبھی بھولے بھٹکے اس طرف نکل ہی آتے ہو ورنہ اس دروازے پر نہ کوئی آہٹ ہوتی ہے نہ دستک۔''

''بس بس بس اداس نہیں ہوتا گرینی مجھے یقین ہے ڈینی اور رسل اس دروازے پر ضرور دستک دیں گے اور اب تو تمہاری یہ بہو کچھ دن تمہارے ساتھ رہے گی۔ دراصل میری لینڈ لیڈی نے میرا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے۔ وہ ہے بڑی بددماغ عورت جب تک مجھے کوئی دوسرا اپارٹمنٹ نہیں مل جاتا تمہاری بہو یہاں رہ لے تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' غزالی نے اس کے شانے خوشامدانہ انداز میں دباتے ہوئے کہا۔

''بھلا مجھے اعتراض کیوں ہونے لگا شریر بچے۔ یہاں تنہائی اور بڑھاپے کے سوا میرے پاس ہے ہی کون۔ میں آوازوں کو...... ہنسی کو ترس گئی ہوں۔ کسی کو فرصت نہیں کہ دو گھڑی میری اس تنہائی میں جھانک ہی لے۔'' اس کے دکھی لہجے میں

بے شمار محرومیاں بول رہی تھیں۔ "مجھے ڈینی اور رسل کی بیویاں دیکھنے کی حسرت ہی رہی میں نے ان کی ماں کو بہو کہا تھا لیکن اس نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ ان چھوٹے چھوٹے بلونگڑوں کو میرے پاس چھوڑ کر اس نے اپنی راہ لی۔" اس نے غزالی کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا۔ "چلو اچھا ہے یہ لڑکی میرے پاس رہے گی تو تم بھی اس سے ملنے کے بہانے جلدی جلدی آیا کرو گے۔ ہیں نا۔"

میں نے الجھ کر غزالی کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا کہ وہ مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جائے۔ اس نے نگاہوں سے ہی مجھے تنبیہ کی کہ میں خاموش رہوں اور گرینی سے بولا۔ "گرینی آج کوئی چائے' کافی وغیرہ پلانے کا موڈ بالکل نہیں ہے۔"

گرینی ہنسی اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے پتہ ہے تمہیں کافی پسند ہے۔"

"زندہ باد گرینی۔" غزالی نے ہنستے ہوئے کہا اور گرینی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

میں جلدی سے اٹھ کر غزالی کے پاس پہنچی۔ "غزالی تم مجھے یہاں چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"ہاں ریطہ..... تم میرا سب سے قیمتی سرمایہ ہو میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان ہو۔ میں تمہیں محفوظ رکھنا چاہتا ہوں اپنے لئے۔" اس نے بڑے لگاؤ سے مجھے سمجھانے کی سعی کی۔

"نہیں غزالی میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ تمہارے بغیر میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" میں نے ضد کی۔

"اس طرح تم میری مشکلوں میں اضافہ کر دو گی ریطہ۔ میں ان سے دو ٹوک بات نہیں کر سکوں گا۔ دھنک تو پہلے ہی ان کے قبضے میں ہے میں کوئی اور رسک نہیں لے سکتا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"تو پھر مجھے یہاں رہنے کا بھی کیا فائدہ ہے..... میں گھر چلی جاتی ہوں۔" میں نے غصے سے کہا۔

"پگلی ہو تم بھی۔" اس نے سر جھٹکا۔ "تم خود کو ان کا آسان شکار بنانا چاہتی ہو۔ وہ تمہارے ذریعے بھی مجھ پر جال ڈالنے کی کوشش کریں گے۔"

مجھے صورتحال کی سنگینی نے خوفزدہ کر دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آسمان تک بلند دیواروں میں گھر گئی ہوں۔ میں نے پریشانی سے ہونٹ کاٹے۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے دھندلانے لگیں۔ میں لرزتے ہونٹوں کے ساتھ ایک لفظ بھی نہیں بول سکی۔

"ریطہ....." غزالی نے میری ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر میرا چہرہ اوپر اٹھایا اور میری آنسو بھری آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ "ریطہ..... تم ہمت ہار دو گی تو میں حوصلہ کہاں سے لوں گا۔"

میں اپنے آنسوؤں کو بہہ جانے سے نہیں روک سکی۔ سارے لفظ میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ میں نے اپنی پیشانی اس کے شانے سے لگا دی۔ میرے آنسو اس کی قمیض بھگونے لگے۔

"نہیں..... نہیں یہ آنسو نہیں بہانے ریطہ۔ ان موتیوں کو یوں نہ لٹاؤ۔" اس نے محبت سے میرے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرا حوصلہ تو تم ہو میں تمہاری محبت کے آسرے ہی تو ساری دنیا سے ٹکر لینے چلا ہوں۔ میری ہمت بڑھاؤ ریطہ..... مجھے حوصلہ دو۔"

"اے بدمعاش تم اس پیاری لڑکی کو کیوں رلا رہے ہو نالائق۔" گرینی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

میں جلدی سے غزالی سے علیحدہ ہوئی۔ غزالی نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "گرینی یہ مجھ سے بچھڑنا نہیں چاہتی۔"

"جدائی بہت ظالم ہوتی ہے میرے بچے۔ یہ انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتی رہتی ہے۔ جیسے دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ جیسے ڈینی اور رسل کی جدائیوں نے مار دیا ہے۔ میں سانس لیتی ہوں' چلتی پھرتی ہوں لیکن اندر سے میں زندہ نہیں ہوں۔ میری بات مانو بیٹے اپنی دلہن کو مفارقت کا روگ نہ لگاؤ اسے اپنے ساتھ رکھو اپنے ساتھ پیار کے یہ لمحے پھر تو تمہاری زندگی میں نہیں آئیں گے۔" اس نے جدائی کی

آنچ میں جلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

میری آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے۔ غزالی اضطرار میں اپنا پاؤں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ جدائی عارضی ہے گرینی میں بہت جلد آؤں گا۔ ان فاصلوں کو مٹانے کیلئے جدائی کی اس کلفت کو دھونے کیلئے۔''

''سب ہی جانے والے اسی طرح کہتے ہیں لیکن جب وہ دنیا کی بھیڑ میں گم ہو جاتے ہیں تو انہیں اپنا یہ وعدہ یاد نہیں رہتا۔'' گرینی کا بوڑھا چہرہ دھواں دھواں تھا۔

میرے دل میں ہول سے اٹھنے لگے مجھے گرینی کے لفظ حقیقت میں ڈھلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ مجھے یوں لگا جیسے میں غزالی کو پھر کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔ جیسے یہ جدائی دائمی جدائی کا پیش خیمہ ہے۔ میں احتجاج کرنا چاہتی تھی۔ غزالی کو اپنے اندیشوں سے آگاہ کرنا چاہتی تھی لیکن وہ کچھ بھی سننے پر آمادہ نہیں تھا۔

''پلیز گرینی مجھے حوصلہ دو اور اچھی دعائیں۔'' غزالی نے ماحول کی سوگواری دور کرنے کو زندہ دلی سے کہا اور آگے بڑھ کر پیالیوں میں کافی انڈیلی۔ اس نے ایک پیالی مجھے تھمائی اور کافی کا ایک بڑا گھونٹ بھر کر بولا۔ ''واہ گرینی مزہ آیا نا، کافی کا۔ تمہارے ہاتھ میں تو لذت ہی لذت ہے۔''

''تو بہت خوشامدی ہوگیا ہے بدمعاش۔'' گرینی نے محبت سے ڈپٹ کر کہا۔

اس نے کافی کی پیالی خالی کر دی مگر میں ایک بھی جرعہ نہیں لے سکی۔ کافی کی پیالی میرے سامنے رکھی ٹھنڈی ہوگئی۔ گرینی نے مجھے متوجہ کیا۔

''بیٹی تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے گرینی میرا بالکل موڈ نہیں۔'' میں نے معذرت کی۔

''میں سمجھتی ہوں میری بیٹی۔'' گرینی نے تائید میں سر ہلایا۔ ''جو جدائی زہر پیتے ہیں انہیں کوئی مشروب اچھا نہیں لگتا۔''

غزالی نے کنکھیوں سے میری طرف دیکھا اور گرینی سے بولا۔ ''گرینی... گرینی تم بھی خوب ہو۔ اپنی بہو کو حوصلہ دینے کے بجائے اسے رلانے پہ تلی ہو۔ یہ محاذ بنالیا ہے تم نے میرے خلاف۔''

''کاش تم جیسے ستم گروں کے خلاف محاذ بنایا جا سکتا لیکن ہم عورتیں بھی

کریں تم ہمارے بیٹے' بھائی' باپ' شوہر اور محبوب ہو ہم تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔''

گرینی نے اٹھ کر کافی کے خالی برتن اٹھائے اور اپنے ہی غم میں سلگتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

غزالی فوراً اٹھ کر میرے قریب آیا۔ ''ریطہ پلیز بس اب خود کو سنبھالو مجھے جانا بھی ہے۔ وقت پہلے ہی بہت کم ہے میں جلدی وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔ دھنک بہت پریشان ہوگی۔''

''اس طرح تم ان کے ہتھے چڑھ جاؤ گے۔'' میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''اب اتنا بھی کچا نہیں ہوں میں۔'' وہ ہنسا۔ ''میں یونہی تو ان کے سامنے نہیں پیش ہو جاؤں گا۔''

''پھر؟ کیا کرو گے کچھ مجھے بھی تو بتاؤ ناں۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''تم اتنا یقین رکھو کہ میں موقع ملتے ہی سب سے پہلے تمہاری طرف لوٹوں گا۔ ریطہ یہ تمہاری محبت ہی ہے جس نے مجھے انسان ہونے کا احساس دلایا ہے۔ میرے ضمیر کو جگا دیا ہے مجھے نئی زندگی تو تم نے دی ہے۔ ریطہ یہ زندگی تمہارے نام۔''

اس کے ہر ہر لفظ نے میرے روئیں روئیں کو احساس تفاخر سے سرشار کر دیا۔ اس کی آنکھوں کے آئینوں میں مجھے اپنا عکس اتنا دلفریب نظر آیا کہ مجھے اپنے آپ سے محبت ہوگئی۔ میرے ساتھ کوئی پچھتاوا' کوئی پریشانی نہیں رہی۔ میرا دل غزالی کی محبت سے بھر گیا۔ میں نے بڑے لگاؤ سے اس کی طرف دیکھا۔ ''غزالی...... اپنا خیال رکھنا۔''

وہ کھل کر مسکرایا اور میرے رخسار کو محبت سے چھو کر بولا۔ ''اپنا خیال تو مجھے رکھنا ہی ہے ریطہ کہ مجھے خود کو تمہارے لئے بچا کر لانا ہے۔''

مجھے وہ بے حد اچھا لگا۔ اس سہانے وقت کے تصور میں میری آنکھوں میں ستارے چمک اٹھے۔ میں نے پورے جذبوں کے ساتھ کہا۔ ''غزالی میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

''غزالی کیا تم جا رہے ہو ڈارلنگ؟'' گرینی کی آواز ہمارے عقب سے سنائی دی۔

غزالی اس کی طرف پلٹا۔ ''بس گرینی میں جا رہا ہوں لیکن تمہاری تنہائیاں دور کرنے کیلئے تمہاری بہو کو تمہارے پاس ہی چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں جلدی آؤں گا تم ریطہ کا خیال رکھنا اور کسی کو بھی نہ بتانا کہ یہی میری بیوی ہے۔''

''یہ کیسی راز داری ہے؟'' گرینی نے مسکرا کر پوچھا۔

غزالی ہنس کر اس کی بات ٹال گیا اور الوداعی انداز میں میرے شانے پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''سنو ریطہ تم بہت ہوشیار رہنا ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم گھر سے نکلنے کی کوشش نہ کرنا نہ ہی کہیں فون کرنا میں بہت جلد آنے کی کوشش کروں گا۔''

میرے دل میں ہزاروں باتیں کھول رہی تھیں لیکن میں انہیں زبان پر نہیں لا سکی۔ میں بے حد چھوٹے سے لمحے کیلئے اس کے گلے سے لگ گئی۔ میرے دل میں یہ خوف ابال سا بن کر اٹھ رہا تھا کہ پھر نہ جانے میں غزالی کو دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔ اس نے میرے گرد اپنے بازو لپیٹے اور پھر فوراً ہی رخصت ہو گیا۔

میرے آنسوؤں نے میری آنکھوں کا رستہ دیکھ لیا۔ میں انہیں اپنے سکارف میں جذب کرتے ہوئے کھڑکی میں سے غزالی کو گلی کی نکڑ پر غائب ہوتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''اپنے آنسوؤں کو ضائع نہ کرو پیاری وہ مرد ہے اسے ان چراغوں کی کیا پروا ہو گی جو تم انتظار کی شبوں میں اپنے آنسوؤں سے روشن کرتی رہو گی۔'' گرینی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑکی سے پرے ہٹا دیا۔ میں نے اس کے خیال سے اپنی آنکھیں پونچھ لیں لیکن میرے دل کو قرار نہیں تھا۔ میرا دھیان غزالی میں ہی لگا ہوا تھا۔ میں جیسے تصور ہی تصور میں خود کو اس کے ساتھ ساتھ محسوس کر رہی تھی۔

''آؤ بیٹی میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔ جب تک تم یہاں ہو اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔'' گرینی نے بڑی شفقت سے مجھے مخاطب کیا۔ میں اس کے ساتھ ہو لی۔

★ ★ ★

پرانے طرز کے گھر میں صفائی کا اہتمام کم ہی تھا۔ ویسے بھی صفائی کرنا جھکی ہوئی کمر والی گرینی کیلئے ممکن ہی کہاں تھا۔ بس بیچاری گزارہ ہی کر رہی تھی۔ اوپر کے حصے میں جانے کیلئے تین چار لکڑی کی سیڑھیاں طے کرنا پڑتی تھیں۔ ویران گھر کی سنسان فضا میں سیڑھیوں پر پاؤں دھرنے کی آواز بڑی نامانوس اور عجیب سی لگتی تھی۔ گرینی نے کمرے کا دروازہ کھولا۔

ٹھہری ہوئی ہوا کا تعفن ہمارے نتھنوں سے ٹکرایا۔ گرینی نے میری طرف دیکھا۔ ''بیٹی تم یہ کمرہ استعمال کر سکتی ہو۔ تمہیں اس کی صفائی بھی خود ہی کرنی پڑے گی۔ تم اپنی بوڑھی گرینی کا حال تو دیکھ ہی رہی ہو۔''

''نہ...... نہ گرینی...... تم ہماری بزرگ ہو ہمارے ہاں تو بزرگوں کی آپ خدمت کی جاتی ہے۔ ان سے کام نہیں لیا جاتا۔ میں یہ سب کر لوں گی۔'' میں نے اس کا دل رکھنے کو کہا ورنہ بکھرے ہوئے سامان، دیواروں کے اکھڑے ہوئے پلستروں اور مٹی دھول دیکھ کر تو مجھے شدید الجھن ہو رہی تھی۔

''بیٹی تمہاری آواز اور تمہارا وجود شاید میری اداسیوں کو کم کر سکے گا۔'' گرینی نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ اور واپسی کیلئے پلٹتے ہوئے بولی۔ ''تم چاہو تو کچھ دیر آرام کر لو۔ تب تک میں لنچ تیار کر لوں گی۔ آج تو ایک عرصہ بعد میری ڈائننگ ٹیبل پر کوئی اور بھی میرے ساتھ ہو گا۔''

''گرینی میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟'' میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''نہیں نہیں تم آرام کرو میں نے کونسا کوئی لمبا چوڑا کھڑاک کرنا ہے۔'' وہ دونوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتی آگے بڑھ گئی۔

میں نے بے دلی سے کمرے میں جھانکا۔ میں ذہنی اور جسمانی طور پر چور چور ہو رہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں یہ صدیوں پہ بھاری لمحے کس طرح گزاروں گی۔ میں نے ایک اچٹتی سی نگاہ پھر اس مختصر سے کمرے میں ڈالی جس میں بہت سارا کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں گھر کا فالتو سامان یونہی ڈال دیا جاتا تھا۔

مجھے کمرے میں رکھے ہوئے فولڈنگ بیڈ کو قابل استعمال بنانے کیلئے اس پر سے کار کے پرانے ٹائر' پینٹ کے خالی ڈبے' بوسیدہ اخبار' گتے کے ٹکڑے اور ایسی بہت ساری بیکار چیزوں کو اس پر سے ہٹانا پڑا۔ جتنی جھاڑ پونچھ اور صفائی مجھ سے ہو سکتی تھی وہ میں نے کر ڈالی۔ میرے ہاتھ اور چہرہ گرد سے بھر گئے۔ میں اس ان چاہی بیگار کے ہاتھوں سخت بدمزہ ہوئی۔

غسل خانے میں جا کر میں نے ہاتھ منہ دھویا' بالوں میں برش کیا اور چوبی سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچی تا کہ دیکھوں بڑی بی کیا کر رہی ہیں۔ وہ مجھے کچن میں پڑی ہوئی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر لنچ کا اہتمام کرتی ہوئی ملیں۔

''آؤ بیٹی میرا خیال ہے تمہاری بھوک تو خوب چمک اٹھی ہوگی۔''

مجھے بھوک کیا لگی تھی لیکن میں نے گرینی کی خاطر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہاں گرینی تم نے صحیح اندازہ لگایا ہے۔''

''تو پھر اپنی نشست سنبھالو اور ہو جاؤ شروع۔'' گرینی نے محبت سے کہا۔

میں نے اپنے لئے ایک سٹول گھسیٹ کر ٹیبل سے قریب کر لیا اور جیسے ہی میز پر نگاہ ڈالی جو تھوڑی بہت بھوک لگی تھی وہ بھی اڑ گئی۔

سادہ ڈبل روٹی کے ساتھ پنیر' خشک گوشت اور ابلے ہوئے آلو دیکھ کر مجھے بے اختیار ممی یاد آئیں۔ میرے حلق میں آنسو گھل گئے۔ وہ ہمارے لئے نت نئے کھانے بناتے نہیں تھکتی تھیں تا کہ ہم رغبت سے کھائیں۔ پھر بھی انہیں ہماری صحت کے بارے میں فکر لگی رہتی تھی۔

گرینی اپنی پلیٹ میں گوشت' پنیر اور آلوؤں سے کئی منزلہ سینڈوچ بنانے

لگی۔ میں نے بھی با دل نخواستہ ایک سلائس میں پنیر رکھ کر سیاہ کافی کے ساتھ اسے بمشکل نگلا۔ گرینی ہم جیسے مشرقی تکلفات کی قائل نہیں تھی۔ خیریت گزری کہ اس نے اصرار کر کے مجھے زیادہ کھانے پر مجبور نہیں کیا ورنہ اچھی خاصی مصیبت ہو جاتی۔ میں لنچ ختم کر کے اٹھنے لگی تو گرینی نے کہا۔

''ربطہ...... کیا تم فلپ سے ملنا پسند کرو گی۔''

''کون فلپ؟'' میں نے استفسار کیا۔

''اگر تم ملنا چاہو گی تو دیکھ سکو گی کہ وہ کون ہے؟'' گرینی نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

''میں جب تک یہاں ہوں گرینی اس گھر کی ایک فرد ہوں۔ مجھے تمہارے تمام ملاقاتیوں سے مل کر خوشی ہوگی۔'' میں نے فرخدالی سے جواب دیا۔

''آؤ......'' گرینی نے ایک ٹرے میں کھانے کے برتن جمائے اور کچن سے باہر آئی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس نے سٹنگ روم کے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولا اور ہم آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے جہاں دن کے وقت بھی ناکافی روشنی تھی۔

میں نے بیڈ کی طرف دیکھا گرینی جیسا ہی ایک بوڑھا بستر پر ساکت پڑا تھا۔ اس کی رال بہہ رہی تھی اور آنکھوں میں کوئی پہچان نہیں تھی۔ شاید اس کی پتلیوں میں حرکت کرنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ جب ہی تو ہماری موجودگی سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی نہ تو اس کے سر میں کوئی جنبش ہوئی نہ ہی اس کی آنکھوں نے ہماری جانب دیکھا۔ میں بے حد کبیدہ خاطر ہوئی اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکی۔

''ربطہ...... آؤ ناں یہاں...... فلپ سے ملو۔'' گرینی نے مجھے پکارا۔

میں بیڈ کے قریب پہنچی اور میں نے گرینی سے پوچھا۔ ''کیا یہ سن سکتے ہیں؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ یہی ایک حس تو اس کے پاس باقی بچی ہے تم اسے ہیلو کہہ سکتی ہو۔'' اس نے بتلایا۔

میں اس بے حس و حرکت انسانی جسم پر اس طرح جھکی کہ اس کی آنکھیں

مجھے دیکھ سکیں۔ ''ہیلو مسٹر فلپ...... میں ربطہ ہوں مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔''

ان آنکھوں میں خفیف سی حرکت کے ساتھ ایک مبہم سا جذبہ اترا۔ گویا اس نے میری بات سن لی تھی۔ گرینی اسے سوپ پلا رہی تھی جو بار بار اس کی باچھوں سے باہر بہہ جاتا تھا۔ میں انسان کی اس مجبوری اور بے بسی کو دیکھ کر کانپ گئی۔ میں نے پریشانی سے پوچھا۔

''انہیں کیا ہوا ہے گرینی؟''

''ایک خوفناک حادثے نے فلپ کو مجھ سے چھین لینا چاہا تھا لیکن میری محبتیں اسے موت کے منہ سے نکال لائی ہیں۔'' گرینی نے گلوگیر لہجے میں کہا اور جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ''لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لئے تو آج بھی فلپ میرے خوابوں کا شہزادہ ہے جسے میں نے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کیلئے چنا تھا۔ جب میں اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر باہر نکلتی تھی تو بستی کی لڑکیوں کی آنکھوں میں رشک و حسد کروٹیں لینے لگتا تھا۔''

''گرینی میں نے ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی آپ کی شادی کی تصویر دیکھی ہے میں اس سے اندازہ لگا سکتی ہوں کہ آپ درست کہہ رہی ہیں۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

گرینی کے چہرے پر تازگی چھا گئی۔ وہ فلپ کی طرف یوں محبت پاش نگاہوں سے دیکھنے لگی جیسے ماضی کے رنگین دریچے میں جھانک رہی ہو۔ مجھے اس پر بہت ترس آیا۔ تنہائی اور دکھ کی ماری ہوئی گرینی کیلئے خوشگوار ماضی ہی ایک ایسا دریچہ تھا جہاں سے اسے تازہ ہوا آتی تھی۔ جو اس گھٹن سے بھرے ہوئے ماحول میں اسے زندہ رکھے ہوئے تھی۔

مجھے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں ہر طرح کے مریضوں سے سابقہ رہا تھا لیکن اس سسکتے ہوئے انسان کو دیکھ کر نہ جانے کیوں میں شدید طور پر پریشان ہوگئی۔ جو نہ زندوں میں تھا نہ مردوں میں۔ مجھے وہاں کچھ دیر رہنا بھی محال ہوگیا۔

''گرینی...... میں ذرا اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' میں نے کچھ جھک کر

کہا۔

''ہاں سویٹی جاؤ...... میں جانتی ہوں کہ فلپ کی حالت نے تمہیں بہت پریشان کر دیا ہے۔ تم ایک ہمدرد دل رکھتی ہو میری بچی۔'' گرینی نے شفقت سے کہا۔

''ہاں گرینی میں کچھ پریشان ہوگئی ہوں لیکن جلد ہی میں مسٹر فلپ سے باتیں کر کے ان کا دل بہلاؤں گی۔'' میں نے اپنی شرمندگی مٹانے کو کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ جہاں زندگی اس طرح ساکت ہوگئی تھی کہ اسے دیکھ کر آنکھیں پتھرا جاتی تھیں۔

میں اپنے آپ میں کھوئی ہوئی لکڑی کی سیڑھیاں طے کر کے اپنے کمرے میں پہنچی اور بستر پر دراز ہو کر بھول بھلیوں ایسی سوچوں میں بھٹک کر رہ گئی۔ حالات میرے وجود کے گرد ریشم کے دھاگے بن کر لپٹ گئے تھے۔ ان سے رہائی پانا ممکن نہیں رہا تھا۔ مجھے ممی کی یاد آئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے لئے کتنی پریشان ہوں گی۔ افق بھی ان پریشانیوں میں حصہ دار ہوگا۔ وہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا لیکن تقدیر مجھے اس کی پہنچ سے بہت دور لے آئی تھی۔

غزالی کی محبتوں نے میرے سارے رشتے توڑ دیئے تھے۔ میں اس چار دیواری میں مقید ہو کر اپنے پیاروں کے بارے میں صرف سوچ ہی سکتی تھی کسی تک رسائی حاصل کرنا اب میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ میرے دل کو کسی طور قرار نہیں تھا۔ میرا دھیان غزالی میں ہی لگا ہوا تھا۔ ایک موہوم سا انتظار میرے اندر انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا تھا۔ دروازے پر ہونے والی آہٹیں مجھے بار بار اپنی جانب متوجہ کر لیتی تھیں۔ لمحہ لمحہ بھاری ہوگیا تھا۔ اس سنسان گھر کی ویرانی میرے دل میں اترنے لگی تھی۔

میں نے خود کو مصروف رکھنے کیلئے گرینی کے کپڑے پہنے اور اپنے کپڑے دھو کر سوکھنے کیلئے پھیلا دیئے۔ کپڑے استری کرنے اور نہانے دھونے میں دوپہر سے شام ہوگئی لیکن نہ غزالی کی آہٹ دروازے پر سنائی دی نہ اس کے گھمائے ہوئے ڈائل نے میرے لئے فون پر کوئی گھنٹی ہی دی۔

گرینی میرے لئے کافی میرے کمرے میں ہی لے آئی اور کچھ دیر بیٹھی مجھ

سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی لیکن میرا ذہن حاضر نہیں تھا۔ میں مسلسل الجھی ہوئی سی رہی اور اس کی باتوں کے بہت مختصر سے جواب دیئے۔ شام سے رات ہو گئی۔ میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ گرینی نے خشک دودھ کو گرم پانی میں گھول کر اس سے ایک بڑا مگ بھرا اور سبزی کے سینڈوچز کے ساتھ میرے سامنے لا رکھا۔ میرا دل پہلے ہی اوب رہا تھا پاؤڈر دودھ کو اس کی ناگوار بو سمیت اپنے اندر انڈیلنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔

"گرینی...... مجھے دودھ پینا پسند نہیں ہے۔" میں نے جان چھڑانے کو کہا۔

"لاؤ میں تمہیں اس میں اولٹین یا چاکلیٹ ڈال دوں جو تم پسند کرو۔" گرینی نے متواضع لہجے میں کہا اور اٹھ کر شیلف پر سے اولٹین کا ڈبہ اتارنے لگی۔

میں نے جلدی سے اٹھ کر اسے روکا۔ "شکریہ گرینی لیکن میں اس وقت صرف سینڈوچ لوں گی۔"

گرینی نے میرا رخسار تھپتھپایا۔ "پیاری جدائی کی اس آگ میں اپنا آپ خاکستر مت کر۔"

میں نے آنسوؤں کو اپنی آنکھوں میں آ جانے سے بمشکل روکا اور گرینی کے بنائے ہوئے سبزی کے سینڈوچ کو چھری اور کانٹے کی مدد سے تھوڑا تھوڑا کر کے نگلنے لگی۔

تنہائی اور خاموشی کی ستائی ہوئی گرینی کو مدتوں بعد کوئی ہم سخن ملا تھا۔ وہ خوب موڈ میں تھی اور اپنی خاموشیوں کی تلافی مسلسل گفتگو سے کر رہی تھی۔ جس میں سے کچھ بھی میرے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ ہاں اس طرح کچھ وقت ضرور گزر گیا اور رات گہری ہو گئی۔

میں ذہنی اور جسمانی طور پر بڑی تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی۔ کچھ نیند بھی آنے لگی تھی۔ خدا خدا کر کے گرینی کو بھی احساس ہوا کہ اس کی گفتگو ضرورت سے زیادہ طویل ہو چلی ہے تو وہ اٹھی۔ "ربطہ تم بھی کہتی ہو گی کہ گرینی نے تو میرا دماغ ہی کھا لیا ہے بول بول کر۔"

"نہیں...... نہیں گرینی آپ کی باتوں نے تو میرے وقت کو خوشگوار بنا ا

ہے۔" میں نے تکلفاً کہا۔

"چلو اب تم جا کر سو رہو تمہاری خوبصورت آنکھوں میں نیند اتر رہی ہے۔"

اس نے پیار سے مجھے شب بخیر کہا اور فلیپ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

اب میں تھی، وہ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا کمرہ اور طویل رات۔ بے سکونی اور وسوسوں سے بھری ہوئی...... میں نیند کی چاہ میں بستر پر دراز ہو گئی کہ کچھ دیر کیلئے ہی سہی ان پر آشوب حالات سے آنکھیں تو بند کر سکوں لیکن میری آنکھیں نیند کیلئے ترستی ہی رہیں۔ مجھے یہ فکر کھائے جاتی تھی کہ غزالی نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔ نہ جانے وہ کہاں تھا اور اس پر کیا گزر رہی تھی۔ میں بہت دیر تک اپنی پریشان کن سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہی۔ پھر آہستہ آہستہ میری پلکیں بوجھل ہوئیں اور میں نیند کی وادی میں اتر گئی۔

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا کہ اچانک کھٹکے سے میری آنکھ کھلی۔ میں نے پلکیں جھپک کر غور سے دیکھا اور پہلا خیال میرے ذہن میں یہی آیا کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں میں نے سر جھٹک کر خود کو ہوشیار کیا اور پوری طرح آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی۔ میں لرز گئی کھڑکی میں گھنے گھنگھریالے بالوں والے ایک سیاہ فام کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ "لڑکی خبردار...... چیخنا مت...... میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

اس سے پہلے کہ میرے ہونٹوں سے چیخ نکلتی وہ دبی زبان میں بولا۔ میں وہیں چپ کی چپ ہو کر خوفزدہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ نہ جانے وہ کون تھا اور کس ارادے سے اس گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

وہ آہستگی کے ساتھ کھڑکی پر چڑھا اور کمرے میں کود گیا۔ وہ لمبا تڑنگا نیگرو سیاہ پتلون اور سیاہ قمیض پہنے ہوئے رات کا ہی ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے کمبل اپنے گرد لپیٹتے ہوئے مضبوط لہجے میں ہمت کر کے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

"یہی بات میں تم سے پوچھنے والا تھا کہ تم کون ہو؟" وہ خوش مزاجی سے کہنے لگا۔

''تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟'' میں نے ناگواری سے کہا۔

وہ ہنسا ''لوتم نے پھر ایسی بات پوچھی ہے جو مجھے بھی پوچھنی ہے۔'' اس کا لہجہ دوستانہ تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے درشتی سے کہا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ تم پھر آرام سے سو جاؤ میں ذرا نیچے جا رہا ہوں۔''

اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ ''گڈ نائٹ اینڈ سویٹ ڈریمز۔''

مجھے حیرت ہوئی میں بے حد پریشان ہوئی میں نے اخباروں میں اس طرح کے وارداتوں کے بارے میں کئی بار پڑھا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ بوڑھی گرینی اس کے ہاتھوں لٹ جائے۔ اس کے پاس تھا ہی کیا جو اس نیگرو کا لالچ مٹا سکتا۔ میں نے جرأت سے کام لے کر اسے ٹوکا۔ ''تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ ورنہ میں شور مچا دوں گی۔''

وہ چلتے چلتے رک گیا اور میری طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے اس نے اپنا چوڑا چکلا آبنوسی ہاتھ لہرایا۔ ''یہ میرا ہاتھ دیکھا ہے تم نے لڑکی...... یہ تمہارے ننھے سے منہ سے بہت بڑا ہے۔ تم شور مچاؤ گی تو میں تمہارا منہ بند کر دوں گا۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

اس کے رویئے نے میری ہمت بندھائی۔ ''اگر تم میں ذرا سی بھی انسانیت ہے تو تم واپس چلے جاؤ یہاں اس گھر میں لوٹنے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔''

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ ''میں تمہیں شکل سے لٹیرا نظر آتا ہوں؟''

''جس راستے سے تم آئے ہو اس سے تو ایسے ہی مشکوک لوگ آتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم اطمینان رکھو۔ میں لٹیرا نہیں ہوں۔ اگر میرے ارادے کسی کو لوٹنے کے ہوتے تو تم۔'' اس نے شرارت سے آنکھ دبا کر اپنی ادھوری بات کا مفہوم واضح کیا۔

اس کی بے باک نظروں نے مجھے محجوب کر دیا۔ میں نے غیر ارادی طور پر خود میں سمٹتے ہوئے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''فضول باتیں نہ کرو اور واپس چلے جاؤ۔''

''میں واپس جانے کیلئے تو نہیں آیا'' وہ مسکرایا۔ ''تم آرام سے سو جاؤ۔

میں نیچے جاتا ہوں۔'' اس نے چونک کر ابرو اچکائے۔ ''یہ کون ذات شریف ہیں؟''

''بس اب زیادہ پراسرار بننے کی کوشش نہ کرو۔ تم یقیناً انہی دونوں میں سے کوئی ایک ہو۔''

مجھے اب یقین ہو چکا تھا کہ وہ گرینی کے پوتوں میں سے ہے جن کا اسے ہر وقت انتظار رہتا ہے۔ وہ سٹپٹایا۔ ''اچھا! بفرض محال میں وہی ہوں...... تو پھر؟''

''پھر یہ کہ اگر تم واقعی ڈینی یا رسل ہو تو مجھے تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میری خوش قسمتی۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''کہ ایک خوبصورت لڑکی مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔''

''میں گرینی کی وجہ سے خوش ہوں۔ وہ تم لوگوں کا ہر وقت انتظار کرتی رہتی ہے۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ دروازے پر لگی رہتی ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔

''تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔ چلو میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میں رسل ہوں۔'' وہ بولا۔

''کیا میں تمہارے بارے میں جان سکتا ہوں کہ تم کون ہو؟ صورت سے تو تم غیر ملکی لگتی ہو۔ ویسے یہ بھی بتاؤ کہ تمہارے ملک میں ساری لڑکیاں اتنی ہی خوبصورت ہیں؟''

میں اس کی گہری نگاہوں سے کچھ پریشان سی ہوئی اور اسے ٹالنے کو میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں گرینی کی مہمان ہوں اور بس۔''

''ہوں!'' اس نے مزاحیہ سے انداز میں ہوں کی۔ ''اور اب تم کچھ پراسرار بننے کی کوشش نہیں کر رہیں۔''

''اب تم جلدی سے جا کر گرینی کو سرپرائز دو ناں۔'' میں نے اس سے جان چھڑانا چاہی۔

''میں اس وقت ماما کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔ میں صبح ان سے ملوں گا۔'' اس نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے اس کی سرد مہری پر حیرت ہوئی۔ لیکن میں چپ رہی۔

اس نے چلنے کی ٹھانی۔ "مجھے افسوس ہے میں نے تمہاری نیند خراب کی۔" وہ دو قدم چل کر میرے بیڈ کے قریب آیا اور میری آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ "لیکن اس کے بغیر میں وہ نظارہ نہیں دیکھ سکتا تھا جو کچی نیند سے اٹھنے پر تمہاری بہت خوبصورت آنکھوں میں بھر گیا ہے۔"

مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ میں محجوب بھی ہوئی اور مجھے غصہ بھی آیا لیکن میں جانتی تھی کہ یہ ان لوگوں کی روایت کا حصہ ہے۔ میں نے جلدی سے اسے گڈ نائٹ کیا اور یوں ظاہر کیا جیسے سونے کیلئے لیٹنا چاہتی ہوں۔

"گڈ نائٹ" وہ بھی جواباً بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ مجھے اس کے سیڑھیوں سے اترنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔

میری آنکھ پھر کھل گئی۔ نیند نے جن تفکرات کو وقتی طور پر مجھ سے دور کر دیا تھا انہوں نے پھر سے مجھے گھیر لیا۔ نت نئے ڈراؤنے چہرے مجھے دہلانے لگے۔ میرا تصور وسوسوں کی ہولناک وادیوں میں پرواز کرنے لگا اور میں مستقبل میں چھپے ہوئے متوقع اندیشوں سے لرزنے لگی۔ نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ میں بیدار ہوئی تو صبح کے 9 بج رہے تھے۔

لکڑی کی چھت کے درمیان بنے ہوئے جھرنا نما روشندانوں میں سے دن کی روشنی جھانک رہی تھی۔ وہاں ہمارے ملک کی طرح گرم اور روشن سورج طلوع نہیں ہوتا نہ ہی آسمان کا ایسا گہرا نیلا رنگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ بس ایک بجھی بجھی سی دھندلی روشنی کہر اور بادلوں کا سینہ چیر کر نیچے اتر آتی ہے تو نئے دن کا علان ہو جاتا ہے۔

گھر کے نچلے حصے سے گرینی کی بلند آواز میں باتیں کرنے اور رسل کے قہقہوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ گرینی اپنے پوتے سے مل چکی تھی اور یہ نرالا دن اس کیلئے خوشیاں لے کر طلوع ہوا تھا۔

میں بھی نیچے اتری اور میں نے باورچی خانے میں جھانکا۔ گرینی چولہے کے قریب کھڑی اوون سے کچھ نکال رہی تھی اور رسل ٹانگیں پسارے ایک اسٹول پر بیٹھا شاید ناشتہ تیار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہیلو گرینی! صبح بخیر۔" میں نے اسے متوجہ کرنے کو کہا۔

گرینی نے بیکنگ ٹرے نکال کر باہر رکھی اور ہاتھ پر سے دستانہ اتارتے ہوئے میری طرف لپکی۔

"اوہ میری گڑیا! تم کتنی خوش قدم ہو میری جان۔ تمہارے آنے سے میرا رسل بھی لوٹ آیا ہے۔ تم بڑی نصیب والی مبارک بچی ہو۔" اس نے مجھے شانوں سے تھام کر میرے رخساروں پر محبت سے بوسے دیئے۔

وہ میرا بازو تھامے ہوئے رسل تک آئی۔ وہ تعظیماً کھڑا ہوا اور دلچسپی سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھو' اس سے ملو' یہ میرا شریر جن ہے۔" گرینی نے محبت اور فخر سے اس کے 6 فٹ سے بھی نکلتے ہوئے قد کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں گرینی! میں نے اس جن کو رات کھڑکی میں سے نمودار ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

گرینی اور رسل نے قہقہہ لگایا۔ "یہ شروع سے ہی ایسا ہے۔ اسے کھڑکیوں اور روشندانوں سے گھروں میں داخل ہونے کا بہت شوق ہے۔ میں کہتی ہوں کسی طرف سے بھی آئے آئے تو سہی ناں۔ اپنی بوڑھی گرینی کو شادکام کرنے کیلئے۔"

"گرینی! تمہاری اس خوبصورت پری نے مجھے نہ اپنا نام بتایا' نہ تعارف کیا' کرایا۔" رسل نے گرینی سے شکوہ کیا۔

گرینی آج بات بات پر ہنس رہی تھی۔ "ارے پریاں بھی کہیں اپنا نام بتایا کرتی ہیں۔"

میں نے موضوع بدلنے کو کہا۔ "گرینی آج تو آپ بہت مصروف نظر آ رہی ہیں۔ کچھ مجھے بھی تو بتائیں۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

"او میری جان! بس تم اتنا کرو کہ ناشتے کی میز پر بیٹھ جاؤ اور دیکھو آج میں نے ناشتے میں اپنے ہاتھ سے کیا کیا بنایا ہے؟" گرینی نے مسرت سے معمور لہجے میں کہا اور چولہے کی طرف بڑھ گئی۔

میں میز پر اس جن ایسے 6 فٹ حبشی کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے گرینی کے قریب پہنچی اور خوش اخلاقی سے کہا۔

"گرینی! اگر آپ پسند کریں تو میں برتن نکالوں۔"

"ہاں بیٹی! شوق سے اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو۔" گرینی نے جواب دیا۔

میں برتنوں کی الماری کی طرف بڑھی تو میں نے دیکھا کہ رسل بھی اٹھ کر اسی طرف چلا آیا اور الماری کا ایک پٹ تھام کر بولا۔ "کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟"

"نہیں' شکریہ!" میں کچھ جھجک گئی۔

"اوں ہوں! مدد لینے سے کبھی انکار نہیں کرتے۔" اس نے خوشدلی سے کہا اور میرے ہاتھ سے کوارٹر پلیٹیں لیتے ہوئے بولا۔

"تم برتن نکالو' میں انہیں میز پر سجاتا ہوں۔"

اب انکار کی گنجائش نہیں تھی اور پھر یہاں کون سی لمبی چوڑی کراکری نکالنی تھی۔ ہم تینوں کیلئے تھوڑے سے برتن ہی کافی تھے۔

ناشتے کی میز سج گئی۔ گرینی نے آج بہت اہتمام کیا تھا۔ ڈبل روٹی اور مکھن جیسے روکھے پھیکے ناشتے کے بجائے آج اس نے کئی طرح کے بسکٹ' کیک' دلیہ' پڈنگ' جوس بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جو ان کے خاص مواقع کی روایت تھیں۔

رسل بے تکلفی سے کھانے میں جٹ گیا۔ میں نے صرف چند چیزیں چکھیں اور جوس کا گلاس گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

گرینی کی تو جیسے عید ہو گئی تھی۔ اس کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔ اس کی ہر ہر حرکت ہر ہر لفظ سے اس کے اندر کی خوشی چھلکی پڑتی تھی۔ وہ رسل پر اپنی ترپتی مامتا نچھاور کرتے نہیں تھکتی تھی اور وقفے وقفے سے فلپ کے کمرے میں جا کر اسے بھی اپنے جذبوں میں شریک رکھتی تھی۔

رسل بھی خوش تھا اور اپنی دادی کی محبتوں سے جی بھر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ خاصا باتونی اور شگفتہ طبع تھا۔ اس کی وجہ سے میرا وقت بھی اچھا کٹ جاتا تھا ورنہ پریشانی نے مجھے کھا لیا تھا۔ غزالی کا کچھ پتہ نہیں تھا اور نہ ہی خود اس نے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں کسی نابینا کی طرح دھندلے لمحوں میں جی رہی تھی۔

رسل کو گھر آئے دوسرا دن تھا کہ سہ پہر کی چائے پیتے ہوئے وہ مجھ سے بولا۔

"کیا تم ہماری تھوڑی سی مدد کرو گی؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔ بہت خوشی سے۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"میں نے گرینڈ پا کے معائنے کیلئے ایک بہت قابل ڈاکٹر سے وقت لیا ہے۔ کہیں 6 مہینے بعد کی تو وہ ڈیٹ دیتا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس نے ہمیں وقت دے دیا ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں گرینڈ پا کو اس کے پاس لے جانے والا ہوں۔ تمہیں ان کی مخدوش حالت کی تو خبر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ چلو۔ راستے میں ان کی خبر گیری ہوتی رہے گی۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم ایک قابل نرس ہو۔" اس نے وضاحت کی۔

میں پریشان ہوئی۔ غزالی نے مجھے باہر نکلنے سے منع کیا تھا لیکن ان لوگوں کی بات ٹالنا بھی خلاف تہذیب لگتا تھا۔ میں نے کچھ پس و پیش کا انداز اختیار کیا۔

"رسل! میں تمہارے ساتھ ضرور چلتی لیکن!!!"

"لیکن! لیکن کیا؟؟" اس نے پوچھا۔

میں قدرے اٹکی۔ "میں تمہاری مدد ضرور کرتی لیکن میں اپنی ہی آفتوں میں گھری ہوئی ہوں۔ دراصل میرے لئے باہر خطرہ ہے۔"

"خطرہ؟ کیسا خطرہ؟؟" وہ چوکنا ہو کر پوچھنے لگا۔

"میں تمہیں اس کی تفصیل نہیں بتا سکتی۔ بس تم اتنا سمجھ لو کہ میرے شوہر نے مجھے اس گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا ہے۔" میں نے اسے آسان لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہارا شوہر؟؟؟" اس کو حیرت ہوئی۔

"کیا تم شادی شدہ ہو؟"

"ہاں!!!" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن تمہاری انگلی میں کوئی انگوٹھی وغیرہ تو نہیں ہے۔" وہ بے یقینی سے کہنے

"ہمارے یہاں انگوٹھی پہننا ضروری نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہاں سے ہم بند گاڑی میں جائیں گے۔ وہاں ڈاکٹر سے وقت طے ہے۔ وہ جیسے ہی ہمیں فارغ کرے گا ہم سیدھے گھر آ جائیں گے۔"

"لیکن میرے لئے جانا شاید ممکن نہ ہو۔ میرا شوہر کسی بھی وقت واپس آ سکتا ہے۔ مجھے لینے کیلئے اگر میں موجود نہ ہوئی تو اسے بہت پریشانی ہوگی۔" میں نے عذر پیش کیا۔

"اگر گرینی جا سکتی تو میں تمہیں یہ زحمت ہرگز نہ دیتا مگر وہ جا نہیں سکتی کیونکہ ہمیں کسی ایسے انسان کی ضرورت ہے جو راستے میں گرینڈ پاپا کا خیال رکھ سکے تاکہ سفر کی تکلیف اس پر ناخوشگوار اثر مرتب نہ کرے۔" اس کے انداز میں لجاجت تھی۔

"مگر!!!" میں کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کے ساتھ جاؤں یا نہ جاؤں۔

"مگر یہ کہ میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں تمہارے لئے ہر خطرے کا مقابلہ کروں گا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

گرینی بھی کچن میں چلی گئی اور رسل سے بولی۔

"کیوں ڈارلنگ! اگر میں ہی فلپ کے ساتھ چلی چلوں تو کیا حرج ہے؟"

"نہیں گرینی! تمہاری مہمان ہمارے ساتھ جائے گی۔ اگر راستے میں پاپا کی طبیعت کہیں بگڑی تو یہ انہیں سنبھال لے گی۔ راستہ کچھ طویل ہے۔ شہر کے مشرقی کونے میں تو اس ڈاکٹر کا کلینک ہے۔" رسل نے اس طرح فوراً ہی کہہ دیا کہ میرے انکار کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

گرینی میرے قریب آئی۔ "کیوں میری ننھی گڑیا! کیا تم جاؤ گی؟"

میں نے مجبوراً اثبات میں سر ہلایا۔ "بیٹی! فلپ کا بہت خیال رکھنا۔ وہ اب تمام تر ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ اپنے دکھ، تکلیف اور کسی جذبے کا اظہار نہیں کر سکتا۔ تم اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا۔" گرینی نے تاکید کی۔

"میں پوری کوشش کروں گی گرینی!" میں نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔

رسل نے گھڑی دیکھی۔ "میرا خیال ہے، میں ایمبولینس کا بندوبست

ہوں۔" میں وہیں چپ کی چپ بیٹھی رہ گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں ایمبولینس دروازے پر آن کھڑی ہوئی۔ رسل نے اس کے ڈرائیور کے ساتھ مل کر فلپ کو اسٹریچر پر منتقل کیا۔ گرینی ہمارے ساتھ ساتھ تھی اور بار بار مجھے اس کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہی تھی۔ ڈرائیور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تو رسل نے گرینی کو الوداع کیا۔ وہ اپنا کانپتا وجود لے کر جھکی، فلپ کی پیشانی کو اپنے ہونٹوں سے چھوا اور گاڑی سے باہر نکل گئی۔ وہ اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ رسل ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں پچھلے حصے میں اسٹریچر کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ بوڑھا فلپ بے سدھ پڑا تھا۔ کبھی کبھی اس کی پلکوں میں خفیف سی جنبش ہوتی تھی۔ اس کی نبض ٹھیک چل رہی تھی۔ سانس کی آمد و رفت بھی حسب معمول تھی۔

بھول بھلیوں ایسی گلیوں میں گاڑی چلانا دشوار تھا لیکن ڈرائیور ماہر معلوم ہوتا تھا۔ وہ جلد ہی کھلی سڑک پر نکل آیا اور گاڑی رش سے بھری ہوئی سڑک کا ایک حصہ بن کر دوڑتی جا رہی تھی۔ رسل نے دو ایک بار پیچھے مڑ کر میری طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اطمینان دلایا کہ مجھے متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔

اگلا تقریباً پون گھنٹہ ہم یوں ہی سفر میں رہے۔ پھر گاڑی ایک پرانی طرز کی عمارت میں داخل ہوئی۔ میرے لئے یہ جگہ جانی پہچانی نہیں تھی۔ میں نے اس کا اتہ پتہ معلوم کرنے کیلئے ادھر ادھر غور سے دیکھا تاکہ کسی سائن بورڈ پر علاقے کا نام تلاش کر سکوں لیکن اس عمارت پر کوئی بورڈ لگا ہوا نہیں تھا۔ گاڑی رکی تو میں نے رسل سے پوچھا۔

"رسل! کیا یہی کلینک ہے؟"

"ہاں!" اس نے مختصر سا جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اس نے ڈرائیور کے ساتھ مل کر فلپ کا اسٹریچر باہر نکالا۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکلی اور ان کے ساتھ ساتھ ہی چلتی ہوئی اس عمارت کے اندر داخل ہوئی۔

سلیقے سے آراستہ ہال کمرے میں سے ہوتے ہوئے ہم ایک اور کمرے میں پہنچے۔ ان دونوں نے فلپ کو اسٹریچر پر سے پلنگ پر منتقل کر دیا۔ ڈرائیور اسٹریچر لے کر

باہر نکل گیا تو میں نے پھر رسل سے پوچھا۔

''رسل! کیا یہی کلینک ہے؟''

''ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو۔'' وہ مسکرا کر میری طرف پلٹا۔ ''اچھا پہلے یہ تو دیکھ کر بتاؤ کہ گرینڈ پا ٹھیک ٹھاک تو ہیں ناں۔ سفر ان کیلئے ناخوشگوار تو نہیں رہا۔''

میں نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر فلپ کی نبض وغیرہ دیکھی' وہ نارمل تھا۔ دروازہ کھلا اور ڈرائیور نے اندر جھانکا۔

''بہت خوب' تم لے آئے۔'' رسل اس کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ سے پولی تھین کا بیگ لے لیا۔

''مسٹر فلپ کی حالت نارمل ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''ونڈرفل!!!'' وہ بولا اور اس نے بیگ میں سے کچھ کپڑے نکالے۔ ''دیکھو' تم جلدی سے جا کر باتھ روم میں یہ کپڑے پہن لو۔ تمہارے کپڑے کچھ بہت رف سے ہو رہے ہیں۔''

''مگر کیوں؟'' میں نے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ وہ نرسوں کی یونیفارم تھی۔

''پھر کیوں؟'' وہ ہنسا۔ ''بھئی ہر وقت کیوں کیوں کی رٹ نہ لگایا کرو۔ تم جیسی پیاری پیاری گڑیا بولتی کب ہے؟''

''اوہو! مجھے یونیفارم تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے الجھ کر کہا۔

''ضرورت ہے ناں میری جان! میں جو کہہ رہا ہوں کہ اس گندی اور پرانی یونیفارم کو بدل ڈالو۔'' اس نے یونیفارم میرے کندھے پر ڈال دی۔

''لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تم مسٹر فلپ کو ڈاکٹر کو دکھانے جا رہے ہو'' میں نے جرح کی۔

''ڈاکٹر کو بھی دکھا لیں گے۔ پہلے ہماری یہ خوبصورت نرس تو یونیفارم پہن کر تیار ہو جائے۔'' وہ شگفتگی سے کہنے لگا۔

''یہ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو تم رسل! مجھے صاف صاف بتاؤ کہ اصل معاملہ کیا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

اس نے میری بات کے جواب میں مجھے بازو سے پکڑ کر باتھ روم میں دھکیل دیا۔ اس کے انداز میں جو سختی اور آنکھوں میں جو سنجیدگی اتر آئی تھی اس نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ میری چھٹی حس بار بار میرے اندر سنسنی کی لہر سی دوڑانے لگی۔

کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور تھی۔ نجانے کیا ہونے والا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ آ کر جو غلطی کی تھی اب اس کی تلافی ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں بند دروازے کے ساتھ لگی کانپتی رہی اور میری آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

رسل نے دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا تو میں دھک سے رہ گئی۔ وہ مجھ سے غافل نہیں تھا۔ اس وقت اس کی بات مان لینے کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ میں نے بادل نخواستہ وہ یونیفارم پہنی۔ تب تک رسل نے پھر ایک بار دروازے پر زور سے دستک دے ڈالی۔ میں سہمے ہوئے دل کے ساتھ باہر آئی تو رسل میرا ہی منتظر تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا اور جھک کر اس پر بوسہ دیا۔ میں نے ناگواری سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

میری نگاہ فلپ کے بیڈ کی طرف گئی۔ قریب ہی سفید اوورآل پہنے' جیب میں اسٹیتھکوپ رکھے ڈاکٹر کھڑا تھا۔ میری آہٹ سن کر وہ پلٹا۔ میری نگاہ اس کے چہرے پر پڑی۔ میری روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔ میرے ہونٹوں نے بیتابی سے اس کا نام لیا اور میں والہانہ اشتیاق سے اس کی طرف بڑھی۔

''غزالی!!!'' جذبات کی شدت سے میرا گلا رندھ گیا۔ میں اس کی طرف لپکتی چلی گئی۔

''اوہ غزالی! مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ کہیں یہ خواب تو نہیں ہے۔ شکر ہے کہ تم یہاں ہو۔ ورنہ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔'' میں بے ساختہ اس کے بازو سے لگ گئی۔

غزالی نے کچھ جانی کچھ انجانی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میرے بالوں کو تھپتھپا کر بولا۔ ''کیسی ہو تم؟'' اس کے لہجے میں گرمجوشی مفقود تھی۔

مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ کچھ چھپانا چاہتا ہے یا میرے یہاں چلے آنے پر برہم ہے۔ میں نے ایک محتاط سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور بڑے لگاؤ سے پوچھا۔

"تم کیسے ہو غزالی! میں تو تمہارے لئے بہت پریشان تھی۔"

"دیکھ لو ٹھیک ٹھاک ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔" وہ اب ہنس رہا تھا۔ میں اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ مطمئن ہے یا اداکاری کر رہا ہے۔ میں ایک لمحے میں اس سے سب کچھ پوچھ لینا چاہتی تھی لیکن رسل کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں تھا۔

"تو یہ ہے تمہارا شوہر۔" رسل نے بھی دخل دیا۔

میں نے تفاخر سے ایک نگاہ غزالی کے اونچے لمبے سراپے پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے اس پاجی شخص سے حسد ہونے لگا ہے۔" رسل نے مصنوعی غصے سے دانت پیسے۔

"اپنے ہوش میں رہنا مسٹر۔ میں اس قسم کی بیماریوں کا علاج کرنا خوب اچھی طرح سے جانتا ہوں۔" غزالی نے مزاحیہ انداز میں اسے دھمکی دی۔

"ایسا حسین چہرہ دیکھ کر بھلا کون ہوش میں رہ سکتا ہے۔" رسل نے پاجی پن سے آنکھ دبائی۔

مجھے اس کی میلی نظر اور بدصورت ادا پسند نہیں آئی۔ میں نے غزالی کی طرف دیکھا کہ شاید وہ کسی ردعمل کا اظہار کرے لیکن وہ بھی اس کی چھیڑ چھاڑ میں شریک تھا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو رسل، ہوش میں رہنا مشکل ہے، بہت مشکل!!!"

میں لڑکھڑائی اور ناپسندیدگی سے پیچھے ہٹ گئی۔ صرف اس کی سانس میرے رخسار سے چھو سکی۔ مجھے غزالی کا رویہ اجنبی اجنبی سا لگا۔ مجھے حیرت ہوئی، غصہ بھی آیا۔ میری برہم نگاہیں پہچان کر وہ جیسے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "معاف کرنا ریطہ! میں کچھ جذباتی سا ہو گیا تھا۔"

مجھے اس کا لہجہ بھی کچھ اوپرا سا لگا۔ میں نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ، اس کے خدوخال، اس کا سراپا۔ وہ ہر پہلو سے غزالی ہی تھا لیکن اس کا رویہ، اس کے ہنسنے کا انداز، اس کے لہجے کی بے باکی میرے سارے وجود میں

سوال بن کر ہلچل مچا رہی تھی کہ کیا وہ واقعی غزالی ہے یا اس کے روپ میں کوئی فریب؟ میرے سارے جسم میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں بڑے غیرمحسوس انداز میں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لینے لگی۔ وہ بھی وقفے وقفے سے میری طرف گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں وہ ہم آہنگی اور احترام نہیں تھا جو غزالی کی آنکھوں کی خوبصورتی تھی۔

رسل نے ایک بے باک قہقہہ لگایا۔ "تم بھی خوب ہو۔ اپنی بیوی کے ساتھ جذباتی ہونے پر بھی تمہیں معذرت کرنی پڑتی ہے۔"

غزالی بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گیا اور شانے اچکا کر بولا۔ "دیکھ لو ایسا ہی ہے۔"

میں نے موضوع بدلنے کو کہا۔ "رسل! وہ ڈاکٹر کہاں ہے جو مسٹر فلپ کو دیکھنے والا تھا؟"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے گڑیا! تم خوامخواہ اپنے ننھے منے دماغ کو خرچ مت کرو۔" رسل نے دانت نکالے۔

"میں الجھ گئی' مجھے کچھ شک سا ہو رہا ہے۔ آخر تم بتاتے کیوں نہیں ہو کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بھئی میں تمہارا پابند تو نہیں ہوں ناں کہ تم جو اناپ شناپ بولو میں اس کا جواب دینے بیٹھ جاؤں۔" اس نے ہنستے ہوئے غزالی کو آنکھ ماری۔

غزالی یوں مسکراتا رہا جیسے اس کی باتوں سے محظوظ ہو رہا ہو لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

میں بھنا گئی۔ "آخر وہ ڈاکٹر کہاں ہے جس سے تم نے وقت لیا تھا؟"

"تمہیں یہ 6 فٹ کا ڈاکٹر نظر نہیں آ رہا۔ کہیں تمہاری نظر تو خراب نہیں؟" اس نے غزالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے چھیڑا۔

غزالی مسکرایا۔ "تم فکر نہ کرو ریطہ! یہ تو یونہی مذاق کر رہا ہے۔ ویسے مسٹر فلپ کو ڈاکٹروں کا ایک بورڈ دیکھنے والا ہے۔"

مجھے غزالی پر بھی اعتبار نہیں آیا۔ میرا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ کچھ بھی واضح نہیں

تھا۔ میں غزالی کے ساتھ کھل کر بات کرنا چاہتی تھی لیکن رسل کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ میں نے کئی بار نگاہوں میں استفہام لے کر اس کی طرف دیکھا کہ شاید وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی چھپا ہوا اشارہ ہی کر دے جس سے میری تشفی ہو جائے لیکن اس کی نگاہیں ہر مفہوم سے خالی تھیں۔ کچھ کہنا لاحاصل تھا۔ میں قریب پڑی ہوئی کرسی پر چپ چاپ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ غزالی بدلا بدلا سا کیوں نظر آتا ہے۔ کہیں وہ رسل کی وجہ سے اداکاری تو نہیں کر رہا۔ اس کا رویہ نامانوس اور اجنبی تھا۔ وہ پراسرار ماحول میرے لئے ایک معمہ سا بنتا جا رہا تھا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ڈرائیور کا صرف چہرہ ہی اندر دکھائی دیا۔

''وہ آ رہے ہیں۔'' اس نے تیزی سے کہا اور اتنی ہی تیزی سے اس کا چہرہ غائب ہو گیا۔

رسل اٹھ کر کھڑا ہوا اور غزالی نے جیب سے اسٹیتھی کوپ نکال کر گلے میں ڈال لی۔ رسل نے مجھے مخاطب کیا۔

''سنو! ان لوگوں کے سامنے کوئی غیر متعلق بات نہیں کرو گی۔ اگر وہ خود تم سے کچھ پوچھ لیں تو تمہارا جواب ''یس'' اور ''نو'' تک ہی محدود ہونا چاہیے۔'' اس کی دبی آواز میں کہے ہوئے لفظوں میں درشتی ہی درشتی تھی۔

مجھے خاموش تماشائی بننا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں دروازہ کھلا اور چند لوگ اندر آئے۔ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی تھی۔ وہ بظاہر معزز آدمی معلوم ہوتے تھے۔ رسل نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ لوگ اس سے فرانسیسی میں باتیں کرنے لگے۔ میری فرنچ کی استعداد بہت معمولی ہے۔ صرف ایک آدھ لفظ ہی میری سمجھ میں آتا ہے لیکن میں یہ اندازہ ضرور لگا سکتی تھی کہ ان کے درمیان فلپ کے بارے میں ہی باتیں ہو رہی ہیں۔ غزالی بھی گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ دو ایک بار اس نے فلپ کی نبض پہ بھی ہاتھ رکھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ فرنچ بڑی روانی سے بول رہا تھا جہاں تک میں اس کے بارے میں جانتی تھی اسے فرنچ نہیں آتی تھی۔ میں کچھ اور مشکوک ہوئی اور بڑے غور سے اس کی حرکات کا جائزہ لینے لگی۔

غزالی کی شکل و شباہت کے باوجود اس کی حرکات و سکنات مجھے کچھ اوپری

اوپری سی معلوم ہونے لگیں۔ میرا دل واہموں کی آماجگاہ بن گیا۔ اگر وہ غزالی نہیں تھا تو یہ میرے اور غزالی کے خلاف اسی کے خدوخال میں کوئی سازش' کوئی فریب تھا۔ میں رہ رہ کر پچھتا رہی تھی میں رسل کے ساتھ آئی ہی کیوں تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی جال میں پھنستی جا رہی ہوں۔ گردوپیش پر پراسراری کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ کوئی بھید نہیں کھلتا تھا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح بڑی سنجیدگی سے نجانے آپس میں کیا باتیں کرتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک شخص پلٹا۔ اس کے سر کے سامنے کے حصے پر سے بال غائب تھے اور اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر سرخ تھا۔

''سٹاف! تمہیں بہت مستعدی سے کام لینا ہوگا۔'' وہ انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

میں چونک سی گئی۔ رسل کی آنکھوں نے مجھے پھر ایک خاموش درشت تنبیہ کی اور میں ''او کے۔ سر!'' کے سوا کچھ نہیں کہہ سکی۔

''نٹالی براؤن بہت ہوشیار عورت ہے۔ ایسا نہ ہو تم اس کے سامنے کچھ اگل دو۔'' وہ دبنگ لہجے میں بولا۔

یہ نام میرے لئے ایک اور اسرار تھا لیکن مجھے سوال کرنے کی ممانعت تھی۔ میں خاموش رہی اور وہ کہتا گیا۔ ''اگر اسے کوئی شک ہوا تو اس کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔ یہی موقع تمہاری وفاداریوں کی پرکھ کا بھی ہے۔ تمہیں شاید ان لوگوں نے بتا دیا ہوگا کہ ہم غداروں کو معاف نہیں کیا کرتے۔'' اس کی آواز میں ایک سرد کر دینے والی پھنکار تھی جو کسی جال کی طرح میرے اردگرد لپٹ رہی تھی۔ میری رگ و پے میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ میں بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ صرف سر ہی اثبات میں ہلا سکی۔

وہ سرخ چہرے والا پھر بستر کی طرف پلٹ گیا۔ اس نے فرنچ میں غزالی سے کچھ کہا۔ پھر رسل کو کوئی ہدایت دی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔ غزالی بھی میری طرف دیکھے بغیر ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

میں اور پریشان ہوئی۔ میں کتنی بے قراری سے انتظار کر رہی تھی کہ رسل کہیں ادھر ادھر ہو تو میں غزالی سے کھل کر بات کروں لیکن وہ بھی میری پہنچ سے دور چلا

گیا تھا۔ میں نے ناگواری سے رسل کی طرف دیکھا۔

''رسل! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟''

''بس تم دیکھتی جاؤ' خاموشی سے۔'' رسل نے بے نیازی سے کہا۔

میں اٹھ کر فلپ کے بستر تک گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سفر کی تھکن اس پر نیند بن کر مسلط ہوگئی تھی۔ مجھے اس کی بیچارگی پر ترس آیا۔ وہ کس کسمپرسی کے عالم میں دوسروں کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے پلٹ کر رسل کی طرف دیکھا۔

''رسل! تم اس لاچار بوڑھے کے ساتھ کیا کرنے والے ہو؟''

''میں اسے سکون دینا چاہتا ہوں سکون۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

میں اس کی بات کا مطلب سمجھ کر کانپ گئی۔ میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔''مسٹر فلپ کا سکون گرینی کے پاس ہے رسل۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ہونے سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ تم اس بات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔''

''لیکن اب ان دونوں کی عمر ایسی ہے کہ دونوں کو سکون کی ضرورت ہے۔ گرینی میں اب اتنی ہمت نہیں رہی کہ وہ ایک مفلوج بوڑھے کی دیکھ بھال کر سکے اور اس کی روز بروز بگڑتی حالت کو دیکھ کر دکھی ہوتی رہے۔'' اس نے بالکل سپاٹ لہجے میں اس طرح کہا جیسے گرینی اور فلپ سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

''رسل! تم کیا کرنے والے ہو؟'' میں نے ملامت بھرے انداز میں کہا۔

''تمہیں ہر بات بتانا ضروری تو نہیں ہے اور پھر تمہارا دل اتنا چھوٹا سا ہے۔ اس میں ذرا بڑی باتیں نہیں سما سکتیں۔'' وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولا۔ اس کے ارادوں کی بدصورتی نے اس کے سیاہ چہرے کو اور بھی بدنما بنا دیا۔

میرا دل بیٹھنے لگا۔ مجھے گرینی کا بوڑھا چہرہ یاد آیا۔ اس کے کہے ہوئے لفظ مجھے کچوکے لگانے لگے۔ ''فلپ اب تمہارے رحم و کرم پر ہے۔ وہ اپنے دکھ' تکلیف اور کسی جذبے کا اظہار نہیں کرسکتا۔ تم اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا۔''

میں بے چین سی ہوگئی۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا کہ میں گرینی کی اس معصوم آرزو کو اس وحشی قاتل سے نہیں بچا سکتی تھی۔ میں نے پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''رسل! مسٹر فلپ سے تمہارا بھی تو رشتہ ہے۔ ان دونوں نے تمہیں پالا ہے۔ کچھ اس کا خیال کرو۔ مسٹر فلپ کو گرینی کے پاس رہنے دو۔ اگر انہیں کچھ ہوا تو گرینی زندہ نہیں رہ سکے گی۔ وہ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے۔''

اس پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ وہ روکھے پھیکے سے لہجے میں بولا۔''دنیا صدیوں کا فاصلہ دنوں میں طے کر رہی ہے اور تم بیچارے مشرقی لوگ ابھی تک وہیں کے وہیں ہو۔ حماقت کی حد تک جذباتی۔ اپنی محبتوں کو دوسروں کیلئے آزار بنانے والے' ایک ایسا شخص جو نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں اسے گھر میں رکھنا تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے ڈرائنگ روم میں تابوت سجا لے۔''

''تم کتنے سنگدل ہو رسل! تمہارا دل بھی تمہاری طرح بدصورت ہے۔'' میں اپنے دل میں اٹھنے والی نفرت کو پوشیدہ نہیں رکھ سکی۔

''اچھا!! میں بدصورت ہوں؟'' وہ ہنسا۔''چینی کی گڑیا! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حسن تو دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے اور میری گرل فرینڈز کی آنکھیں مجھے دنیا میں سب سے حسین مرد سمجھتی ہیں۔'' وہ ایک آنکھ دبا کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

''اگر تم اس بلڈی فول غزالی کا پیچھا چھوڑ کر کچھ عرصہ میرے ساتھ رہو تو تمہاری رائے بدل جائے گی۔''

میں نے کراہت سے منہ پھیر لیا۔ میرا رواں رواں بے چینی میں سلگ اٹھا۔ میں نے بے بسی سے اپنی انگلیاں مسلیں۔ یہ میں کس دنیا میں چلی آئی تھی جہاں کی ہر شے اجنبی اور پریشان کر دینے والی تھی۔ جہاں انسانوں کے اندر وحشی رہتے تھے۔ جہاں میری بات کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ میں غزالی کی وجہ سے الجھی ہوئی تھی۔ اس بات نے مجھے اور بھی پریشان کر دیا۔ میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی۔ پھر میں یہ سوچ کر چلی کہ مجھے رسل کے مکروہ افعال میں اس کا شریک نہیں بننا چاہیے۔ میں نے اس سے دوٹوک بات کرنے کو اسے مخاطب کیا۔

''رسل! مسٹر فلپ تمہارے رشتہ دار ہیں۔ تم ان کے ساتھ جو چاہو کرو لیکن میں اس میں شریک نہیں ہوں گی۔ تم غزالی کو بلا دو۔ میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔''

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور مسکرا مسکرا کر میری طرف دیکھتا رہا۔ میں زچ ہو گئی۔

"جواب کیوں نہیں دیتے ہو میری بات کا۔ غزالی کو بلاؤ۔ میں ابھی جانا چاہتی ہوں۔" میں نے بھنا کر غصے سے کہا۔

"غزالی کی ایسی کی تیسی میری جان! مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ میں تو تمہیں نہیں جانے دوں گا۔" اس نے گہرا سانس لے کر جذباتی لہجے کی نقل کی۔

میں چڑ گئی۔ "بکواس نہ کرو' تم انتہائی گھٹیا انسان ہو بلکہ تم تو انسان بھی نہیں ہو۔ تم تو!"

اس نے درمیان ہی سے میری بات کاٹ دی۔ "او لڑکی! تم سے محبت کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم جو منہ میں آئے بولتی چلی جاؤ۔ بس اب اپنے خیالات کو اپنے تک ہی محدود رکھو۔ تم قلب کی نرس ہو اور تمہیں یہیں رہنا ہے۔" وہ دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔ "کوئی گڑبڑ کرنے سے پہلے اتنا سوچ لینا کہ اس کمرے کی ہر اینٹ کے پیچھے تمہیں دیکھنے والی آنکھ موجود ہے۔"

میں نے اپنے گرد چٹان کی طرح جمی ہوئی سنگین دیواروں کو اوپر اٹھتے دیکھا۔ مجھے اپنی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں نڈھال سی ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

یہ غزالی کی محبت نے مجھے کن حالات کا شکار بنا دیا تھا۔ میرے اندھے جذبات مجھے کس مقام پر لے آئے تھے جہاں سارے ہی راستے مسدود تھے۔ نہ پیچھے پلٹ جانا میرے بس میں رہا تھا اور نہ آگے بڑھنے میں ہی کوئی نجات تھی۔ غزالی یہاں ملا بھی تھا تو اس کے کئی روپ تھے۔ میں اس طرح الجھ گئی تھی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان پراسرار لمحوں میں سے کس طرح نکلوں؟

دکھ اور پریشانی سے بھرے ان لمحوں میں مجھے سب اپنے بڑی شدت سے یاد آئے۔ ممی' افی' بہنیں۔ مجھے خود پر غصہ آنے لگا کہ میں نے سب اپنوں کو غزالی کیلئے کیوں چھوڑ دیا تھا۔ مجھے اپنی جلد بازی پر پہلی مرتبہ پچھتاوا ہوا۔ میرے اندر ایک احساس جرم جاگنے لگا کہ میں اپنے بھرے پرے محبت کرنے والے خاندان سے کٹ

مگر اس قید خانے میں محبوس ہو گئی تھی جہاں غزالی بھی اجنبی بن گیا تھا جس کی خاطر میں نے سب کچھ چھوڑا تھا۔ میرے اندر کی بے چینی اور بے بسی میری آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگی اور میں بلند آواز میں سسکیاں لینے لگی۔ نجانے کب تک میں یونہی لمحوں کو اپنی آنسوؤں میں ڈبوتی رہی۔

دروازے کے ہینڈل میں جنبش ہوئی۔ میں نے آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی آنکھیں صاف کر کے دیکھا۔ چلچلاتی دھوپ میں جیسے کوئی شاداب سایہ چھاؤں بن کر مجھے ڈھانپ گیا۔ میں اپنی ساری کلفتیں بھول کر بے ساختہ اس کی طرف بڑھی۔

"غزالی!" میں نے امنڈتے ہوئے جذبوں کے ساتھ کہا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک تابناک مسکراہٹ طلوع ہوئی۔ اس نے اپنے مضبوط بازو وا کیے۔ میں والہانہ اس کی طرف لپکتی چلی گئی مگر اچانک ہی یہ چند قدموں کا فاصلہ صدیوں کا فاصلہ بن گیا۔ میں اس سے چند قدموں کے فاصلے پر یوں تھم گئی جیسے میرے راستے میں کوئی دیوار حائل ہو گئی ہو۔ میں الٹے قدموں پیچھے ہٹی اور میں نے سانس روک کر پوچھا۔

"کون ہو تم' مجھے سچ سچ بتاؤ؟"

وہ کھلے ہوئے بازو لئے آگے بڑھا۔ "ریطہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میرے قریب نہ آنا۔ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔" میں نے قریب پڑی ہوئی کرسی کی آڑ لیتے ہوئے کہا۔

"اعتبار کرو ریطہ! میں غزالی ہوں۔" وہ جانی پہچانی آواز اور مانوس لہجے میں بولا۔

مجھے محسوس ہوا کہ اس کے کھلے ہوئے بازوؤں کی پناہ ہی میری پناہ ہے۔ میرا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اپنے سارے دکھ' سارے اندیشے اس کے سامنے رکھ دوں۔ میں نے اپنے دل کی آواز پر قدم بڑھانا چاہا لیکن میری چھٹی حس نے مجھے روک لیا۔ میرے اندر جیسے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے اپنا بڑھایا ہوا قدم روک لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غزالی کی آنکھوں میں سے کوئی اور میری طرف دیکھ رہا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ آنکھیں دل کا آئینہ ہوتی ہیں اور ان

آنکھوں میں نہ ملن کی خوشی تھی نہ محبت کی سلگتی چنگاری۔ وہاں تو کوئی ڈرا دینے والی بدصورتی اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ میں لرز گئی۔ اس کا انداز اس کے خدوخال سبھی کچھ اس کے غزالی ہونے کی تائید کر رہے تھے لیکن اس کی آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔

میں عجیب گومگو کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔اس نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں۔ تمہیں جس بات نے شک میں ڈالا ہے۔ اگر تمہیں میرا رویہ بدلا ہوا نظر آیا ہے تو وہ سب رسل کی وجہ سے تھا۔ وہ الو کا پٹھا۔ میری نگرانی پر مامور ہے۔ میں اس وقت جان جوکھوں میں ڈال کر تمہارے پاس آیا ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں تمہارا اعتماد کھو چکا ہوں۔'' اس نے تاسف کا اظہار کیا۔

میں چکرا دینے والی کیفیت میں الجھ کر رہ گئی۔ اگر وہ غزالی ہے تو وہ دھنک کو کیوں فراموش کر چکا ہے۔ اسے اپنی بہن سب سے بڑھ کر عزیز تھی۔ وہ اسی کی خاطر ان کی طرف پلٹا تھا مگر اب وہ اس کا ذکر بھی نہیں کر رہا تھا۔ اس کے رویئے سے ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ صرف میرا قرب حاصل کرنے کا ہی خواہش مند ہے۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے جانچنے کو کہا۔

''تم جس کام کیلئے گئے تھے اس کا کیا ہوا؟''

اس کی آنکھوں میں سوچ کا ایک دائرہ سا بنا۔ اس کی پیشانی پر ایک سلوٹ ابھری اور وہ تھوک نگل کر سنبھلتے ہوئے بولا۔

''اس کا بھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔''

میں کھٹک گئی۔ غزالی کیلئے دھنک کی بازیابی زندگی اور موت کا سوال تھی لیکن یہ شخص جو اس کے روپ میں میرے مقابل کھڑا تھا۔ کسی پریشانی یا فکر میں مبتلا معلوم نہیں ہوتا تھا۔

''لیکن وہ کام تو بہت ضروری تھا۔'' میں اس کی حقیقت جاننے کو زور دے کر کہا۔

''ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے ریطہ! اور ساری کوششیں اسی وقت کو تلاش کرنے میں ہی صرف کی جاتی ہیں۔ جب وہ لمحہ آ جاتا ہے تو پھر کوئی رکاوٹ نہیں

ہوتی۔'' وہ اپنی حقیقت چھپانے کو لفظوں سے پردہ پوشی کرنے لگا۔

''تو پھر تم اب تک کیا کرتے رہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تمہیں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہاں ہماری گفتگو ٹیپ بھی ہو سکتی ہے۔'' اس نے خود کو راز میں رکھنے کیلئے رازداری سے کہا۔

میں تھک کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس غیر متوقع صورتحال نے مجھے چور چور کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ غزالی کی اداکاری کرنے والے اس مکار شخص سے کس طرح نمٹوں۔ جو غزالی سے اس حد تک مشابہ تھا کہ دھوکہ کھا جانے کو جی چاہتا تھا۔

وہ نپے تلے قدم رکھتا میرے قریب آیا اور میری کرسی کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔

''ریطہ! تم روتی رہی ہو؟''

میں کرسی کی پشت سے لگ گئی۔ ''جس قسم کے حالات نے مجھے گھیر رکھا ہے میں روؤں نہیں تو کیا کروں؟'' بات مکمل کرتے کرتے میری آواز رندھ سی گئی۔

''نہیں ریطہ! ہرگز نہیں۔'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''میں تمہاری خوبصورت آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔'' اس نے بڑے لگاؤ سے کہا لیکن اس کی مجرم آنکھیں اس کی تائید نہیں کر رہی تھیں۔

میرا جی چاہا کہ اس کا ہاتھ زور سے جھٹک دوں اور اسے دفع ہو جانے کیلئے کہوں لیکن کچھ سوچ کر میں نے خود پر قابو پایا اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

''جس کے مقدر میں آنسو لکھے ہوں' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کس طرح سکتی ہے؟''

''اس طرح نہ کہو ریطہ! میرے ہوتے ہوئے اس طرح نہ کہو۔ میں تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ بنوں گا۔'' اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا اور اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔ ''مایوسی کی باتیں نہ کرو ریطہ! میں جو ہوں تمہارے ساتھ۔'' اس نے میری ٹھوڑی کو اپنی انگلی سے چھوا۔

''بس اب تمہارے حسین لبوں کو صرف مسکرانے اور پیار کی باتیں کرنے کی اجازت ہے۔''

میں نے بے چینی سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ ''قید خانے میں کوئی کس طرح مسکرا سکتا ہے۔''

''محبوب کے ہونے سے خزاں بہار اور قفس گلستان بن جاتا تھا۔ جب ہم ایک دوسرے کے سامنے ہیں تو ہمیں کچھ اور نہیں چاہیے۔ ہم ایک دوسرے کے پیار میں کھو جائیں تو ہمیں کسی کی پروا نہیں ہوگی۔'' اس کی آنکھوں سے عیاں مفہوم اور گہرا ہوا اور وہ قدم قدم میری طرف بڑھا۔

''مجھے پریشان مت کرو۔'' میں نے اپنے اندر کے غصے کو دباتے ہوئے سر جھٹک کر کہا۔

''کیوں پریشان ہوتی ہو تم ریطہ! میں جو تمہارے پاس ہوں۔'' وہ مٹھار مٹھار کر بولا۔

''تمہیں میری پریشانیاں نظر نہیں آتیں غزالی! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' میں نے بے حد درشت لہجے میں اسے بتایا۔

وہ کچھ ٹھٹکا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ ''میں سب کچھ جانتا ہوں ریطہ! مجھے کیا نہیں معلوم' تم کیا سمجھتی ہو۔ کیا میں پریشان نہیں ہوں مگر جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے تمہاری محبت کے سوا کچھ بھی یاد نہیں رہتا' کچھ نہیں۔ تمہاری محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے لیکن تمہیں شاید مجھ پر اعتبار نہیں۔''

''میں جس طرح کے حالات میں گھری ہوں۔ مجھے تو خود پر بھی اعتبار نہیں رہا۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

وہ تیزی سے میرے قریب آیا اور اس نے تقریباً مجھے جھنجھوڑ دیا۔

''تم اتنی سرد مہر کیوں ہو ریطہ! مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتیں' میں تمہارا شوہر ہوں۔ تمہیں چاہتا ہوں۔''

مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اس کی نیت چمک رہی تھی۔

میں نے کراہت سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے جھٹک دیئے۔ میں اس پر یہ

ظاہر کر کے کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکی ہوں اسے کسی انتہائی اقدام پر مجبور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے میں اس کی کسی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر فلپ کے بستر کی طرف بڑھ گئی اور اسے نظر انداز کرنے کو میں نے خود کو فلپ کی نبض وغیرہ دیکھنے میں مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

وہ میرے اس اغماض پر پیچ و تاب کھا کر آگے بڑھا اور مجھے زبردستی اپنے مقابل لاتے ہوئے بولا۔

''تم مجھ سے اس طرح بے نیازی نہیں برت سکتیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور میرا تم پر حق ہے۔'' اس کے قطعی انداز سے ظاہر ہو جانے والے قبیح ارادوں نے مجھے پریشان کر دیا لیکن میں نے خود کو کمزور نہیں ہونے دیا۔ حالات کی سنگینی نے مجھے ثبات سکھا دی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں کہا۔

''بس اب یہ اداکاری چھوڑو۔ میں جانتی ہوں کہ تم غزالی نہیں ہو۔'' وہ ٹھٹکا اور قدرے خفگی سے بولا۔

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو ریطہ! اعتبار کرو مجھ پر۔ میں غزالی ہوں۔''

''تم غزالی ہو۔ تو مجھ سے دور رہو۔'' میں نے خود کو محفوظ کرنے کیلئے پہلودار بات کہی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' اس کی سختی میں تھوڑی لچک آئی۔

''اگر تم غزالی ہو تو میری بات تمہاری سمجھ میں آ جانی چاہیے۔ تم اس معاہدے کو کیوں بھول گئے ہو جو ہم دونوں کے درمیان ہوا تھا۔'' میں نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک اور پتہ پھینکا۔

وہ لاجواب سا ہو گیا۔ لمحے بھر کو اسے کچھ نہیں سوجھا کہ وہ مجھے کس طرح قائل کرے۔ پھر سر جھٹک کر اس نے جیسے کوئی فیصلہ کر لیا اور کچھ کمزور اور نادم سے لہجے میں بولا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے ریطہ! میں غزالی نہیں ہوں۔''

میں نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا کیونکہ یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی۔

میں پھر فلپ کے بیڈ کی طرف چلی گئی اور اس کی چادریں وغیرہ درست کیں۔ اس کی

ڈرپ کا جائزہ لیا۔ میں خود کو اس سے لاتعلق ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

''ریطہ! یہاں آ کر بیٹھو۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اچانک اس نے کہا۔

میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ ''ایسی کیا ضروری بات ہے؟''

''اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ یہاں اس کرسی پر۔'' اس نے ایک نشست کی طرف اشارہ کیا۔

''میں سن رہی ہوں۔ تم بات کرو۔'' میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

''یہ بات بہت اہم ہے۔ تمہیں اسے بہت حوصلے سے سننا پڑے گا۔'' اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔

میں نے خاص طور پر اس کی طرف غور سے دیکھا کہ وہ اب کون سی چال چلنے والا ہے اور اس کرسی پر بیٹھ گئی جس پر اس نے مجھے بیٹھنے کیلئے کہا تھا۔

''ہاں! بولو کیا بات ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

اس نے ہونٹ چبائے اور رنجیدہ چہرے کے ساتھ بولا۔ ''ریطہ! جب میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھا تھا تو میں نے سوچا تھا کہ غزالی کتنا خوش نصیب تھا کہ وہ تمہارا محبوب تھا اور کتنا بدنصیب تھا کہ وہ تمہاری محبت کا لطف نہیں اٹھا سکا۔'' اس نے توقف کیا۔ میں چپ بیٹھی سنتی رہی۔

وہ کچھ دیر چھت کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر میرے مقابل ایک کرسی پر آن بیٹھا اور بڑے ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

''ریطہ! کاش میں کچھ بہتر اداکار ہوتا تو تمہیں شک نہ ہوتا کہ میں غزالی نہیں ہوں تو تمہارا دل نہ ٹوٹتا۔ تمہیں یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو نہ آتے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کڑے لہجے میں اس سے پوچھا۔

اس نے تاسف سے سر جھکا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہیں یہ بری خبر پہنچانے کا ناخوشگوار فریضہ مجھے ادا کرنا پڑا ہے حالانکہ مجھے اس کی اجازت نہیں ہے لیکن شاید میں

اس کے بغیر تمہارا التفات حاصل نہیں کر سکتا۔'' وہ میرا ردعمل دیکھنے کو چند لمحوں کیلئے خاموش ہوا۔

لیکن میں بے تاثر چہرہ لئے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پھر سلسلہ کلام جوڑا۔

''غزالی اب اس دنیا میں نہیں۔ وہ ہمیشہ کیلئے تم سے بچھڑ چکا ہے۔ وہ تنظیم سے ٹکر لیتے ہوئے یہ بھول گیا تھا کہ ان کے نزدیک انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح ہیں۔ جب چاہا چٹکی میں مسل دیا۔'' اس کا لہجہ مؤثر تھا۔ اس کے لفظوں سے افسردگی جھلکتی تھی لیکن اس کی کوئی بات میرے دل کو نہیں لگی۔ میں اس کی گفتگو اوپرے دل سے یوں سنتی رہی جیسے اس سے میرا کوئی تعلق نہ ہو۔

وہ کہتا گیا۔ ''مجھے ہائی کمان کی طرف سے حکم ملا تھا کہ میں غزالی بن کر تمہاری زندگی میں رہوں۔ تمہیں اس کی خبر نہ ہونے دوں کہ میں غزالی نہیں لیکن ریطہ۔ میں جان گیا ہوں کہ تم اس سے بہت قریب تھیں۔ جب ہی تو میں تمہیں دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ کاش میں تمہارے دل میں کوئی جگہ بھی پا سکوں۔''

مجھے اس کی کسی بات پر یقین نہیں آیا اور میں چپ چاپ بیٹھی ناخن کریدتی رہی۔ وہ بھی خاموش ہو کر میرے چہرے کو پڑھنے لگا۔ کتنے ہی لمحے گزر گئے۔ میں نے نہ کچھ کہا نہ اس کی طرف دیکھا۔

بالآخر وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''ریطہ! شاید تمہیں اب بھی میری بات پر اعتبار نہیں آیا۔''

میرا اس سے بات کرنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں ہر شے سے بیزار سی ہو رہی تھی۔ میں نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور چڑ کر کہا۔ ''پلیز! تم میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ میں تنہا رہنا چاہتی ہوں۔''

اس نے برا نہیں منایا اور نرمی سے کہنے لگا۔ ''میں تمہارے دل کی کیفیت سمجھتا ہوں۔ تم شک اور یقین کے درمیان معلق ہو لیکن تمہارے شک کرنے یا یقین نہ کرنے سے اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ غزالی مر چکا ہے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں۔''

اس کے منہ سے نکلے ہوئے یہ لفظ مجھے بہت ہی برے لگے۔ غزالی تو میری کل کائنات تھا جس کی خاطر میں نے اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔ صرف اس اکیلے سے رشتہ باندھنے کیلئے میں نے سارے رشتے توڑے تھے۔ میں تو اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کیلئے سب کو پیچھے چھوڑ آئی تھی لیکن یہ شخص اس کے ہمیشہ کیلئے کھو جانے کی خبر دے رہا تھا۔ نجانے وہ سچ کہتا تھا یا جھوٹ مگر میں کسی بھی صورت میں یہ سننے کو تیار نہیں تھی کہ غزالی مجھے ہمیشہ کیلئے تنہائیوں کے حوالے کر گیا ہے۔ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ غزالی کو کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ خیال ہی چکرا دینے والا تھا کہ میں اس کے بغیر اس دنیا کا مقابلہ کس طرح کروں گی۔

اس نے پھر زور دے کر کہا۔ ''ریطہ! غزالی واقعی مر چکا ہے۔ ہائی کمان سے اختلاف کرنے کی پاداش میں اس سے زندگی چھین لی گئی ہے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں۔''

اس کی اس بات نے مجھے پاگل کر دیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہا کہ میں کیا ہوں اور کیا کر رہی ہوں۔ جنون کی کیفیت میں میں مٹھیاں بھینچ کر چلائی۔ ''جھوٹ بکتے ہو تم۔ بکواس کرتے ہو۔ غزالی کو کچھ نہیں ہوا' وہ زندہ ہے۔ وہ میرے پاس لوٹ کر آئے گا۔ وہ تمہاری طرح جھوٹا اور مکار نہیں ہے۔'' میری آواز بلند ہوتی گئی اور میں چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخنے لگی۔ غزالی کے ہمشکل نے مجھے خاموش کروانے کی کوشش کی تو میرا جنون اور بڑھ گیا۔ میں نے جھپٹ کر اس کے بال نوچے اور قمیض کھسوٹ ڈالی۔

''یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے؟'' رسل دروازہ کھول کر غصے میں اندر داخل ہوا۔

لیکن مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ ''تم بھی کمینے ہو ذلیل انسان۔'' میں نے دانت کچکچا کر اس پر تکیہ اٹھا کر پھینکا۔ ''تم دھوکے سے مجھے یہاں لائے ہو اور تمہارا یہ چیلا کہتا ہے کہ غزالی مر چکا ہے۔ تم لوگوں میں رتی بھر انسانیت نہیں ہے۔ تم بھیڑیئے ہو بھیڑیئے۔ تم اس تہذیب یافتہ دنیا میں نجانے کہاں سے آ گئے ہو۔'' میں نے جو کچھ میرے ہاتھ لگا اس پہ اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیا۔

اس کے بھینسے جیسے تنومند جسم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ خود پر پھینکی جانے والی مختلف چیزوں سے بے نیاز دانت پیس کر غزالی کے ہمشکل سے بولا۔

''تماشہ کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ چڑیا جتنی لڑکی تم سے قابو نہیں ہوتی۔''

میں نے غصے سے پاگل ہو کر وہ تمام برے الفاظ اگل دیئے جو مجھے آتے تھے اور مشروب کی ایک بوتل کو ہاتھ میں تولتے ہوئے انہیں متنبہ کیا۔ ''اگر کوئی میرے قریب آیا تو میں اس کا سر توڑ دوں گی۔''

رسل نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ ''ارے واہ! یہ لڑکی تو پوری کمانڈو بن گئی ہے۔ جواب نہیں۔''

میں غصے میں کھولتی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ میرا مذاق اڑاتے ہوئے حقارت سے بولا۔ ''بس بس! اب غصہ جانے دو اور آرام سے اپنے مریض کی دیکھ بھال کرو۔ چلو چھوڑو اس بوتل کو۔ یہ کوئی پٹرول بم نہیں ہے۔ یہ تو صرف مشروب کی بوتل ہے اور تم میں اتنا زور نہیں ہے کہ اسے ہمارے سر پر توڑ سکو۔''

میں اور بھنائی۔ ''بکواس نہ کرو۔ میں تمہیں بتا دوں گی کہ میں کیا کچھ کر سکتی ہوں۔''

وہ کھل کر مسکرایا۔ ''تم اتنی نازک سی ہو کہ تمہارے ساتھ سختی کرنے کو جی نہیں چاہتا ورنہ تمہیں بتایا جا سکتا تھا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے۔ پلیز! تم بھی آرام سے بات کرو۔ غصہ تھوک دو اور مجھے بتاؤ کہ آخر اس احمق شخص نے تمہیں کیوں اتنا مشتعل کر دیا ہے۔ آخر کیا کہہ دیا ہے اس نے تمہیں؟'' اس نے اتنی ملائمت سے کہا کہ مجھے بھی تھوڑا نرم ہونا پڑا کیونکہ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ میں اسی انداز میں مشروب کی بوتل تھامے ہوئے کھڑی رہی لیکن میں نے اپنے لہجے کا تناؤ کم کر کے بے اعتنائی سے کہا۔

''یہ تم اسی سے پوچھو کہ اس نے کیا کہا ہے؟''

رسل نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہا ہے تم نے ریطہ سے؟''

وہ کچھ گڑبڑایا اور اٹکتے ہوئے بولا۔ ''اسے شک ہو گیا تھا کہ میں غزالی نہیں ہوں تو مجھے اس کو بتانا پڑا۔''

''کیا؟؟؟'' رسل کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''وہی غزالی کے بارے میں۔'' اس کے انداز میں خوف نمایاں تھا۔

"بیوقوف، احمق، گدھے۔ تمہیں یہاں ہائی کمان کے راز اگلنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔ تمہیں اس طرح کے لوگوں کے انجام کی بھی خبر ہے۔"

اس کا منہ فق ہوگیا۔ "لیکن میں تو' میرا مطلب ہے میری نیت۔" وہ ہکلایا۔

"یہ ساری صفائیاں تم وہیں چل کر دینا۔" رسل نے کرختگی سے ملامت کے انداز میں کہا۔

"لیکن۔" غزالی کے ہمشکل نے کچھ کہنا چاہا۔

"آؤٹ۔ گیٹ آؤٹ۔" رسل نے اسے بات نہیں کرنے دی اور غراتے ہوئے انگلی سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ پریشان اور خوفزدہ سا سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں حیرت اور پریشانی سے صورتحال کو دیکھتی رہی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں ڈرامہ کر رہے ہیں یا اس کا حقیقت سے بھی کوئی تعلق ہے۔ رسل مجھ سے مخاطب ہوا۔

"ریطہ! اب یہ شخص تمہیں نظر نہیں آئے گا۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ میرے ذہن میں ابھی تک گزرے لمحوں کا اثر باقی تھا۔ مجھے یہ خیال بار بار کپکپا دیتا تھا کہ کہیں غزالی کو کچھ ہو تو نہیں گیا۔

میں بے یقینی کی کیفیت میں چکرا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر رسل سے دوٹوک لہجے میں پوچھا۔ "رسل! مجھے غزالی کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دو۔"

اس نے ایک گہری نگاہ مجھ پر ڈالی۔ "تم اپنے کام سے کام رکھو سویٹی۔ یہ راہ چلتے تفکرات اپنے گلے مت ڈالو۔"

"یہ راہ چلتے تفکرات نہیں ہیں۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ تمہیں غزالی کے بارے میں بتانا پڑے گا رسل! تمہیں بتانا پڑے گا۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"تمہیں دکھ ہوگا ریطہ!" اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں اس طرح بھی کون سی سکھی ہوں جو تم مجھے دکھی نہیں کرنا چاہتے۔" میں نے اکتا کر کہا۔

"تم اصرار کرتی ہو تو مجھے اس کی تصدیق کرنی ہی پڑے گی کہ تم نے ٹھیک سنا ہے۔ غزالی کو اس کی جذباتیت نے ضائع کروا دیا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ پریشان کن خبر تم تک پہنچانے کا ذریعہ مجھے بننا پڑا۔" وہ سنجیدہ تھا۔

میں سکتے کی سی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ غزالی کے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں تھی۔ میں اس کے آسرے تو اتنی دور نکل آئی تھی۔ وہ نہیں رہا تھا تو میں کس طرح پلٹوں گی۔ میرے لئے دنیا اندھیر ہوگئی۔ زندہ رہنے کی خواہش دم توڑ گئی۔ غزالی کے بغیر تو جیسے سانس لینا بھی سزا ہوگیا تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ سکی اور نڈھال سی ہو کر کرسی پر گر پڑی۔ مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں ہوں اور مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ میرے ذہن میں بس یہی ایک بات تھی کہ اگر غزالی اس دنیا میں نہیں رہا تو میرا جینا بھی لاحاصل تھا۔

مجھے احساس ہوا کہ کسی نے میرے سر پر بھاری ہاتھ رکھا ہے۔ میرے شانے پر تھپکی دی ہے۔ پھر مجھے رسل کی آواز سنائی دی۔ وہ حد درجہ ملائمت سے بات کر رہا تھا۔

"ریطہ! بہادر بنو اس صدمے کو زندگی کی حقیقت سمجھ کر قبول کر لو۔ فراق و وصال زندگی ہی کی دو کیفیتوں کا نام ہے۔"

میرا سارا وجود صدمے سے چور چور تھا لیکن میری آنکھیں خشک تھیں۔ ایک آنسو بھی تو میری پلک تک نہیں آیا تھا۔ میں کچھ دیر ہونٹ کاٹ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ رسل میرے قریب ہی کھڑا تھا۔ میں غم والم کے بوجھ سے جھکی بمشکل اپنی جگہ سے اٹھی اور رسل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سب کچھ ختم ہوگیا ہے رسل! کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ اب میں یہاں نہیں رکوں گی۔"

"تمہاری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے ریطہ! میں تمہیں اس وقت کس طرح جانے دے سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔" میں نے بگڑ کر کہا۔

"دیکھو! تم اس وقت بہت جذباتی ہو رہی ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم کوئی سکون

آور دوا لے کر تھوڑی دیر آرام کرلو۔ تب تک میں گرینڈ پا کی دیکھ بھال کرلوں گا۔'' وہ اتنے اطمینان سے کہنے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

میں بری طرح جھلا گئی۔ ''میں تباہ ہوگئی ہوں' میری دنیا اجڑ گئی ہے اور تم مجھے آرام کرنے کیلئے کہہ رہے ہو کمینے! میرے جو دل میں آئے گا کروں گی۔ مجھے اپنے فیصلے کرنے کیلئے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔'' میری آواز بلند ہوئی اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''ٹھہر جاؤ' رکو' تم اس دروازے سے باہر نہیں جاسکتیں۔'' رسل نے اپنے لفظوں پر زور دیا۔

''شٹ اپ!!!'' میں نے ڈپٹ کر کہا اور تیزی سے دروازہ کھولنا چاہا۔

رسل پلک جھپکتے میں مجھ تک پہنچا اور اس نے اپنا مضبوط آبنوسی ہاتھ دروازے پر رکھ کر اسے کھلنے نہیں دیا۔ میں نے زبردستی دروازہ کھولنا چاہا لیکن اس جن جیسے حبشی کے سامنے میری ایک پیش نہیں گئی۔ اپنی بے بسی اور ناکامی کے احساس نے مجھے آپے سے باہر کردیا۔ میں نے نفرت سے دانت پیس کر کہا۔

''میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ بدصورت دیو! مجھے جانے دو۔''

وہ مشتعل ہونے کے بجائے ہنس پڑا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنے ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے بولا۔ ''ریطہ! تم اتنی نازک' گڑیا جیسی ہو کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ان گلابی گالوں پر میری سیاہ انگلیوں کے نشان پڑیں۔'' اس نے زبردستی میرا ہاتھ ہونٹوں سے چھوایا اور گمبھیر سی سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر خود کو محفوظ رکھنا چاہتی ہو تو یہ بغاوت' یہ سرکشی چھوڑ دو ورنہ یہاں بہت سے لوگ ہیں جو تم ایسی نازک اندام لڑکیوں سے یہ سرکشی منٹوں میں چھین لیتے ہیں۔ میں پھر تمہیں بتاؤں کہ تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔'' وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کا لہجہ کپکپا دینے والا تھا اور اس کے مکروہ ہونٹوں نے میری ہتھیلی کی پشت پر جیسے دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا تھا۔ میں نے لرز کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔

میرا جی چاہا کہ اس کے منہ پر تھوک دوں لیکن مجھے اپنے اندر کھولتی ہوئی

نفرت کو اندر ہی اندر دبا جانا پڑا۔ اپنی بے بسی کے احساس نے میرے سارے وجود کو جیسے آنسو بنا دیا۔ میرا جی بھر آیا اور میرا جی شدت سے چاہنے لگا کہ کسی اپنے کے گلے لگ کر اسے آنسوؤں سے شرابور کردوں۔

مگر میں نے اپنے آنسو ضبط کر لیے۔ میں رسل کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں پورے وقار کے ساتھ صورتحال کا سامنا کرنا چاہتی تھی۔ میں نفرت سے منہ پھیر کر پلٹی اور بغیر کچھ کہے آن کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

رسل چند لمحے کھڑا میری طرف دیکھتا رہا شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اس نے بھی مجھ سے تعرض نہیں کیا اور فلپ کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

پریشانی اور غم نے میرے سارے وجود میں ایک کسک سی جگا دی۔ مجھے دنیا کی ہر شے سے نفرت سی ہونے لگی۔ مجھے سانس لینا اور زندہ رہنا بھی محال ہوگیا۔ کبھی میرا جی چاہتا کہ خود کو حالات کے حوالے کردوں اور کبھی میرا رواں رواں بغاوت کے تناؤ سے سلگ اٹھتا۔ میرا جی چاہتا کہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں۔ ایک لمحے میں ہزاروں سوچیں میرے ذہن پر یلغار کرنے لگیں اور میرا دماغ نہ معلوم کتنے ہی منصوبے بنا بنا کر انہیں رد کرنے لگا۔

''ریطہ! ریطہ!!'' میں رسل کی گھبرائی ہوئی آواز پر چونکی۔

''دیکھو یہ گرینڈ پا کو کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ اس منحوس شخص کی آواز پر اٹھوں لیکن مجھے فلپ کے خیال نے اٹھنے پر مجبور کردیا۔ وہ گرینی کی متاع حیات تھا اور اس نے مجھے اس کی حفاظت کرنے کیلئے کہا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر اس کے بیڈ تک گئی۔ اسے دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کی سانس ٹھیک نہیں چل رہی۔ نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی سست تھی۔ دل کی دھڑکن ڈوب رہی تھی۔

''ریطہ! گرینڈ پا کو زندہ رہنا چاہیے۔ تم ان کا کچھ کرو۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔''

★ ★ ★

میں نے فلپ کے زرد چہرے اور نیلے پڑتے ہوئے ہونٹوں کی طرف دیکھا۔ جلدی جلدی اس کی قمیض کے بٹن کھولے اور اس کے سینے پر مساج کر کے اس کے دل کی حرکت بحال کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے دل کی دھڑکنیں ڈوب رہی تھیں۔ میں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ میں بے سہارا گرینی کیلئے فلپ کو بچانا چاہتی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس عالم میں صدیاں بیت گئی ہیں۔ میرا سانس پھول رہا تھا اور میں تھکتی جا رہی تھی۔

شکر ہے کہ دروازہ کھلا اور سرخ چہرے والا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے دو ڈاکٹر تھے جن کا بیگ رسل نے اٹھا رکھا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی فلپ کو سنبھال لیا۔ ان کے پاس جدید ترین آلات موجود تھے۔ میں بھی ان کی مدد کرتی رہی۔ خدا خدا کر کے کہیں فلپ کی حالت سنبھلی اور ہمیں سانس لینے کی فرصت ملی۔ میں کھڑے کھڑے تھک گئی تھی اس لئے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

سرخ چہرے والا کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ تیزی سے فلپ کے بیڈ کے پاس آیا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے تھے۔ اس نے تشویش کے ساتھ ایک ڈاکٹر سے پوچھا۔

''اسے کیا ہوا تھا؟'' وہ انگریزی بول رہا تھا۔

''اسے ہلکا سا دل کا اٹیک ہوا تھا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اوہو مسٹر رسل! اس کو پہلے بھی کبھی دل کی تکلیف رہی ہے؟'' اس نے رسل سے کہا۔

''تمہیں تو پتہ ہے کہ میں اپنے گھر میں کم ہی رہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میری غیر موجودگی میں کبھی ہوئی ہو۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔'' رسل

نے بتایا۔

وہ پریشان ہو کر ڈاکٹر کی طرف پلٹا۔ ''ڈاکٹر اسے پھر دورہ پڑنے کا تو خطرہ نہیں؟''

''اس بارے میں کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی کیونکہ مریض کی ظاہری حالت کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''بے حد تشویشناک۔ بے حد تشویشناک۔'' وہ اضطراب میں ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے مسلسل ٹکراتا ہوا پریشانی سے کہنے لگا۔ ''نتالی براؤن تو اڑتی چڑیا کے پر گنتی ہے۔ وہ اتنی کچی نہیں ہے کہ ایک جاں بلب مریض کا سودا کرے۔ تمہیں کچھ کرنا پڑے گا' تمہیں کچھ کرنا پڑے گا سمجھے۔'' وہ اپنی بات پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''نتالی یہاں آئے تو اسے مریض اطمینان بخش حالت میں ملنا چاہیے۔''

''سر! ہم اپنی بہترین کوشش کریں گے۔'' ایک ڈاکٹر نے یقین دلایا۔

''تمہیں جس چیز کی بھی ضرورت ہے وہ تمہیں مہیا کی جائے گی۔'' وہ بولا۔ ''ہاں اگر تم کہو تو میں ایک اور اسپیشلسٹ کو بلوا لوں۔''

''نہیں! ہمارا خیال ہے کہ کسی اور ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔ یہ سٹاف بھی اس شعبے میں مہارت رکھتی ہے۔ ہم سب مل کر مسٹر فلپ کو نتالی براؤن کے آنے تک نارمل کر لیں گے۔'' ڈاکٹر نے اسے یقین دلایا۔

اس کی گوشت میں دھنسی ہوئی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہوئیں اور اس نے سخت لہجے میں رسل سے کہا۔ ''رسل! تمہاری یہ نرس تو قابل اعتبار ہے ناں؟''

''ہاں یہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ قابل اعتبار ہے تو یہاں نظر آ رہی ہے۔'' رسل نے جواب دیا۔

''بہت خوب!'' اس نے اپنا بے ڈول گنجا سر ہلایا اور ایک بھرپور نگاہ مجھ پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ رسل بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا۔ البتہ وہ دونوں ڈاکٹر وہیں رہ گئے۔

میں ابھی تک اپنی جگہ پر بیٹھی ان غیر معمولی واقعات کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ فلپ کی جان بچانے کی اس جدوجہد میں غزالی کا خیال میرے ذہن

سے نکل گیا تھا اور میں ایک اچھی نرس کی طرح خود کو فراموش کر کے قلب کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئی تھی لیکن اب جبکہ اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی میرا ذہن اس کی جانب سے ہٹا تھا تو حیات کی تلخیاں منہ پھاڑ کر میرے ارد گرد آن کھڑی ہوئی تھیں۔

زندگی پہ چھا جانے والا سناٹا میرے اندر بھر گیا تھا۔ غزالی سے بچھڑ جانے کی تلخی میرے رگ و پے میں زہر گھولنے لگی تھی۔ میرا تن من پھر بغاوت پر آمادہ ہونے لگا تھا۔ ساری دنیا کو تہس نہس کر دینے کا باغی جذبہ کسی آتش فشاں کی طرح میرے اندر کھولنے لگا تھا۔

جب غزالی اس دنیا میں نہیں تھا تو میرا جینا بیکار تھا۔ میں نے تو زندگی اس کے نام کی تھی۔ اب مجھے اس کے لئے ہی اس زندگی سے کھیلنا تھا۔ میں نے ایک گہری نگاہ سے کمرے کا جائزہ لیا۔

دونوں ڈاکٹر چوکس بیٹھے تھے۔ وقفے وقفے سے وہ قلب کا معائنہ کر کے چارٹ بنا رہے تھے۔ ان کی موجودگی میں کوئی انتہائی اقدام کرنا ممکن نہیں تھا لیکن مجھے اپنے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو تھامنا دشوار ہو رہا تھا۔ میں کچھ سوچنے اور نیا راستہ نکالنے کی خاطر باتھ روم میں گھس گئی۔ میں اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے پلٹی تو میری نگاہ واش بیسن سے ملحق دیواری آئینے پر پڑی۔

میں نے خود کو اداس چہرے اور اجڑی ہوئی مانگ والی تنہا لڑکی کے روپ میں دیکھا۔ میں اکیلی تھی اور غزالی مجھ سے بہت دور چلا گیا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ گھر بسانے کے کیسے کیسے خواب نہیں دیکھے تھے لیکن میرا گھر بسنے سے پہلے ہی اجڑ گیا تھا۔ میں سہاگ کا کوئی سکھ دیکھے بغیر ہی بیوہ ہو گئی تھی۔

میرا دل دکھ اور محرومی کے احساس سے بھر گیا۔ میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ میری روح کا جل تھل سماں میری آنکھوں میں اتر آیا۔ میرے رخساروں پر آنسوؤں کی جھڑی سی لگ گئی۔ میرے دل کا درد سلگتے آنسوؤں میں گھلنے لگا۔ میں نجانے کتنی دیر یونہی اکیلی کھڑی روتی رہی۔ نہ کوئی ڈھارس بندھانے والا تھا نہ کوئی دلاسہ دینے والا۔

دل کا غبار چھٹا تو میں نے چاروں جانب نگاہ دوڑائی۔ جدید ترین

ائشوں سے آراستہ اس باتھ روم میں نہ کوئی عقبی یا ملحقہ دروازہ تھا نہ کوئی کھڑکی۔ نچائی پر ایک روشندان تھا جو کچھ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ اونچی دیواروں نے چاروں ف سے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے ٹب پر چڑھ کر روشندان تک پہنچنے پر بھی غور ا لیکن دوسری طرف نجانے کیا تھا؟

مجھے باتھ روم میں گھسے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ دروازے پر دستک ہونے ا۔ میں نے چونک کر نل کھولا اور اپنے چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے۔ دروازہ بجا اور رسل کی موٹی بیل ایسی آواز سنائی دی۔

"ریطہ! تم دروازہ خود کھولو گی یا میں آٹومیٹک بٹن استعمال کروں؟"

میں نے تولیے سے چہرہ پونچھتے ہوئے دروازہ کھولا۔ وہ باہر ہی کھڑا تھا۔

"اتنی دیر سے تم اندر کیا کر رہی تھیں۔" اس نے بغور میری طرف دیکھتے ئے کہا۔

میں نے ناگواری کے تاثرات کے سوا کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے برابر گزر کر کمرے میں داخل ہو جانا چاہا لیکن اس نے مجھے آگے نہیں بڑھنے دیا اور اپنی ے میری پلکوں کو چھو کر بولا۔

"تم رو رہی تھیں ریطہ؟"

میں نے ناپسندیدگی سے چہرہ پیچھے ہٹایا اور خفگی سے کہا۔ "مجھ سے بات نہ رسل! تم مجھے سخت برے لگ رہے ہو۔"

"ہائے افسوس، مجھ بیچارے کی بدقسمتی۔" وہ مسخرے پن سے بولا۔

میں اس کی طرف توجہ دیئے بغیر آن کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ میری طرف

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کا غبار آنسوؤں سے دھو لیا۔ میرا خیال ہے اب تم پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہو گی۔"

میں بے حد جھنجھلا رہی تھی اور مجھے کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ میں اسے چڑچڑے پن سے ٹوک دیا۔ "میں نے تم سے کہا ہے ناں کہ مجھ سے بات کرو۔"

"تم جیسی خوبصورت لڑکی پر اتنی بدمزاجی نہیں جچتی۔" وہ برا منائے بغیر بولا۔

"چلو خیر تمہارا موڈ جیسا بھی ہے یہ سن لو کہ نٹالی براؤن ٹھیک 8 بجے یہاں پہنچ رہی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ تم سے فلپ کے بارے میں کچھ سوال و جواب کرے تو تمہیں اس کے سوالوں کا کوئی واضح جواب نہیں دینا ہے۔ بس اپنی بات ہاں یا نہ تک ہی محدود رکھنا۔"

"آخر یہ نٹالی براؤن ہے کون؟ اور یہاں کیا کرنے آ رہی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہ نہ اپنے اس ننھے منے دماغ پر زور مت ڈالو۔ تم گردوپیش سے جتنی لاتعلق رہو گی اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔" وہ اپنے ابروؤں کو مضحکہ خیز جنبش دیتا ہوا بولا۔ میرے لئے خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں ہونٹ چباتے ہوئے پیچ وتاب کھاتی رہی اور وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

دونوں ڈاکٹر اب بھی مستعدی سے فلپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ وہ آکسیجن کے بغیر ہی ٹھیک طرح سے سانس لے رہا تھا۔ کمرے میں ایک ناگوار سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ میں سخت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ بند کمرے کے گھٹن زدہ ماحول میں سانس لینا بھی عذاب لگتا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ ابھی 8 بجنے میں آدھ پون گھنٹہ باقی تھا اور اس کے بعد نجانے کیا ہونے والا تھا۔

نٹالی براؤن کے یہاں آنے کا مقصد کیا تھا؟ وہ فلپ کے ساتھ کیا کرنا چاہتے تھے کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ اجنبی چہرے والے ڈاکٹر یوں خاموش بیٹھے تھے جیسے دیواریں ہوں۔ میرے لئے یہ اکتا دینے والی خاموشی ناقابل برداشت تھی۔ میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا اور ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں سخت بوریت محسوس کر رہی ہوں۔" میں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہ بھی مسکرایا۔ "لیکن ہم تو بوریت محسوس نہیں کر رہے۔"

"کیوں؟؟" میں نے استفسار کیا۔

"اس لئے کہ ایک حسین، جاذب نظر چہرہ ہمارے سامنے ہے۔" وہ ستائشی لہجے میں بولا۔ میں اس خلاف توقع جواب سے قدرے جھینپ گئی اور مجھے کچھ زیادہ اچھا نہیں لگا۔ لیکن میں نے ان کی تہذیب کے مطابق بظاہر ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔ "اوہو! شکریہ۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اس عالم میں بھی کوئی میری ستائش کرسکتا ہے۔"

"حسن تو ہر جگہ ذوق جمال رکھنے والوں سے اپنا خراج وصول کر لیتا ہے۔" وہ خوش مزاجی سے بولا۔

"بہت شکریہ!!" میں نے بے تکلفی کی فضا پیدا کرنے کو کہا۔

"آپ کے ساتھ کام کرنے والے ڈاکٹر تو بہت خوش قسمت ہیں۔" دوسرے ڈاکٹر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"آپ لوگ کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی پر نہیں اتر آئے۔" میں نے بات کو طول دینے کیلئے کہا۔

"آپ کی دلکشی مبالغہ آمیزی کی محتاج نہیں۔ آپ تو کسی شاعر کی محبوبہ معلوم ہوتی ہیں۔" پہلے ڈاکٹر نے کہا۔

میں نے ہنس کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔ "آپ دونوں تو مجھے مغرور بنا دیں گے۔"

"غرور تو حسن کی زیبائش ہے۔" ان میں سے ایک نے تاثر انگیز لہجے میں کہا۔

میں اسی طرح کچھ دیر ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ پھر میں نے یوں گھڑی دیکھی جیسے بے خیالی میں دیکھی ہو اور چہرے پر پریشانی کے تاثرات لاتے ہوئے کہا۔

"اف خدایا! یہ تو 8 بجنے والے ہیں۔ مجھے بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

"کیوں؟؟؟" ڈاکٹر نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"نٹالی براؤن کی وجہ سے۔ میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی کہ وہ کیوں آ رہی ہے اور کون ہے؟ مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔" میں نے

کمال معصومیت سے کہا۔

''ہم کس لئے ہیں جناب! سارا معاملہ ہم سنبھال لیں گے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' دونوں نے بڑی فراخدلی سے میرا حوصلہ بڑھایا۔

''اوہ شکریہ!!!'' میں نے خوشامد کی۔ ''تم لوگ کتنے اچھے دوست ہو۔ مجھے نتالی براؤن کے بارے میں کچھ بتاؤ تو سہی۔''

''مسٹر رسل کو غالباً یہ پسند نہیں آئے گا کہ نتالی براؤن زیر بحث آئے۔'' ایک نے کہا۔

''اونہہ۔ رسل کو تو یونہی حکم چلانے کا شوق ہے ورنہ اتنا تو میں جانتی ہی ہوں کہ اس کا تعلق بھی ہمارے ہی شعبے سے ہے۔ مجھے خود جدید تحقیقات سے بہت دلچسپی ہے۔ میں ایسے تمام پیپرز پڑھتی ہوں جن میں انوکھی تحقیقات کا تذکرہ ہوتا ہے۔''

''پھر تو تمہیں فوراً نتالی براؤن کے ساتھ منسلک ہو جانا چاہیے۔'' ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''وہ تو ہر روز ایک نیا تجربہ کرتی ہے۔''

''کیا واقعی؟ وہ اتنی قابل اور ماہر ڈاکٹر ہے۔ کاش میں اس کے ساتھ وابستہ ہوسکتی۔ میں کسی انوکھے تجربے میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔'' میں نے ضرورت سے زیادہ اشتیاق کا اظہار کیا۔

''بہت خوب!!!'' ڈاکٹر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ دھڑ سے کھلا اور رسل قدرے افراتفری میں اندر داخل ہوا اور فلپ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''مریض کی حالت تو ٹھیک ہے نا۔ نتالی براؤن پہنچ گئی ہے۔''

دونوں ڈاکٹر ایک بار پھر فلپ پر جھک گئے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ مجھے اس کا سیاہ چہرہ اور بھی بھیانک معلوم ہونے لگا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ اس کا منہ نوچ لوں۔ اس نے اپنی دادی کا چین قرار سب لوٹ لیا تھا۔ اس سے جینے کا بہانہ چھین کر اسے بھاری داموں فروخت کرنے پر تل گیا تھا۔ مجھے اس کے کہے ہوئے بے رحم لفظ یاد آئے۔ ''گرینی کو سکون چاہیے۔ اس کی بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں کہ وہ ایک مفلوج بوڑھے کی دیکھ بھال کر سکے۔''

اس نے اس مفلوج بوڑھے سے چھٹکارا حاصل کرنے کا یہ طریقہ سوچا تھا جو

ا کیلئے منافع بخش بھی تھا۔

میں دکھ اور پریشانی سے بے حال ہوگئی۔ میرا ضمیر مجھے اندر ہی اندر کچوکے نے لگا۔ اسی لمحے میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا اور نتالی براؤن کی آمد کا ار کرنے لگی۔ دونوں ڈاکٹر فلپ کی دیکھ بھال میں مشغول تھے۔ رسل بار بار ازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے خود کو آنے والی صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے طرح تیار کرلیا۔

دروازہ کھلا اور سرخ چہرے والا اندر داخل ہوا۔ اس کے ہمراہ کھلے ہاتھ پیر ایک دراز قد عورت تھی۔ اس نے اخروٹ کی رنگت والے بالوں کا کسا ہوا جوڑا سر چوٹی پر بنا رکھا تھا اور کانوں میں سرخ یاقوت کے ٹاپس پہن رکھے تھے۔ اس کا سیاہ اور سرخ کے امتزاج سے بنایا گیا تھا۔ اس کی تراش خراش جدید اور خوش وضع ۔اس کی چوڑی کلائی پر نسبتاً بڑے سائز کی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔

عام سے نقوش والے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل اس الوں سے ہم رنگ تھیں۔ شاید اس نے لینز لگا رکھے تھے۔ اس کی شخصیت میں کوئی ات ضرور تھی جو دیکھنے والے پر رعب بن کر چھا جاتی تھی۔

''تو یہ ہیں مسٹر فلپ۔'' اس نے پلنگ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

مجھے حیرت ہوئی۔ اس کی آواز غیر معمولی طور پر دلکش اور مترنم تھی۔ اس میں یسی دلآویز کھنک تھی جیسے جلترنگ ایسا ملائم ساز بج رہا ہو یا چاندی کی ننھی منی ں بج اٹھی ہوں۔

''یس میڈم!'' سرخ چہرے والے نے مستعدی سے جواب دیا۔

وہ فلپ پر جھکی اور اس کی بند آنکھوں کے پپوٹے کھول کر دیکھے۔ پھر اس کی ور اس کے دل کی دھڑکن جانچی اور بولی۔ ''اسے میری لیبارٹری تک منتقل کرنے انتظام ہے یا مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' اس نے استفسار کیا۔

''ہم نے اس کا انتظام کر رکھا ہے میڈم!'' اس نے جواب دیا۔

''مہربانی۔'' اس نے ایڑیوں پر گھوم کر کہا اور اپنا سرخ پرس جھلاتی ہوئی ے کی طرف بڑھی۔ میں اسی وقت کے انتظار میں تھی۔ وہ جیسے ہی میرے قریب

پہنچی۔ میں نے بڑی جرأت سے اسے مخاطب کرلیا۔

''میڈم براؤن! کیا میں آپ سے ایک چھوٹی سی درخواست کرسکتی ہوں؟''

وہ چلتے چلتے رک گئی اور اس نے دلچسپی سے میری طرف دیکھا۔ ''بڑی خوشی سے۔'' اس نے خوش مزاجی سے کہا۔ ''لیکن اس سے پہلے یہ ضرور بتا دو کہ تم کون ہو؟''

سرخ چہرے والے کی گوشت میں دھنسی ہوئی آنکھیں مجھے گھورنے لگیں۔ رسل نے نظروں ہی نظروں میں مجھے تنبیہہ کرنے کی کوشش کی لیکن میں ان سب سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ میں نے بغیر گھبرائے صاف لفظوں میں کہا۔ ''میرا نام ریطہ ہے اور میں بھی میڈیکل سائنس کے شعبے سے وابستہ ہوں۔''

''وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔'' اس نے سر ہلایا تو اس کے کانوں میں پہنے ہوئے قیمتی پتھروں کا لشکارا سامنے کی دیوار پر پڑنے لگا۔

''میڈم! میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ منسلک کرلیں۔ میں آپ سے سیکھنا چاہتی ہوں۔ میری دلی آرزو ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے۔'' میں نے اپنے لفظوں میں تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہوں!!!'' اس نے آنکھیں پھیلا کر لمبی سی ہوں کی اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ''بہت دلچسپ' بہت حیرت انگیز!!!'' اس نے اپنے سرخ پرس سے میرے کاندھے کو چھوا۔

''خوبصورت لڑکی! تم کوئی گڑبڑ کرنے کے موڈ میں تو نہیں ہو؟''

''آپ بے شک میری درخواست رد کر دیں لیکن میری نیت پر شبہ نہ کریں۔'' میں نے برا مانتے ہوئے خفگی سے کہا۔

''اوہ! حسین چہرے والی لڑکی تم برا مان گئیں۔ میں تمہیں ایک موقع ضرور دوں گی۔'' اس نے خوشگواری سے بات مکمل کی۔

سرخ چہرے والا فوراً سر جھٹک کر سیدھا ہوا۔ ''میڈم براؤن! اس لڑکی کے بارے میں کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔''

''اس کا معصوم چہرہ ہی اس کی ضمانت ہے۔ مجھے اس کی جرأت پسند آئی ہے۔ میں اُسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' اس نے قطعی لہجے میں بڑے رعب سے

کہا اور مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''لڑکی! کیا تم ابھی میرے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو؟''

''بڑی خوشی سے۔'' میں نے جلدی سے جواب دیا اور فاتحانہ نگاہوں سے رسل اور سرخ چہرے والے کی طرف دیکھا۔

''لیکن میڈم ہم اس کو ہائی کمان کی اجازت کے بغیر۔'' سرخ چہرے والے نے مداخلت کرنا چاہی۔

''اپنی اس من من کو بند کرو۔ تم جانتے ہوئے کہ ہائی کمان سے کون زیادہ قریب ہے۔ تم اپنی یہ وفاداریاں اپنی پاکٹ میں رکھو۔'' اس نے بے حد خفگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''تھینک یو میڈم!'' میں نے اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

سرخ چہرے والے کا چہرہ اور سرخ ہو گیا اور اس نے غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں اپنے نچلے ہونٹ کو کاٹ کر نیلا کرلیا۔

''آؤ!!'' نٹالی براؤن نے مجھے اشارہ کیا۔ ''تمہارا کوئی سامان بھی ہے؟''

''نہیں' میں بے سروسامان ہوں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا اور اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئی۔

کچھ راہداریوں اور برآمدوں میں سے گزرتے ہوئے ہم پورچ تک پہنچے جہاں اس کی سرخ سپورٹس کار کھڑی تھی۔ سرخ چہرے والے نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر ہی اندر غصے سے کھول رہا تھا اور میری طرف قہر آلود نگاہوں سے بار بار تکتا تھا۔

میں دوسری طرف کے دروازے کی طرف بڑھی تاکہ جلدی سے بیٹھ جاؤں کہ کسی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے روک لیا۔ میں نے گھبرا کر دیکھا۔ وہ رسل تھا اور بے حد سنجیدہ۔

''بیوقوف لڑکی! ادھر آؤ۔ میری ایک بات سنو۔'' اس نے دانت بھینچ کر کہا اور مجھے زبردستی کھینچتا ہوا ایک درخت تلے آن ٹھہرا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے ناگواری سے اپنا بازو چھڑوایا۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو پاگل۔ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ نٹالی براؤن کیسی خبیث عورت ہے۔ اس کے ساتھ جا کر تم نقصان اٹھاؤ گی۔'' اس نے تشویش بھری ملامت سے کہا۔

''اور تم نے جو مسٹر فلپ کو اس کے ہاتھ بیچا ہے۔'' میں نے جتایا۔

''اس کی بات اور ہے۔'' وہ جھنجلایا۔

''کیوں؟ اس کی بات کیوں اور ہے۔ وہ بھی تو انسان ہے اور تمہارا دادا بھی ہے۔'' میرا انداز اور کاٹ دار ہو گیا۔

''احمق! وہ کسی کام کا نہیں' اسے آج یا کل مر ہی جانا ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''اور تم...... اتنے کمینے اور بدذات ہو کہ تم نے اس سے پرسکون موت بھی چھین لی ہے۔ شیطان بھی تم جیسے سیاہ باطن سے پناہ مانگتا ہے۔'' میں نے اپنے اندر کی ساری نفرت اپنے لفظوں میں بھر کر کہا۔

''جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔'' اس نے مجھے جھنجھوڑ کر کہا۔

''اور یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔'' میں نے اپنے بازو سے اس کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کی۔

وہ اپنا سیاہ چہرہ میرے چہرے کے مقابل لے آیا اور دانت پیس کر بولا۔

''یہ تمہارا ذاتی معاملہ نہیں ہے بلڈی فول۔ اس میں میری ذات کو بھی دخل ہے۔ مجھے تم عزیز ہو اور شاید میں تم سے محبت بھی کرنے لگا ہوں۔''

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ''محبت کا نام نہ لو اپنے گندے منہ سے۔ کمینے' ذلیل۔ تمہیں جذبوں یا رشتوں کی کیا پہچان۔ پہلے تم اپنے باپ دادا کو بیچ کر فارغ ہو لو پھر محبت بھی کر لینا۔'' میں نے غصے سے تپتے ہوئے لفظ اس کے منہ پر کھینچ مارے۔

اس نے بھنا کر جیسے مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا لیکن میرے چہرے کے قریب لا کر روک لیا اور اپنے سیاہ چوڑے چکلے ہاتھوں میں میرا چہرہ تھام کر بولا۔

''تم یقین کرو یا نہ کرو تم ہی وہ پہلی لڑکی ہو جس نے میرے دل کی دنیا آباد کی ہے۔'' اس نے اپنا کریہہ سیاہ چہرہ ہولے ہولے جھکایا۔

میں نے کراہت کے ساتھ پوری قوت سے اس کے ہاتھ جھٹکے اور انتہائی نفرت سے چلا کر کہا۔ ''میں تمہارے منہ پر تھوکتی ہوں بدصورت گوریلے!'' اور دوڑتی ہوئی اس کی کار تک پہنچی۔

نٹالی براؤن نے میرے لئے دروازہ کھولا۔ میں نے اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کیا تو میں ہانپ رہی تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''یہ سیاہ بھدا ریچھ تم سے کیا کہہ رہا تھا؟''

''یونہی بکواس کر رہا تھا۔'' میں نے غصے سے سر جھٹکا۔

''یہ تو ان مردوں کی پرانی عادت ہے۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔

میں غصے سے کھول رہی تھی اس لئے میں نہیں چاہتی تھی کہ میری کوئی بات اسے کھٹک جائے۔ میں نے اپنا آپ داؤ پر لگایا تھا اور اس سے بہتر نتائج حاصل کرنا چاہتی تھی۔

''تمہارا موڈ تو اس سیاہ ریچھ نے کچھ زیادہ ہی خراب کر دیا ہے۔'' اس نے میری خاموشی کی جانب اشارہ کیا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔

وہ بہت تیز رفتاری سے کار چلاتی تھی لیکن غیر محتاط نہیں تھی۔ وہ جس راستے پر جا رہی تھی وہ میرے لئے نیا تھا۔ اسی لئے میں بہت غور سے شیشے کے باہر دیکھ رہی تھی لیکن تیز رفتار گاڑی میں اردگرد تیزی سے دوڑتے ہوئے مناظر پر نگاہ جمانا ممکن نہیں تھا۔ اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور میری طرف بڑھا کر بولی۔

''لو!!!''

''نہیں شکریہ! میں سگریٹ نوشی نہیں کرتی۔'' میں نے معذرت کی۔

''اچھی عادت ہے' سگریٹ پینا بھی نہ۔'' اس نے دو تین کش لئے اور ناک سے دھواں چھوڑتی ہوئی بولی۔ ''تم اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟''

''کیا اتنا کافی نہیں جتنا آپ جانتی ہیں۔'' میں نے سنبھل کر گول مول سا جواب دیا۔

"ہاں اتنا بھی کافی ہو سکتا ہے بلکہ کافی ہی ہے۔" اس نے برا مانے بغیر فراخدلی سے کہا۔

میں اس کے کسی اور سوال کا جواب دینے کیلئے چوکس رہی لیکن اس نے پھر کوئی استفسار نہیں کیا اور خاموشی سے کار چلاتی رہی۔ اسے ڈرائیونگ کرتے ہوئے گھنٹے سے کچھ اوپر ہی ہو گیا تو کار سبزے اور درختوں سے گھری ہوئی ایک شاندار عمارت میں داخل ہوئی۔ کار ابھی پورچ میں رکی بھی نہیں تھی کہ ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس نے بڑے ادب سے دروازہ کھولا۔ ثنالی براؤن کے باہر نکلتے نکلتے میں بھی دوسری طرف سے باہر آ گئی۔

* * *

پورچ اور ملحقہ برآمدہ دونوں ہی بہت شاندار تھے۔ جگہ جگہ آرائشی گملے سجے ہوئے تھے اور ستونوں پر سبز بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ فضا میں سبزے کی گیلی گیلی سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اس نے دروازہ کھولا اور ہم ایک گیلری میں سے ہو کر بڑے ہال کمرے میں پہنچے جس کے درمیان میں ایک بے حد خوبصورت فانوس لٹک رہا تھا۔ کمرے میں بہت سی آرام دہ نشستیں تھیں۔ دیواروں پر مشہور مصوروں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ کمرے کے داہنے کنارے پر سے ایک زینہ اوپر کی منزل پر جاتا تھا جس پر کرمزی قالین بچھا ہوا تھا۔

ثنالی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بڑی بے تکلفی سے پوچھنے لگی۔ "تم تھک تو نہیں گئیں؟"

"نہیں کچھ زیادہ نہیں۔ سفر خوشگوار تھا۔" میں نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔

"پھر بھی کچھ دیر آرام کر لو۔ آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔" اس نے زینے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ میرے آگے آگے زینہ طے کرنے لگی۔ میں دبیز کرمزی قالین پر پاؤں دھرتی اس کے عقب میں چلی۔ اس نے دائیں ہاتھ پڑنے والے سب سے آخری کمرے کا دروازہ کھولا۔

"آؤ!!" اس نے نرمی سے کہا۔

میں اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ سادگی سے آراستہ کمرہ آرام دہ اور پر آسائش نظر آتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر وارڈ روب کھولا۔ مجھے حیرت ہوئی۔

ہینگروں پر بہت سے خوش رنگ ملبوسات اس طرح لٹکے ہوئے تھے جیسے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکانوں پر سجے ہوتے ہیں۔

''ان میں سے اپنے لئے کوئی لباس منتخب کرلو۔'' اس نے میری طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے تو یہاں پوری دکان سجا رکھی ہے۔ کیا یہاں اور لوگ بھی رہتے ہیں؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے میرے سوال کو نظر انداز کر دیا اور چلتے چلتے بولی۔ ''ڈنر کیلئے گانگ بجے تو نیچے آ جانا۔ ٹیبل پر صرف پانچ منٹ ہی انتظار کیا جاتا ہے۔''

''بہت بہتر۔'' میں نے مستعدی سے کہا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

میں نے دروازہ اندر سے لاک کر کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ میری زندگی میں ان چند ہی دنوں میں کیسے کیسے انقلاب آئے تھے۔ میں جیسے ریطہ رہی ہی نہیں تھی۔ کوئی نئی لڑکی بن گئی تھی۔ میرے چاروں طرف کی دنیا یکسر بدل گئی تھی۔ میں گھر کے عافیت کدے سے نکل کر کسی عقوبت خانے میں چلی آئی تھی۔ یادوں کا سرمایہ بے حد قیمتی لیکن تکلیف دہ تھا۔ میری ساری محبتیں' میرے سارے رشتے ایک ایک کر کے میری زندگی سے نکل گئے تھے اور میرے دامن میں یادوں اور تلخیوں کے سوا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ نہ میں واپس پلٹ سکتی تھی اور نہ آگے جانے کا کوئی راستہ ہی نظر آتا تھا۔ میں کچھ دیر یونہی پریشان اور اداس کڑھتی رہی۔ پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے کے سپرد کر دیا اور آگے بڑھ کر وارڈ روب کا جائزہ لیا۔ اس میں زیادہ تر مغربی طرز کے لباس تھے۔ میں نے اپنے لئے ایک ٹراؤزر اور بلاؤز نکالا اور غسل خانے میں گھس گئی۔

گرم پانی سے غسل نے میری تھکن کو زائل کر کے میرے اعصاب کو سکون بخشا۔ میں آئینے کے سامنے بیٹھ کر ابھی بال سکھا رہی تھی کہ ڈنر کا گانگ بجنے لگا۔ میں نے اٹھ کر جوتے پہنے اور زینہ اتر کر نیچے آئی۔ میں نے ہال میں چاروں طرف دیکھا تا کہ پتہ چلا سکوں کہ کھانے کا کمرہ کس طرف ہے۔ دائیں جانب ایک بند دروازہ کھول کر ایک ملازم باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی تھی اور اس نے

صاف ستھرا لباس پہن رکھا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بڑے آداب سے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسری طرف مڑ گیا۔

میں کمرے میں داخل ہوئی تو گرم کھانے کی لذیذ خوشبو نے میرا استقبال کیا۔ ثنالی وہاں پہلے سے موجود تھی اور ایک لمبی شاندار ڈائننگ ٹیبل کے ایک سرے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ڈھیلا ڈھالا سا قیمتی گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کے اخروٹی بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے بہت جچ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے استقبالیہ مسکراہٹ میری جانب اچھالی۔ میں بھی جواباً مسکرائی اور میز کے دوسرے سرے پر بیٹھ گئی۔ قیمتی کراکری میں سجے ہوئے خوش رنگ کھانوں کو دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ رنگ اور خوشبو کی طرح کھانوں کا ذائقہ بھی اچھا تھا۔ میں نے سیر ہو کر کھایا۔ البتہ وہ برائے نام ہی کھاتی رہی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ میرا ساتھ دینے کی غرض سے ٹھونگ رہی ہے۔

میں نے کھانا ختم کیا تو اس نے بھی کانٹا اور چمچ پلیٹ میں رکھ کر نیپکن سے اتھ صاف کر لئے۔ ملازم گرم گرم کافی لے آیا۔ اس نے کافی پیالی میں انڈیل کر میری رف بڑھائی اور دوسری پیالی اپنے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

''تم میری کس قسم کی معاونت کرنا چاہتی ہو؟''

میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ تجربات کرتی رہتی ہیں اور اس شعبے میں آپ کا بڑا نام ہے۔ مجھے بھی تجربے کرنے اور نئی دنیائیں دریافت کرنے کا شوق ہے لیکن عام ہسپتالوں میں اس کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ وہاں تو بس وہی لگی بندھی بیماریاں ہیں۔ روز و شب کی اس یکسانیت سے بہت اکتاہٹ ہوتی ہے۔ میں کسی تبدیلی کی خواہشمند تھی کہ آپ سے فارف ہو گیا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے ساتھ شریک ہونے کی جازت دے دی ہے۔ میں آپ کی اس عنایت کیلئے ممنون ہوں۔''

وہ میری لمبی تقریر خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر کافی کا ایک گھونٹ بھر کر بولی۔ ''مگر یہ بھی تو پتہ چلے کہ تمہاری دلچسپی کا شعبہ کون سا ہے؟''

''میری دلچسپی کا شعبہ تو انسانیت کی خدمت ہے۔ میں انسان کے دکھوں کا

مداوا کرنا چاہتی ہوں۔ کسی بھی پہلو سے، کسی بھی انداز سے۔'' میں نے صاف لفظوں میں جتایا۔

ریٹا کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ آئی۔ ''تو تم دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتی ہو۔''

''میں نے اسی لئے میڈیکل کا شعبہ چنا ہے کہ اس میں براہ راست انسانوں سے واسطہ رہتا ہے، دکھ تکلیف اور بیماریوں کی زد میں آئے ہوئے لوگوں سے ان کی خدمت کر کے جو ذہنی سکون ملتا ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیا۔

''لیکن تمہارا شعبہ تو نرسنگ ہے۔ اس میں تو اتنی گنجائش نہیں۔'' وہ بولی۔

''میں نے تمام ریفریشر کورسز کیے ہیں اور آج کل کینسر پر ریسرچ کر رہی ہوں۔'' میں نے کچھ مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔

''ہوں!!'' اس نے سوچ میں ڈوبی ہوئی لمبی سی ہوں کی۔ ''ابھی مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمہارے لئے کون سا شعبہ مناسب رہے گا۔''

''مجھے مسٹر فلپ کے کیس سے بھی دلچسپی ہے۔ آپ مناسب سمجھیں تو میں اس میں معاونت کرنا چاہوں گی۔'' میں نے محتاط سے لہجے میں کہا۔

''فلپ! اوہ وہ مسٹر فلپ!! تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟'' نالی براؤن نے بہت غور سے میری طرف دیکھا۔

''وہی دلچسپی جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہوتی ہے۔'' میں نے غیر واضح سا جواب دیا۔

اس نے بغیر کچھ کہے سر کو جنبش دی۔ پھر کرسی دھکیل کر اٹھی اور تحکمانہ سے لہجے میں کہنے لگی۔ ''فی الحال تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ آنے والی صبح میں کوئی فیصلہ کریں گے۔''

وہ بھی میرے ساتھ ہی اٹھی۔ اس نے شب بخیر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں اس سے چند قدم پیچھے رہی۔ ملازم ہاتھ میں ٹرے تھامے ایک جانب مؤدب کھڑا تھا تا کہ میں رخصت ہوں تو وہ کھانے کے برتن سمیٹے۔ پہلے مجھے خیال آیا

کہ اس سے کچھ بے تکلفی پیدا کرنے کی کوشش کروں لیکن پھر میں نے سوچا کہ پہلے ہی دن یہ مناسب نہیں ہوگا۔

اپنے کمرے میں آ کر سلیپنگ سوٹ پہنتے ہوئے میں اپنے ذہن میں آئندہ کیلئے لائحہ عمل مرتب کرتی رہی۔ میں نے سوچا کہ آج رات میں نیند کو بھگانے کی کوشش کروں گی تا کہ یہ معلوم کر سکوں کہ یہاں رات کے وقت کیا ہوتا ہے؟ ہوسکتا ہے اس سے مجھے کچھ بہتر معلومات حاصل ہوسکیں۔ میں نے دروازہ اندر سے لاک کیا اور بستر پر دراز ہوگئی۔ سائیڈ ٹیبل کے نچلے خانے میں پڑے ہوئے رسالوں میں سے ایک رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی کیونکہ میرا پروگرام تمام رات جاگنے کا تھا۔ اسی لئے میں نے تکیے پر سر نہیں رکھا اور پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز سی ہوگئی۔ ایک مضمون نسبتاً دلچسپ تھا۔ میں توجہ سے اس کا مطالعہ کرنے لگی۔

اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے گانگ بجا ہے۔ میں نے چونک کر دیکھا باہر پھیلا ہوا سیاہ اندھیرا غائب تھا اور روشندان میں سے دھوپ کی ایک واضح لکیر قالین تک کھنچی ہوئی تھی۔ میں نے سر جھٹک کر پھر غور کیا۔ میں پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے اسی انداز میں نیم دراز تھی اور میرے ہاتھ سے رسالہ چھوٹ کر میرے قریب ہی بیڈ پر گرا ہوا تھا۔ گانگ کی آواز پھر کمرے میں گونجی۔ میری نگاہ دیوار پر لگے ہوئے کلاک پر پڑی۔ اس کے سیاہ چمکیلے حروف 9 بجا رہے تھے۔ سورج کی روشنی گواہی دے رہی تھی کہ وہ صبح کے 9 بجے تھے۔ میری حیرت بڑھ گئی۔ یہ تو صرف چند لمحے کی بات معلوم ہو رہی تھی کہ میں لباس بدل کر بستر پر دراز ہوئی تھی اور میں نے وہ رسالہ پڑھنے کیلئے اٹھایا تھا۔ ابھی رات بھیگی نہیں تھی۔

مگر اب...... اب تو جیسے پلک جھپکتے میں صبح ہو چکی تھی۔ میں نے اچنبھے سے سوچا کیا میں اتنی گہری نیند سوئی تھی کہ رات کے بیت جانے کا احساس ہی مٹ گیا تھا؟ حالانکہ میں نے تو رات جاگ کر کاٹنے کا تہیہ کیا تھا مگر ساری رات سو کر گنوا دی تھی۔ مجھے خود پر ندامت ہوئی اور بے حد غصہ آیا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ شاید گزشتہ بے خواب راتوں کی نیند آرام دہ بستر دیکھ کر میری آنکھوں میں سما گئی تھی جب ہی تو مجھے اپنی سدھ بدھ نہیں رہی تھی۔

گانگ کی آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی۔ میں تیزی کے ساتھ بستر سے اٹھی اور الٹی سیدھی تیاری کر کے تیز قدموں سے زینہ اتر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ثنالی براؤن ایک کرسی پر بیٹھی میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے فوراً اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی۔

''صبح بخیر! مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟'' میں نے اسے مخاطب کیا۔

اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے شان بے اعتنائی سے سر ہلایا اور اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ آج بھی اس کا گاؤن بے حد قیمتی تھا اور بالوں کے گردن پر ڈھلکے ہوئے جوڑے نے اس کے چہرے پر نرمی کا تاثر پیدا کیا تھا۔ میں نے بھی نیپکن اٹھایا اور کانٹا چھری سنبھال کر ناشتہ کرنے لگی۔ کمرے میں خاموشی کی دبیز تہوں کو صرف کانٹے چھری کی آوازیں ہی شکستہ کرتی رہیں۔

''تم جوس پسند کرو گی یا کافی؟'' ریٹا نے استفسار کیا۔

''کافی ہی ٹھیک رہے گی۔'' میں نے طبیعت پر چھائے ہوئے اضمحلال کو دور کرنے کے خیال سے کہا۔

اس نے میرے لئے پیالی میں کافی انڈیلی اور خود جوس کا گلاس تھام لیا۔ کافی خوب گرم تھی اور خوش ذائقہ بھی۔ دو پیالیاں پی کر میری ساری سستی کافور ہوگئی۔ ثنالی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھی۔ میں نے بھی کرسی دھکیلی اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسے مخاطب کر لیا۔

''میڈم! کیا آج میں آپ کے ساتھ کسی کام میں شریک ہو سکتی ہوں؟''

ثنالی نے اپنی اخروٹ کے رنگ جیسی پھیکی پھیکی سی آنکھوں سے مجھ پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔ ''نہیں! آج تمہیں صرف یہی کرنا ہے کہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر میرے تجربات کے بارے میں لٹریچر کا مطالعہ کرو تاکہ تمہاری معلومات اس بارے میں مکمل ہو جائیں۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔''

''مجھے خوشی ہوگی۔'' میں نے مستعدی سے جواب دیا۔

''اب تم اپنے کمرے میں جا سکتی ہو۔ لٹریچر تمہیں وہیں پہنچ جائے گا۔'' اس کے لہجے میں تحکم در آیا۔ اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں بھی زینہ طے کر

ے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

میں گرم پانی سے غسل کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال سکھا رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ ملازم کچھ فائلوں کا پلندہ لئے اہر کھڑا تھا۔ میں دروازے سے ہٹ گئی۔

''انہیں وہاں میز پر رکھ دو۔'' میں نے رائٹنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا اور میز پر فائلیں رکھ کر پلٹا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے اسے مانوس کرنے کیلئے پوچھا۔

''مجھے پرل کہتے ہیں۔'' وہ مؤدب لہجے میں بولا۔

''بہت اچھا نام ہے تمہارا۔'' میں نے تعریف کی۔

اس نے گھٹنوں میں خم دے کر میرا شکریہ ادا کیا اور بڑے ادب سے جانے لی اجازت چاہی۔

''تم کھانا بہت اچھا بناتے ہو۔'' میں نے بات کرنے کی خاطر کہا۔

''کھانا باورچی بناتا ہے۔ میں سروس مین ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں ھے اطلاع دی۔

''تمہاری سروس بھی بہت اچھی ہے۔'' میں نے بات کو طول دینے کی خاطر لہا۔

اس بچارے کو پھر شکریہ کہنے کیلئے خم ہونا پڑا۔ میں نے سوچا کہ آج کیلئے اتنا ا بہت ہے اس لئے اسے جانے کی اجازت دیدی۔

تب تک میرے بال سوکھ گئے تھے۔ میں نے انہیں سیٹ کیا اور آن کر میز بیٹھ گئی۔ مختلف رنگوں کی فائلوں کا ڈھیر میرے سامنے تھا جو رنگوں کے لحاظ سے فیتوں ں بندھی ہوئی تھیں۔ میں نے سبز فائلوں پر لپٹے ہوئے فیتے کو کھولا اور ایک فائل کو ائزہ لینے کی غرض سے کھولا۔ اس میں ٹائپ کیے ہوئے کاغذات سلیقے سے کلپ لگا کر کھے ہوئے تھے۔ میں نے پہلا صفحہ کھولا۔ اس میں زیادہ تر انسانی جسم میں پائے انے والے خلیوں کی بناوٹ اور تقسیم وغیرہ پر بحث کی گئی تھی۔ میں نے چند صفحے پڑھے مگر وہ اس قدر دقیق اور خشک تھے کہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔

میں نے کچھ صفحے یونہی پلٹ دیئے اور کوئی نیا موضوع تلاش کرنا چاہا۔

گانگ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے کلاک کی طرف دیکھا ابھی تو ناشتہ کیا تھا۔ میں نے سوچا لیکن گھڑی کی سوئیوں نے مجھے حیرت و استعجاب میں ڈبو دیا۔ کلاک کی سوئیاں پورا ڈیڑھ بجا رہی تھیں۔ میں نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ یہی وقت تھا۔ مجھے اور حیرت ہوئی۔ میں میز پر لٹریچر پڑھنے بیٹھی تھی تو بمشکل 10 بجے تھے۔ میں نے چار یا پانچ صفحے ہی پڑھے تھے۔ فائل دسویں صفحے پر کھلی ہوئی تھی۔ میرے ذہن پر دھندسی چھائی ہوئی تھی اور منہ کا مزہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں تھا کہ میں اس سارے وقت میں کیا کرتی رہی تھی۔ مجھ پر غفلت طاری تھی یا میں سوگئی تھی کیونکہ جس وقت میں گانگ کی آواز سے ہوشیار ہوئی تھی۔ اس وقت میرا چہرہ میز پر ٹکا ہوا تھا مگر مجھے احساس تک نہیں ہوا تھا کہ میں کب سوگئی تھی۔

میں نے فکرمندی سے سوچا کہ مجھے اس قدر گہری نیند کیوں آ رہی تھی۔ رات بھی میں اس طرح غافل ہوئی تھی کہ مجھے تکیے پر سر رکھنے کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ میں جس طرح بیٹھی تو اسی طرح سوگئی تھی۔ میں اکثر رات کی ڈیوٹی کرتی تھی لیکن کبھی میری پلک تک نہیں جھپکی تھی۔ پھر یہ اچانک مجھے کیا ہوگیا تھا؟ جو میں اس طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھی۔ میری ابھی سوچوں میں گانگ کی تیز آواز نے پھر مداخلت کی۔ میں بے دلی سے اٹھی اور الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچی۔ نثالی کھانے پر موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور خوشدلی سے پوچھنے لگی۔ ''تم نے کچھ فائلوں کا مطالعہ کیا؟''

میں دل ہی دل میں نادم سی ہوگئی۔ نثالی کو یہ بتانا کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا کہ میں اب تک سوتی رہی تھی۔ اسی لئے میں نے گول مول سا جواب دیا۔ ''جی ہاں! کوشش تو کر رہی ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ سب کچھ دلچسپ محسوس ہوگا۔ اگر کوئی وقت ہو تو مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔'' وہ کمال فراخدلی سے کہنے لگی۔

میں نے جواب میں بس ہوں ہاں ہی کی اور بھوک نہ ہونے کے باوجود کھانا کھانے لگی۔

''کافی لوگی؟'' اس نے کھانا ختم کر کے کہا۔

میرا سر چکرا رہا تھا اور ذہن حاضر نہیں تھا۔ میں نے خود کو سستی کے اس جال سے نکالنے کیلئے کافی کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اس کی گرم گرم چسکیوں نے مجھے تسکین دی اور میں پہلے کی نسبت بہتر محسوس کرنے لگی۔ وہ اپنی کافی ختم کر کے اٹھی۔

''شام کی چائے تم اپنے کمرے میں ہی پیو گی۔ اب رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔''

میں پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ رائٹنگ ٹیبل پر ابھی تک فائلوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا مگر میرا ان کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں اپنے آپ میں ہی الجھی ہوئی تھی۔ میرے اندر ہونے والی کھدبد مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دے رہی تھی۔ میں بہت دیر تک کمرے میں ٹہلتی رہی لیکن مجھ پر کچھ بھی واضح نہیں ہو سکا۔ آخر تھک کر میں کمرے میں پڑی ہوئی صوفہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

مجھے محسوس ہوا کہ مجھ پر غفلت سی چھا رہی ہے۔ میرے پپوٹے بوجھل ہو رہے ہیں اور سر بھاری ہو چلا ہے۔ مجھے فضا میں بلند ہونے کا احساس ہوا۔ میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کی سعی کی اور چاہا کہ کرسی پر سے اٹھ جاؤں لیکن مجھ پر سستی کا اس قدر غلبہ ہوگیا کہ میں اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرسکی۔ گھنٹے کی آواز نے مجھے غفلت سے چونکایا۔ میں نے آنکھیں مل کر چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا جو رات کے چھا جانے کا ثبوت تھا۔ میں نے اندازے سے ٹٹول کر ٹیبل لیمپ روشن کیا اور میری پہلی نگاہ کلاک کی جانب گئی۔ مجھے تعجب نہیں ہوا۔ میری توقع کے مطابق رات کے ساڑھے 9 بج رہے تھے۔ گویا مجھ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی تھی جو کل رات سے مجھ پر بار بار مسلط ہوتی رہی تھی۔

میں نے منہ ہاتھ دھو کر بال ٹھیک کیے اور کھانے کیلئے نیچے اتری۔ نثالی براؤن حسب معمول میز پر پہلے سے موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے چند رسمی جملے کہے اور میں کرسی پر بیٹھ گئی تو وہ سرسری سے لہجے میں بولی۔ ''تم بہت گہری نیند سوتی ہو۔ پرل چائے کیلئے تمہارے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن تمہیں خبر نہیں ہوئی۔''

پہلے میں نے سوچا کہ اپنی اس غیر معمولی نیند کا تذکرہ اس سے کروں لیکن پھر جیسے میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کر دیا اور میں نے کسی خاص تاثر کا اظہار کیے بغیر بے حد عام سے لہجے میں جواب دیا۔

''ہاں! میری نیند سے سب کو ہی شکایت رہتی ہے۔''

ثنالی نے بہت غور سے میری طرف دیکھا۔''تم ہمیشہ اتنی ہی گہری نیند سوتی ہو؟''

میں نے اس کی تمام حرکتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔''ہاں! میں ہمیشہ سے ہی گھوڑے گدھے سب بیچ کر سوتی ہوں۔''

''ہوں!!'' اس کی آنکھوں میں گہری سوچ ابھری۔''سونے سے پہلے یا سو کر اٹھنے پر تمہیں اپنا سر بھاری تو محسوس نہیں ہوتا؟ یا چکر وغیرہ آتے ہوں؟''

''نہیں! ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔'' میں نے صاف جھوٹ بولا۔

''تم کسی مسکن دوا کی عادی تو نہیں ہو؟'' اس نے استفسار کیا۔

''نہیں! بالکل نہیں!! میں نے تو کبھی سلیپنگ پلز بھی استعمال نہیں کیں۔'' میں نے پورے وثوق سے کہا اور خود کو کھانا کھانے میں مصروف ظاہر کیا لیکن میں نیچی نگاہ سے دیکھ رہی تھی کہ ثنالی کچھ الجھ گئی ہے اور ذہنی طور پر کسی معاملے پر غور کر رہی ہے۔

تھوڑے توقف کے بعد اس نے پھر کوئی استفسار کرنا چاہا لیکن نجانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئی اور خود بھی کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔ اس کے اس غیر معمولی رویئے نے مجھے چونکا دیا۔ اس کا اس طرح کرید کرید کر پوچھنا خالی از مصلحت نہیں تھا۔ اسے اس قدر تشویش میں مبتلا ہونے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ میں بظاہر کھانا کھا رہی تھی لیکن میرا ذہن بھی ایک نئے زاویئے سے سوچ رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ میں آج ثنالی براؤن کو اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔

''یہ لو کافی۔'' اس نے پیالی میری طرف بڑھائی۔

''نہیں، اس وقت نہیں۔'' میں نے صاف انکار کر دیا اور اپنے اس انکار کے

لل کو دیکھنے لگی۔

''تمہیں تو کافی پسند ہے۔'' اس نے محتاط سا اصرار کیا۔

''ہاں! مجھے کافی پسند ہے مگر میں اس لئے نہیں پی رہی ہوں کہ کل رات کی ح آج بھی مجھے کہیں جاگنا نہ پڑے۔'' میں نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

''کل رات تمہیں نیند نہیں آئی؟'' اس کے سوال میں ہلکی سی حیرت پوشیدہ ا۔

''ہاں، کل رات تو ساری رات ہی جاگنا پڑا۔ شاید راتے کے پچھلے پہر کہیں لگی تھی لیکن محسوس ایسا ہی ہوا کہ ساری رات جاگتی رہی ہوں۔'' میں نے بڑے ینان سے جھوٹ پر جھوٹ بولا۔

''تم نے ذکر نہیں کیا؟'' اس نے کہا۔

''یہ کوئی ایسی قابل ذکر بات بھی تو نہیں تھی۔ اکثر نئی جگہ پر میرے ساتھ ایسا اتا ہے۔'' میں نے لاابالیانہ انداز میں کہا۔

''چلو کوئی بات نہیں۔ آج تم سونے سے پہلے ایک گلاس گرم دودھ پی لینا۔ کتنی اچھی نیند آئے گی۔'' ثنالی نے متواضع لہجے میں کہا۔

''دودھ پینے سے تو مجھے سخت چڑ ہے۔ توبہ مجھے تو متلی ہو جاتی ہے۔'' میں ڑا سا منہ بنایا۔

''تو پھر تمہارے لئے جوس ٹھیک رہے گا۔ پرل جنگلی پھلوں کے عرق سے بہت ہی لذیذ جوس تیار کرتا ہے۔ میرا خیال ہے تم بھی اسے پسند کرو گی۔'' اس چھے میزبانوں کے انداز سے کہا۔

''نہیں! نہیں..... میں نے اس قدر کھا لیا ہے کہ کسی چیز کی گنجائش ہی نہیں ' میں نے انکار کر دیا لیکن اس نے میری بات ان سنی کر کے پرل کو بلا کر جوس کیلئے کہہ دیا۔

''میرے پیٹ میں تو بالکل گنجائش نہیں ہے۔'' میں نے اپنی بات پر زور

''پھر تو یہ تمہارے لئے اور بھی اچھا ہے۔ یہ کھانا ہضم کرنے کیلئے بہت ین

ہے۔'' ثنائی نے جواباً اصرار کیا۔

اس کے اصرار نے میرے شبہات کو اور زیادہ تقویت دی۔ میں آج اس کا دیا ہوا کوئی بھی مشروب نہیں پینا چاہتی تھی۔ میں نے جان چھڑانے کو حاضر دماغی سے ایک اور عذر پیش کیا۔

''میں مسلمان ہوں اور میں کوئی ایسا مشروب نہیں پی سکتی جس کے اجزائے ترکیبی مجھے معلوم نہ ہوں۔''

اس نے ناگواری سے میری طرف دیکھا۔ ''حیرت ہے کہ آج کے دور میں بھی تم اس قسم کی باتیں کر رہی ہو۔ یہ خلائی دور ہے لڑکی!''

''میڈم پلیز!!!'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ ''یہ میرے عقیدے کا معاملہ ہے۔ میں اس بارے میں کچھ سننا پسند نہیں کرتی۔''

''اچھا' اچھا!!! تمہیں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ مفاہمت پر اتر آئی۔ ''ابھی پرل تمہیں اس کے اجزائے ترکیبی بتا دیتا ہے۔ پھر تو تمہاری تسلی ہو جائے گا۔''

میرے لئے نیم رضامندی ظاہر کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں پرل شیشے کی صراحی میں گہرا کاسنی مشروب لے آیا۔ اس نے گلاس میرے سامنے رکھا اور چاہا کہ اس میں مشروب انڈیلے۔ ثنائی نے اسے روک دیا۔

''مسٹر پرل! پہلے مس کو بتا دو کہ تم نے یہ مشروب کس طرح تیار کیا ہے۔''

وہ صراحی رکھ کر پیچھے ہٹا اور مؤدب لہجے میں بولا۔ ''مس! ہم جڑی بوٹیوں کو کچھ دن پانی میں بھگو کر رکھتے ہیں اور بعد میں ان کا عرق کشید کر لیا جاتا ہے۔ ہم اس میں فلیور بھی ملاتے ہیں۔''

''شکریہ پرل!'' میں نے پرل سے کہا اور معذرت خواہانہ لہجے میں ثنائی کو مخاطب کیا۔

''مجھے افسوس ہے میڈم کہ میں یہ مشروب نہیں لے سکتی۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' ثنائی بھی نسبتاً خشکی سے کہتی ہوئی اٹھ گئی۔

مجھے اس کے رویے میں ہلکی سی جھلاہٹ اور غصہ نظر آیا لیکن میں نے اس

پروا نہیں کی۔ میں اس بات سے بے حد مطمئن تھی کہ آج میں نے وہ کافی نہیں پی جس کے بارے میں میں مشکوک ہو چلی تھی۔ میں تیز قدموں سے اپنے کمرے میں واپس آئی اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ بند کمرے میں مجھے قدرے محفوظ ہونے کا احساس ہوا۔ میں نے گہرا سانس لیا اور کمرے سے ٹہلتے ہوئے صورتحال پر نئے سرے سے غور کرنے لگی۔ مجھے اس عالم میں کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے اپنے وجود میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس کی۔ میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں جھنجھناہٹ سی ہونے لگی۔ جسم کی ہڈیاں چٹخنے لگیں اور کنپٹیوں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں نے سنبھل کر جھرجھری لی۔ یہ مجھے کیا ہو رہا تھا؟؟؟ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا لیکن میرے اندر ایک ایسی بے چینی کے ابال سے اٹھنے لگے جیسے کچھ کھو گیا ہو جیسے کسی شے کی شدید طلب چین نہ لینے دیتی ہو۔ میری ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ میرے لئے دیر تک کھڑے رہنا محال ہو گیا لیکن میں اس خوف سے بیٹھ نہیں رہی تھی کہ کہیں مجھ پر ویسی ہی غفلت طاری نہ ہو جائے جس نے گزشتہ رات مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا۔ میری پیشانی پسینے سے بھیگنے لگی۔

ایک عرصے تک طب کے شعبے سے وابستہ رہنے کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ ریٹا مجھے کافی میں کوئی طاقتور نشہ پلاتی رہی تھی۔ اب اس کی طلب مجھے بے چین کر رہی تھی۔ اس کا شعور پیدا ہوتے ہی میں نے خود کو اس چھا جانے والی بے چین کیفیت کے حوالے نہیں کیا نہ ہی میں نے خود کو اس طلب کے سامنے بے بس ہو جانے دیا۔ میں نے غسل خانے میں جا کر اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے اور کمرے میں آ کر اپنے بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور اپنے وجود کو کاٹتی ہوئی بے چینی کو بھلا کر مراقبہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

میں اکثر فرصت کے اوقات میں مراقبہ کیا کرتی تھی جس سے مجھے بہت سکون ملتا تھا۔ مجھے ارتکاز توجہ میں تھوڑی دقت تو ہوئی لیکن پوری کوشش سے میں نے اپنی توجہ اس طلب کی جانب سے آہستہ آہستہ ہٹا لی جو میری رگ و پے میں گردش کرتے ہوئے میں بے چینی بن کر دوڑ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ میں پرسکون ہوتی گئی اور اس طلب کی شدت سے میرا ذہن خالی ہوتا چلا گیا۔ میں ایک لمبے عرصے تک اسی عالم میں

رہی۔ میرے اعصاب کا تناؤ ختم ہوا اور میں نے خود کو تر و تازہ محسوس کیا۔

میں اب نارمل تھی اور میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بیدار ہو چکی تھیں میں سب سے پہلے ان فائلوں کی طرف متوجہ ہوئی جو نتالی نے مطالعے کیلئے بھجوائی تھیں۔ ان کی ورق گردانی سے میں نے اندازہ لگایا کہ ان میں نتالی نے اپنے کن تجربات کا ذکر کیا ہے۔ میں نے کچھ صفحات دیکھے۔ وہ بے حد الجھے ہوئے مباحث تھے جنہیں سرسری نظر سے جانچنا ممکن نہیں تھا اور نتالی کو اچھی طرح جاننے اور اس کے تجربات سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے ان کا تفصیلی مطالعہ کرنا ضروری تھا اسی لئے میں نے تمام رات ان نوٹس کا مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ میں نتالی سے بات کرنے کیلئے خود کو پوری طرح سے تیار کر سکوں۔ میں خاصی دیر تک بیٹھی ان نوٹس کو پڑھتی رہی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ وہ مختلف موضوعات پر ایسے ہی معلوماتی نوٹس تھے جیسا کہ میڈیکل کے طالبعلم اپنی تعلیمی ضروریات کے مطابق تیار کرتے ہیں۔ ان میں کوئی نئی بات یا نئی اختراع نہیں تھی۔ میں نے سوچا نتالی براؤن نے یہ نوٹس مجھے مطالعے کیلئے کیوں دیئے ہیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ نتالی اس بہانے سے مجھے مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ وہ مجھے اس لٹریچر میں الجھا کر نشے کا عادی بنانا چاہتی ہے۔ شاید مجھ پر کوئی تجربہ کرنے کیلئے ...... اس تصور سے ہی مجھے جھرجھری سی آگئی۔ غزالی کے بعد جینا بے معنی سا لگتا تھا۔ اس کے بغیر زندگی میں کوئی کشش نہیں رہی تھی لیکن میں اپنی زندگی کو نتالی کے فضول تجربات کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتی تھی۔ اگر وہ کوئی خبیث عورت تھی تو مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود کو اس کی خباثتوں کا نشانہ بننے دوں۔ میری زندگی کا مقصد اب یہی تھا کہ کسی طرح فلپ کو اس کے چنگل سے چھڑا کر گرینی کو لوٹا سکوں۔ خواہ اس میں میری جان خطرے میں ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ میں اس پہلو پر بہت دیر تک سوچتی رہی۔

مجھے یہ بھی خیال بار بار آ رہا تھا کہ آج تو میں نے نتالی سے جان چھڑا لی تھی اور کسی طرح بھی اسے وہ نشہ آور دوا نہیں پلانے دی تھی جو وہ میری کافی میں ملا دیتی تھی لیکن وہ کوئی اور طریقہ بھی اختیار کر سکتی تھی۔ وہ مجھے نشے کا عادی بنا کر اپنے بس میں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے آج ہی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ میں نے سوچا۔ کوئی نہ کوئی

حل ڈھونڈ نکالنا چاہیے۔ کوئی نجات کا راستہ تلاش کرنا چاہیے۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات بھیگ چلی تھی اور مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں جس چار دیواری میں قید تھی اس کے اندر کیا کچھ ہو رہا تھا۔ فلپ نجانے کس کمرے میں تھا اور اس پر کیا گزر رہی تھی۔ مجھے بوڑھی گرینی کا بھی خیال آیا جو اس کے فکر میں ادھ موئی ہو رہی ہو گی۔ اس خیال نے میرے اندر بے قراری کی ایک لہر سی جگا دی۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس یہی وقت ہے جس میں میں فلپ کا سراغ لگا سکتی ہوں ورنہ صبح کی روشنی تو نہ جانے میرے لئے کیا کچھ لے کر آئے گی؟ میں دل ہی دل میں ایک لائحہ عمل طے کرتی دروازہ کھول کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

مدھم روشنی کا ایک غبار سا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ دبیز قالین میرے قدموں کی آہٹ کو خود میں جذب کر رہا تھا۔ میں بڑی احتیاط کے ساتھ زینہ بہ زینہ نیچے اتری۔ ہال میں کوئی نہیں تھا اور اس میں کھلنے والے کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھی۔ اتنا تو مجھے بھی اندازہ تھا کہ اس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز اس عام رہائش سے کچھ دور ہی بنایا ہو گا اسی لئے میں قدم قدم آگے بڑھتی گئی۔ چاروں طرف گمبھیر خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ میرا اپنا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے بند دروازے کو میں جانتی تھی۔ ڈائننگ روم میں ہی پینٹر کا دروازہ کھلتا تھا۔ جہاں سے بیرہ آتا جاتا تھا۔ کچن پینٹری سے ہی ملحق تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے اسی طرف سے اپنی تلاش کا آغاز کرنا چاہیے تاکہ کسی سے آمنا سامنا ہونے کا خطرہ کم رہے۔ اگر کسی نے مجھے دیکھ بھی لیا تو میں بہانہ بنا سکتی تھی کہ مجھے بھوک ستا رہی تھی۔ اس لئے میں کچھ کھانے کیلئے تلاش کرنے آئی تھی۔ میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتی پینٹری کے دروازے پر پہنچی۔ دروازہ کھلا تھا۔ اس سے ملحق کچن تھا جو جدید طرز کا کشادہ اور خوبصورت باورچی خانہ تھا۔ اس میں ایک بڑی کھڑکی اور عقبی دروازہ بھی تھا۔ میں نے کھڑکی کا شٹر ہٹا کر دیکھا۔ مدھم روشنی اور رات کی تاریکی میں ڈوبا ہوا عقبی لان نظر آ رہا تھا۔ میرے ذہن میں اچانک یہ خیال آیا کہ نتالی براؤن نے اپنی تجربہ گاہ کہیں عقبی حصے میں ہی بنا رکھی

ہو گی۔ پہلے مجھے اسی طرف جانا چاہیے۔

تھوڑی سی کوشش سے دروازہ کھل گیا۔ میں باہر نکلی۔ یہ ایک چھوٹا برآمدہ تھا۔ کچھ فاصلے پر پانی کی ٹینکی تھی اور اس کے ساتھ ہی سوئمنگ پول کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ دور پھولوں کے تختے اور اونچے اونچے درخت چاند کی مدھم روشنی میں تاریک سایوں کی طرح بھیانک نظر آ رہے تھے۔ ان غیر مرئی سایوں کی طرح نظر آنے والے درختوں کے بیچ جانے کے خیال سے میرا دل دھک دھک کرنے لگا لیکن پھر میں نے اپنی ڈھارس بندھائی۔ جتنی آیتیں وغیرہ یاد تھیں انہیں زیرلب پڑھتی۔ میں برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر اندھیرے کی جانب بڑھی۔ لان کی گھاس ترشی ہوئی تھی اور پاؤں کے نیچے مخمل کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ میں درختوں کی اوٹ لیتی چاروں طرف چوکنی آنکھوں سے دیکھتی۔ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ کہیں کہیں مرکری بلبوں کا ایک آدھ پول روشن تھا جس کے گرد پتنگے اور پروانے دیوانہ وار چکر لگا رہے تھے۔ موسم میں خنکی نہیں تھی اور ہوا خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ رات کی خاموشی کبھی کبھی کسی پرندے کی چیخ سے لرز اٹھتی تھی۔ اردگرد ایسے ہی شاندار بنگلے تھے جن میں خاموشی یونہی چھائی ہوئی تھی۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتی آگے بڑھتی گئی لیکن مجھے کوئی ایسا سراغ نہیں ملا جو مجھے میرے مقصد کی جانب بڑھا سکتا تھا۔

گلاب کے تختوں اور سنگ مرمر کے فوارے کے ساتھ گارڈن ایمبریلا نصب تھی جس کے نیچے چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اچانک دور تاریکی میں کھلی ملگجی چاندنی میں مجھے سرخ چھت والی ایک ہٹ کا ہیولا نظر آیا۔ میں نے غور سے دیکھا۔ وہ لکڑی کی چھت والی جاپانی پگوڑے کی طرز کی چھوٹی سی ہٹ تھی۔ نجانے یہ لان کی آرائش کیلئے بنائی گئی تھی یا اس کا کوئی اور مصرف بھی تھا۔ میں درختوں کی اوٹ لیتی ہٹ کے قریب آتی چلی گئی۔ یہ اس کا پچھلا حصہ تھا جس میں ایک رنگین کھڑکی تھی جو اندر سے بند تھی۔ میں اس کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی دروازے تک نہیں پہنچی تھی کہ یکدم دروازہ کھول کر کوئی باہر نکلا اور اس کی نگاہ سیدھی مجھ پر پڑی۔

میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا ہے۔ لمحے بھر کو میرے حواس بالکل ہی مختل ہو گئے۔ لیکن اگلے ہی لمحے مجھ میں نہ جانے اتنی جرأت اور اعتماد کہاں

سے آ گیا کہ میں نے خود کو سنبھال کر ایک پل میں یہ بھی سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ شاید شدید خطرے کے احساس نے میری حسوں کو بیدار کر دیا تھا۔ میں ٹھٹکے بغیر ناک کی سیدھ میں یوں چلتی چلی گئی جیسے دیکھنے والے کی موجودگی سے بے خبر ہوں۔ وہ فوراً ہی میری طرف بڑھا۔

''مس...... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے خشمگیں لہجے میں پوچھا۔

میں نے آواز پہچان لی وہ پرل تھا لیکن میں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی اور بغیر رکے یوں آگے بڑھ گئی جیسے گردوپیش کی کچھ خبر نہ ہو۔

''رک جاؤ...... رک جاؤ...... تم کدھر جا رہی ہو۔'' پرل نے سختی سے مجھے پکارا۔

میرا سارا جسم پسینے میں نہا رہا تھا مگر میں نے اب بھی خود کو غافل ہی ظاہر کیا اور اسی رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ وہ میرے پیچھے آیا اور اس نے مجھے بازو پکڑ کر روک لیا۔

''مس...... تم رات کے وقت اپنے کمرے سے کیوں نکلی ہو؟''

میں نے اس کے جواب میں صرف نیند میں ڈوبی ہوئی 'ہوں' ہاں' ہی کی اور سر کو جھلاتے ہوئے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے کچھ بھی سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ میں اس پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی جیسے میں نیند میں ہوں۔

پرل نے میرا بازو جھنجھوڑا۔ ''مس...... مس...... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

اب میں نے اپنی آنکھیں پوری طرح سے کھولتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اپنا بازو جھٹک کر اس کی گرفت سے چھڑایا۔ ''کون ہو تم......؟'' میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''میں پرل ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں کہاں ہوں؟'' میں نے اچنبھے کا اظہار کرنے کو چاروں طرف ایک حیرت کی نگاہ ڈالی۔

''مجھے یہاں کون لایا ہے؟'' میں نے استعجاب آمیز لہجے میں اسی سے پوچھا۔

''تم خود یہاں آئی ہو۔ کہیں تمہیں نیند میں چلنے کی عادت تو نہیں۔'' پرل نے کہا۔

''اچھا میں خود یہاں آئی ہوں؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے اس کی بات دوہرائی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ مجھے نیند میں چلنے کی عادت ہے لیکن مجھے کبھی اس کا احساس نہیں ہوا نہ ہی کسی نے بتایا۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا تم نے خود مجھے نیند میں چلتے ہوئے دیکھا ہے؟'' میں نے انٹ شنٹ بولتے ہوئے اسے الجھایا۔

''مس...... تم اس وقت تو ہوش میں ہو ناں کیا تم میری بات سن رہی ہو۔'' پرل نے غصے سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آہ ہاں...... ہاں میں سن رہی ہوں۔'' میں نے اپنے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تم فوراً اپنے کمرے میں چلی جاؤ میڈم تمہیں یہاں دیکھنا بالکل پسند نہیں کریں گی۔'' اس نے تنبیہ کی۔

''میں...... ابھی چلی جاتی ہوں۔'' میں نے خود پر مصنوعی گھبراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر میں کس طرف سے جاؤں۔ میرا کمرہ کہاں ہے۔ یہ میں کہاں آ گئی ہوں۔''

''ٹھہرو میں تمہیں تمہارے کمرے تک پہنچا دیتا ہوں۔ لیکن آئندہ احتیاط رکھنا۔'' پرل نے خوش اخلاقی سے کہا۔

اسی وقت کار کا ہارن بجنے کی آواز سنائی دی۔ پرل نے گھبرا کر گھڑی دیکھی اور افراتفری میں بولا۔

''مس جلدی کرو...... جلدی...... تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ میڈم اسی طرف آ رہی ہیں۔ اگر تم اس وقت انہیں یہاں نظر آ گئیں تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

''اف خدایا میں کیا کروں مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میرا کمرہ کس طرف ہے۔ میں کہاں جاؤں۔'' میں نے بھی شدید گھبراہٹ میں کہا۔

''اوہو عجیب مصیبت ہو تم بھی۔'' پرل جھنجلایا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑا

اور عجلت میں ہٹ کر دیوار کی اوٹ میں کھڑا کر دیا۔ ''بس یہاں خاموشی سے کھڑی رہو۔ کوئی آواز نکالنے کی کوشش نہ کرنا۔ میڈم چلی جائیں تو میں تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچا دوں گا۔''

میں ہٹ کی دیوار کے ساتھ بالکل ہی چپک گئی۔ میرے دل میں کھد بد سی ہو رہی تھی۔ گھبراہٹ کے ساتھ ساتھ تجسس بھی مجھے بے چین کر رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ نتالی براؤن یہاں رات کو کیوں آئی تھی۔ یقیناً ہٹ میں اس کے کچھ راز ہوں گے۔ شاید میں ان سے کچھ واقفیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکوں۔ یہ خیال تو خوش آئند تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خوف بھی میرے دل کو دھڑکا رہا تھا کہ کہیں اسے میری موجودگی کی خبر نہ ہو جائے۔''

تھوڑی دیر میں مجھے نتالی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ''مسٹر پرل کیا سب کچھ تیار ہے۔''

''یس میڈم۔'' پرل نے مستعدی سے جواب دیا۔

پھر مجھے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ ہٹ کے اندر چلی گئی تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں جا رہی ہے۔ میرا تجسس بڑھا اور میں سوچنے لگی کہ وہ اس وقت کہاں جا سکتی تھی۔ مجھے معلوم کرنا چاہئے تھا۔ آج کی رات ہی کل نہ جانے کیا ہو جائے۔ یہی سوچ کر میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی جگہ سے نکلی اور تیز قدموں سے برآمدے تک آ پہنچی۔ برآمدے سے ہی ایک روش بائیں جانب مڑتی تھی۔ اور وہ شاید گھر کے سامنے کا حصہ تھا۔ میں نے بچتے بچاتے پودوں کی آڑ لیتے اس طرف دیکھا۔

دور پورچ میں مجھے نتالی کی کار کھڑی نظر آئی۔ میں نے سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی اور کار کی طرف لپکی۔ اگلے شیشے میں سے جھک کر اس کی ڈگی کھولی اور چپکے سے اندر سمٹ گئی۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا اور میں ساری کی ساری پسینے میں بھیگ گئی تھی۔ ایک ایک لمحہ جیسے صدیوں پر بھاری ہو گیا تھا۔ وقت جیسے منجمد ہو گیا تھا۔ گزرنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

موسم تو خوشگوار تھا لیکن ڈگی کے اندر سمٹ کر بیٹھے بیٹھے مجھے گرمی لگنے لگی

تھی۔ پھر مجھے قدموں کی چاپ اور نثالی کی آواز سنائی دی۔ میں نے سانس روک لیا اس وقت مجھے اپنی حماقت کا بے طرح احساس ہوا۔ اپنی رو میں ڈگی کے اندر چھپتے ہوئے میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ سامان رکھنے کیلئے ڈگی کو کھول بھی سکتی ہے۔

اسی وقت نثالی کی آواز اور قریب آ گئی۔ ''مسٹر پرل اسے ڈگی میں رکھو، دیکھنا ذرا احتیاط سے۔''

میں پوری جان سے لرز گئی۔ میری ریڑھ کی ہڈی پر پسینے کی دھار سی بہہ نکلی۔ خوف سے مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ پرل کے قدموں کی چاپ ڈگی کے قریب آئی۔ میں نے سانس روک کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں۔ آنے والے لمحے کا خوف میرے وجود میں کپکپاہٹ بن کر دوڑنے لگا۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ میں کچھ سوچ سکتی یا اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر ہی کر لیتی۔

پرل کے قدموں کی آہٹ اور قریب آئی۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میری پیشانی پسینے سے بھیگ گئی۔ میرا دل سینے کی دیواریں توڑنے لگا اور اس کی دھک دھک خود مجھے بھی سنائی دینے لگی۔ قدموں کی آہٹ ڈگی کے بالکل پاس رکی میں اور سکڑ سمٹ گئی۔

پرل نے ڈگی کھولی اور خلاف توقع مجھے اندر دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا۔ ''او...... مس......''

فوراً ہی ٹک ٹک ہیل بجاتی نثالی براؤن بھی قریب آ گئی۔ مجھے ڈگی میں گھسا دیکھ کر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''بہت خوب مس نرس۔ میں تمہاری مہم جوئی کی داد دیتی ہوں۔''

نثالی کی آواز نے میرا سارا جسم سن کر دیا۔ میں اسی انداز میں ڈگی کے اندر سمٹی رہی۔ جس طرح کہ میں دبکی ہوئی تھی۔ مجھ میں اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ نثالی نے سرخ نیل پالش سے رنگے ہوئے ناخنوں والا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور میری کلائی تھام کر مجھے باہر نکلنے میں مدد دی۔

میں اس طرح موقع پر پکڑے جانے سے بے حد خجل ہو رہی تھی۔ یہ خوف بھی مجھے دہلا رہا تھا کہ نہ جانے نثالی میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی لیکن میں نے خود

مجرم نہیں بننے دیا نہ ہی کسی ندامت کا اظہار کیا بلکہ پورے وقار کے ساتھ سر اٹھا کر الی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ وہ بھی مجھ میں مدافعت کا ولولہ جاگتے دیکھ ر مسکرائی۔

''میڈم...... ان مس کو نیند میں چلنے کی عادت ہے۔'' پرل نے جیسے مجھے نثالی کے عتاب سے بچانے کیلئے عذر پیش کرنا چاہا مگر نثالی نے اس کی بات درشتی سے کاٹ ی۔

''تم اپنے قیمتی خیالات اپنے تک ہی محدود رکھو مسٹر پرل اور ہاں اب تم جا سکتے ہو۔''

پرل نے خاموش ہو کر سر جھکایا اور بغیر مڑ کے دیکھے پوری مستعدی سے ہائش کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں خوفزدہ تو ہوئی لیکن میں نے اس خوف کو خود پر طاری نہیں ہونے دیا اور ی طرح بے نیازی سے ڈٹی رہی۔ نثالی نے ایک گہری نگاہ مجھ پر ڈالی میں نے بھی ل کی طرف دیکھا۔ اس نے خاکی جیکٹ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ بالوں کے اونچے ڑے نے اس کے کانوں میں پہنے ہوئے ہیرے کے ٹوپس نمایاں کر دیئے تھے جو ند اور مرکری بلبلوں کی روشنی کو سات رنگوں میں منعکس کر رہے تھے۔

''ہوں......'' اس نے سر ہلاتے ہوئے لمبی سی ہوں کی۔ ''تو تم میری سراغ سانی کرنے پر مامور کی گئی ہو۔''

''نہیں...... مجھے کسی نے مامور نہیں کیا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب یا۔

''تو پھر......؟'' اس نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''تو پھر یہ کہ میں جو کچھ کر رہی ہوں اپنی ذمہ داری پر۔'' میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ کمان ایسے ابروؤں کو معنی خیز جنبش دے کر بولی اور ار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا ر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور زن سے گیٹ سے باہر نکال

لے گئی۔

ہمارے ملک کی طرح یہاں رات سنسان نہیں تھی۔ یہاں رت جگے منانے والوں کے جمگھٹے جگہ جگہ نظر آ رہے تھے۔ کچھ بانہوں میں بانہیں ڈالے محبت کے نغمے الاپ رہے تھے' کچھ فٹ پاتھوں پر نشے میں دھت پڑے تھے اور کچھ مے خانوں کی رونق بڑھانے کیلئے آ جا رہے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک نسبتاً کم تھی جس کی وجہ سے نتالی کار بہت تیزی رفتاری سے چلا رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اس نے میری طرف دیکھا اور اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''تو میرا اندازہ درست تھا کہ تم کسی خاص مقصد سے میرے ساتھ آئی تھیں۔''

''میں اس کی تردید نہیں کروں گی۔'' میں نے بغیر اٹکے جواب دیا۔

''تم کن لوگوں کیلئے کام کر رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''صرف اور صرف انسانیت کیلئے۔'' میں اختصار سے کہا۔

''لفظوں کی بازی گری تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی لڑکی۔'' اس کے لہجے میں درشت تنبیہ تھی۔

''میں شاعرہ نہیں۔'' میں نے بھی مختصر بات کی۔

''تو پھر سیدھی طرح سب کچھ بتا دو تاکہ ہم دونوں کا وقت ضائع نہ ہو۔'' اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں سیدھی اور صاف بات کروں تو مجھے تمہارا اعتماد بھی درکار ہوگا ورنہ وقت اور توانائی ضائع کرنے سے کیا حاصل۔'' میں اب پوری طرح سنبھل گئی تھی۔

''سچ تو تمہیں بولنا ہی پڑے گا کیونکہ غلط بیانی کو پکڑنے کا ہمارے پاس انتظام ہے۔'' اس نے ہلکے سے طنز سے کہا۔

''کوئی دباؤ یا خوف مجھے سچ بولنے پر مجبور نہیں کرتا۔ میں اسے اخلاقیات کا لازمی جزو سمجھتی ہوں۔'' میں نے اسے جتانا ضروری خیال کیا۔

''مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا ہے۔'' اس کا انداز تحکمانہ تھا۔

''میں سب کچھ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔'' میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

ہاں میں پہلے ہی یہ واضح کر دوں کہ میرے ارادے خطرناک نہیں ہیں اور میرا تعلق کسی بھی خاص گروہ سے نہیں۔''

اس نے مجھ پر ایک گہری نگاہ ڈال کر سر ہلایا۔ میں نے براہ راست ہی اس سے بات کرنے کی ٹھانی۔ ''میں اس بیمار اور بے بس بوڑھے کی خاطر یہاں تک آئی ہوں جس کی زندہ لاش کا سودا ہوا ہے۔''

''اس بوڑھے کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''اس کے ساتھ میرا انسانیت کا رشتہ ہے۔ وہ میرا وعدہ اور قول بھی ہے اور میں جس تہذیب سے تعلق رکھتی ہوں وہاں بزرگوں کا ادب کرنا فرائض میں داخل ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔

''تم بہت ہیر پھیر کر بات کر رہی ہو۔'' اس نے ناگواری سے ماتھے پر بل ڈالے۔ ''میرا خیال ہے کہ اگر تم سیدھے سادے انداز میں بات کرو تو مجھے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔''

''چلو یونہی سہی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''تو سیدھے لفظوں میں یہ بات اس طرح ہے کہ میرا یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس بچارے معذور بوڑھے کو اس کی بیوی کے پاس پہنچا سکوں تاکہ وہ سکون کی موت مر سکے اور میں اپنا وعدہ نبھا کر سرخرو ہو سکوں جو میں نے اس کی بیوی کے ساتھ کیا تھا کہ میں اس کا خیال رکھوں گی۔''

''اس کے علاوہ تمہارا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔'' اس نے جیسے تصدیق کرنے کو پوچھا۔

''مجھے غلط بیانی کرنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ناپسندیدگی سے جواب دیا۔

''تو اس کے لئے تم نے خود کو داؤ پر لگایا ہے۔'' اس نے کہا۔

''کسی اچھے مقصد کیلئے تھوڑا بہت رسک لینا ہی پڑتا ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے ایک تمسخر آمیز سی ''ہوں'' کے سوا کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے گاڑی چلاتی رہی۔

میں نے دو ایک بار اس کی طرف دیکھا کہ اس کے موڈ کا اندازہ لگاؤں لیکن اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔

مجھے بھی اپنے تجسس اور اندیشوں کو دبا کر خود کو گردوپیش سے بے نیاز ظاہر کرنا پڑا۔ مگر اندر سے میرا دل دھک دھک کر رہا تھا اور ہر آن یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ نہ جانے ثنالی نے اپنے دل میں میرے لئے کیا طے کر لیا تھا۔

گاڑی شہر کی گہما گہمی سے نکل کر ایک نسبتاً بے آباد اور ویران علاقے میں داخل ہو گئی۔ جہاں سٹریٹ لائٹس بہت کم تھیں اور دائیں ہاتھ درختوں کا ذخیرہ کسی چھوٹے سے جنگل کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ گھنے درختوں پہ چھائی ہوئی تاریکی دل پر عجیب سی ہیبت طاری کر رہی تھی۔ کہیں کہیں کوئی چھوٹا سا جنگلی جانور کار کی روشن بتیوں کو حیرت سے دیکھتا اور غڑاپ سے جھاڑیوں میں غائب ہو جاتا۔

مجھے کار میں پھیلی ہوئی خاموشی سے الجھن ہونے لگی۔ میرا تجسس مجھے بے چین کرنے لگا کہ میں اس سے کوئی سوال کر کے آنے والے لمحوں کے بارے میں کچھ جان سکوں لیکن ثنالی کی گھمبیر خاموشی کو اپنے سوال سے توڑنے کی مجھے ہمت نہیں ہوئی۔ میں اسی طرح چپ بیٹھی درختوں سے ٹکرا کر آنے والے نم آلود ہوا میں سانس لیتی رہی۔ جس میں سبزے کی ہری گھاس بھی شامل تھی۔

ماحول کے اثر سے میرے اعصاب پر ایک ہیبت سی طاری ہو رہی تھی لیکن ثنالی بڑے اطمینان سے گاڑی چلا رہی تھی جیسے اسے گردوپیش پر چھائی ہوئی سیاہ رات اور اس کی ہیبت کی کوئی پروا نہ ہو۔

سفر کچھ اور کٹا اور داہنی جانب ہمارے برابر سے تیزی کے ساتھ گزرتا ہوا جنگل کچھ اور گھنا ہو گیا۔ جنگل کی نامانوس آوازیں بھی کبھی کبھی رات کی خاموشی میں ارتعاش پیدا کرتی تھیں۔

میں نے پھر ثنالی کی طرف دیکھا وہ ونڈ اسکرین سے باہر سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ اس نے بائیں جانب سٹیئرنگ کو گردش دی اور ایک خطرناک موڑ بڑی سہولت سے مڑ گئی۔ اب گاڑی ایک ایسے کچے راستے پر تھی جو اتنا تنگ تھا کہ ایک وقت میں اس پر ایک ہی گاڑی چل سکتی تھی۔ نشیب و فراز

لے اس راستے پر کئی موڑ تھے مگر ثنالی کی کار اس پرپیچ راستے پر بھی فراٹے بھر رہی تھی۔

بالآخر وہ جھاڑیوں سے گھرے ہوئے ایک تنگ راستے میں سے ہوتی ہوئی نگلی بیلوں سے ڈھکے اور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ایک مکان کے سامنے رکی۔ پہلی ظر میں اس عمارت کے سبز گیٹ اور ہری بیلوں کے درمیان تمیز کرنا محال تھا۔ شب کی اریکی اسے کچھ اور بھی زیادہ پراسرار بنا رہی تھی۔ گیٹ خود بخود کھل گیا لیکن کھولنے لا نظر نہیں آیا۔ وہ احتیاط کے ساتھ گاڑی اندر لے گئی۔

تکونے سے کمپاؤنڈ میں صرف ایک ہی گاڑی کھڑی کرنے کی گنجائش تھی۔ وار کے ساتھ بنی ہوئی کیاریاں خودرو جنگلی بیلوں سے اٹی پڑی تھیں اور دیوار پر اس رح چڑھ گئی تھیں کہ دیوار کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔

* * *

ثانی دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ دوسری طرف سے میں نے بھی ڈرتے ڈرتے باہر قدم رکھا۔ مجھے اپنے پیروں تلے گھاس کی دبیز تہہ کے موجود ہونے کا احساس ہوا۔ ثانی لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی آگے بڑھی۔ میں اس کے پیچھے تھی کہ اچانک کوئی چیز سرسراتی ہوئی میرے پاؤں پر سے گزر گئی۔ میں نے خوفزدہ چیخ کے ساتھ پاؤں جھٹکا اور بدحواسی میں دور ہٹتی ثانی کے ساتھ ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''کیا قیامت آ گئی ہے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''وہ...... وہ شاید سانپ تھا ابھی میرے پاؤں پر سے گزرا ہے۔'' میں نے اپنی اس حرکت کا جواز پیش کرنے کو کہا۔

''یہ زہریلے سانپ نہیں ہیں۔'' اس نے خشکی سے اطلاع دی اور سامنے نظر آنے والے مرکزی دروازے کو نمبروں کی مدد سے کھولا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے ہی ایک تاریک سی ڈیوڑھی میں داخل ہوئی۔ ایک نامانوس سی ناگوار بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ میں نے غیر ارادی طور پر رومال رکھ لیا۔ ثانی نے کوئی بٹن دبا کر لائٹ آن کی۔ گردوپیش میلی میلی سی زرد روشنی پھیل گئی۔ جس میں میری آنکھیں ذرا دیر میں صاف طور پر دیکھنے کے قابل ہو سکیں۔

میں نے ایک دزدیدہ نگاہ ثانی براؤن پر ڈالی۔ اس نے اپنے چہرے پر سنجیدگی کی ایک دبیز تہہ چڑھا رکھی تھی۔ ہم جس کمرے میں تھے وہ ایک مستطیل سا ہال نما تھا۔ جس کی دیواروں پر طب اور جراحت سے متعلق بڑی بڑی رنگین تصویریں آویزاں تھیں جو اتنی صاف اور واضح تھیں کہ بالکل جیتی جاگتی معلوم ہوتی تھیں۔

میں نے ساری تصویروں پر باری باری نگاہ ڈالی اور یونہی ثانی کو مخاطب

ـرنے کی خاطر ستائشی لہجے میں کہا۔ ''یہ تصویریں کتنی صاف اور نمایاں ہیں۔''

اس نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے میری طرف کڑی نگاہوں سے ـکھا اور دبنگ لہجے میں بولی۔ ''سنو لڑکی تم نے ابھی کہا تھا کہ تمہیں انسانیت کی ـمت کرنے کا بہت شوق ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہارا یہ شوق ضرور پورا ہوگا۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''کیا آپ مجھے مسٹر فلپ کو واپس لے جانے کی اجازت دے دیں گی؟'' ـا کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''کون فلپ؟'' اس نے پیشانی پہ سلوٹ ڈال کر پوچھا۔

''وہی معذور بوڑھا جسے تمہارے پاس فروخت کیا گیا ہے۔'' میں نے بتایا۔

''اچھا...... وہ بوڑھا......'' اس نے ابرو اچکائے۔ ''تم فکر نہ کرو وہ تمہارے ـہ خود چل کر جائے گا۔''

''کیا واقعی......؟'' مجھے یقین نہیں آیا۔

''بالکل......'' اس نے شانے جھٹکے۔ ''بلکہ اگر اس کی بوڑھی بیوی کا اسے ـکر ہارٹ فیل ہو گیا تو اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔''

''کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہی۔'' مجھے پھر بھی یقین نہیں آیا۔

''میں مذاق نہیں کیا کرتی۔'' وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔

''اوہ...... پھر تو یہ معجزہ ہی ہوگا۔'' میں نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''معجزے سائنس کی ترقی کا ہی دوسرا نام ہیں اور کچھ نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے ـا بولی۔

اور دیوار پر آویزاں ایک تصویر کے چوکھٹے کو تھاما جس میں چند ڈاکٹروں کو ـپریشن ٹیبل پر جھکے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ پھر میری طرف پلٹ کر بولی۔ ''لڑکی میں ـرورت سے زیادہ ہوشیار بننے والوں کو معاف نہیں کیا کرتی۔ تمہاری وہ حرکت میں ـے اس لئے نظر انداز کر دی ہے کہ میں تمہیں یہاں لانے ہی والی تھی۔ لیکن اب ـہاری سلامتی کی ضمانت خود تمہارے اپنے پاس ہے۔ ورنہ مجھے ایسے رضا کاروں کی

ہمیشہ ضرورت رہتی ہے جو تجربات کرنے کے کام آسکیں۔'' اس کی آنکھوں میں ایک سفاک چمک تھی اور لہجہ سرد کر دینے والا تھا۔

میں اس کی سفاک آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی اور مجھے نظریں جھکا لینی پڑیں لیکن میں چند لمحوں تک اس کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی۔

میں نے پھر نگاہ اٹھائی تو اسے تصویر کے چوکھٹے کو ایک جانب سے اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ گڑگڑاہٹ کی تیز آواز کے ساتھ ہی دیوار میں ایک گول سوراخ نمودار ہو گیا جیسا کہ عموماً خلائی کیپسولوں میں ہوتا ہے اور جس میں سے ایک وقت میں صرف ایک شخص ہی گزر سکتا ہے۔

میں اس اچانک ہونے والی گڑگڑاہٹ سے گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ثنالی نے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا اور خود اس تنگ راستے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔ میں ابھی متذبذب ہی تھی کہ اس نے ہاتھ بڑھایا اور میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر آنے میں مدد دی۔ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی تو میں نے سنبھل کر بغور دیکھا۔ میری آنکھیں تیز روشنی سے چندھیا گئیں۔

کمرے میں ویسی ہی طاقتور روشنیاں نصب تھیں جیسی عموماً آپریشن ٹیبل کے اوپر لگی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ یہ کمرہ ایک آپریشن تھیٹر ہی معلوم ہو رہا تھا۔ میز پر کوئی جسم سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔

اسی وقت کسی نے گرمجوشی سے ہمیں ہیلو کہا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ناک میں بول رہا ہے۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ آپریشن ٹیبل کے قریب ایک ٹھگنا سا آدمی کھڑا تھا جو چال ڈھال سے روبوٹ سا معلوم ہوتا تھا۔

''ہیلو ڈارلنگ!'' ثنالی نے اس کی جانب ہوائی بوسہ اچھالتے ہوئے خوشدلی سے کہا اور مجھ سے بولی۔ ''اس سے ملو۔ یہ مسٹر ایکس ہے۔ میری تخلیق بھی ہے اور میرا معاون بھی۔''

مسٹر ایکس نے میکانکی انداز میں میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے حیرت آمیز دلچسپی سے اس مشین نما انسان کو دیکھا اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس کا لمس حرارت سے خالی تھا۔ اس نے میرے ہاتھ پر ہلکا سا دباؤ دیتے ہوئے

میرے بازو کو ہلایا۔ اس کے ہاتھ کی سختی غیر انسانی تھی۔

''مسٹر ایکس! کیا تمہیں میری مہمان پسند آئی ہے؟'' ثنالی نے پوچھا۔

''ہاں یہ بہت خوبصورت ہے۔ اسے ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔'' وہ ناک میں بولا۔

میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ثنالی نے قہقہہ لگایا۔ ''بہت خوب مسٹر ایکس! تم میں تو ایک اچھا بوائے فرینڈ بننے کی صلاحیتیں پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔''

ٹھگنا مسٹر ایکس عجیب سے انداز میں مسکرایا اور اپنے کالر کو چھو کر فخر کا اظہار کرنے لگا۔

ثنالی نے اب لہجہ بدلا۔ ''مسٹر ایکس! کیا تمام تیاریاں مکمل ہیں؟''

''یس میڈم!'' اس کا مستعد جواب آیا۔

وہ میری طرف پلٹی۔ ''ریطہ! کیا تم میرے تجربات میں شریک ہونے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو؟''

مجھے وحشت سی ہو رہی تھی لیکن میں نے خود کو سنبھال کر اثبات میں جواب دیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے ملحقہ دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

میں خدشات میں گھری ہوئی اس کے ہمراہ چلی۔ اس نے اوور آل اور سرجری کے دستانے وغیرہ پہنے اور مجھے بھی تیار ہونے کیلئے کہا۔

میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ ''کیا کسی آپریشن کی تیاری ہے؟''

''مجھے زیادہ بولنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔'' اس نے میری بات کا جواب دیے بغیر رعونت سے کہا۔

مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔ وہ آپریشن ٹیبل کی طرف بڑھی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھی۔ آپریشن تھیٹر کا منظر میرے لئے نیا نہیں تھا۔ میں نے بار ہا مختلف نوعیت کے آپریشنوں میں ڈاکٹروں کی معاونت کی تھی لیکن اس کمرے کی فضا میں کوئی ایسی غیر مرئی ٹھنڈک اور ہیبت سی تھی کہ میرا دل بیٹھنے لگا۔ مجھے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے ٹھنڈے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

آپریشن ٹیبل پر سفید چادر سے ڈھکے ہوئے بے حس وحرکت جسم کو دیکھ دیکھ کر میرے تن بدن میں کپکپی سی چھوٹ رہی تھی۔ نثالی نے چادر کا ایک گوشہ اٹھایا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے نگاہ ڈالی۔ مجھے بالوں سے خالی سر کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ میرے تجسس کو مہمیز ہوئی۔ میں اس مردہ جسم کا چہرہ دیکھنے کیلئے بیتاب ہو گئی لیکن نثالی نے اسے ڈھکا ہی رہنے دیا اور کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر بولی۔ ''یہ ناکامی بہت افسوسناک ہے۔ اسے اس کی زندگی میں ہی محفوظ کر لینا چاہیے تھا۔ اس طرح یہ ہمارے لئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا تھا۔''

''یہ اب بھی مفید ہے۔'' مسٹر ایکس ناک میں بولا۔

''ہاں! لیکن اتنا نہیں جتنا یہ زندہ ہوتے ہوئے تھا۔'' نثالی نے جواب دیا۔

''کیا میں بھی اس تجربے کی بابت کچھ جاننے کی جسارت کر سکتی ہوں۔'' میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ نثالی کی پیشانی پر ابھرنے والی شکنوں نے مجھ پر واضح کر دیا کہ اسے میری بات پسند نہیں آئی۔

''تم بولے بغیر جو کچھ جان سکتی ہو۔ اسی پر اکتفا کرو۔'' اس نے نپے تلے لفظوں میں کہا۔ اور سفید چادر اس بے جان جسم پر سے سرکائی۔

میری نگاہوں نے جو کچھ دیکھا۔ وہ میرے رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے کافی تھا۔ وہ بے جان چہرہ زرد زرد آبلوں سے بھرا ہوا تھا۔ ''اوہ! یہ کیا ہوا ہے؟'' میں بے ساختہ کہہ گئی۔ ''تمہارے خیال میں یہ کیا ہو سکتا ہے؟'' اس نے مجھ پر ہی الٹا سوال کر دیا۔

میں نے جھرجھری سی لے کر ایک نگاہ ان کراہت انگیز آبلوں پر ڈالی اور محتاط سے لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ''لگتا ہے جیسے یہ کسی دوا کا ری ایکشن ہے۔''

''ہوں!!!'' اس نے لمبی سی ہوں کی۔ ''سمجھدار لگتی ہو۔'' نثالی نے گویا ستائش کی اور ایک جانب رکھے ہوئے کمپیوٹر کا بٹن دبا کر کچھ اعداد و شمار دیکھتی رہی پھر میز کی طرف پلٹی اور مسٹر ایکس سے بولی۔ ''ہاں! اب اس کے دماغ کا معائنہ بھی کر لیتے ہیں۔''

مسٹر ایکس نے بڑی مستعدی سے ایک برقی آلے کی مدد سے اس بے جان

جسم کے سر کی ہڈیوں کو بڑی صفائی سے علیحدہ کر دیا۔ نثالی اس پر جھک گئی۔ ''بہت خوب!! دوا نے دماغ کے مفلوج حصے کو متحرک کیا ہے اور وہ گانٹھ بھی غائب ہو گئی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے یہ دوا بہت سے پیچیدہ آپریشنوں سے ہمیں نجات دلا ے گی۔'' مسٹر ایکس بولا۔

''لیکن اس کا ری ایکشن نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے لی۔ وہ بار بار یوں سر ہلا رہی تھی جیسے کسی گہری سوچ میں ہو یا کسی مسئلے کی گتھی سلجھا ہی ہو۔

''یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اس کا اثر جسم کے اور کن حصوں پر پڑا ہے۔'' مسٹر بس کسی روبوٹ کی طرح بولا۔

''ہاں پوسٹ مارٹم تو کرنا ہی پڑے گا۔'' وہ بولی اور نت نئے آلات سے ں کی چیر پھاڑ میں مشغول ہو گئی۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا مقصد پوسٹ مارٹم نہیں بلکہ انسانی جسم کی پھاڑ سے اپنے کسی خونخوار جذبے کی تسکین کرنا ہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر میرے رونگٹے ڑے ہو رہے تھے۔ اس نے لاش کے کچھ اعضاء خاص محلول سے بھرے ہوئے جار محفوظ کر لئے اور گوشت کے اس مسخ شدہ انبار کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے بولی۔ س ربطہ! تم مسٹر ایکس کے ساتھ مل کر اس کی ہڈیاں محفوظ کر لو۔''

میں پوری جان سے کانپ گئی۔ میں نے پس و پیش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن!!!''

نثالی نے ہونٹوں کو بھینچ کر مجھ پر ایک تیز نگاہ ڈالی۔ ''تم سے جو کہا گیا ہے وہ کرو۔''

''مگر......مگر......!'' میں نے احتجاج کرنا چاہا۔

''شٹ اپ!'' اس نے قہر آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا جیب سے ریموٹ کنٹرول قسم کی کوئی چھوٹی سی چیز نکالی' اس کا بٹن دبایا۔ دیوار میں سرنگ نما دروازہ پھر نمودار ہوا۔ اس نے پلٹ کر اس روبوٹ نما انسان کی طرف

دیکھا۔ ''مسٹر ایکس! میرا خیال ہے کہ تم مس ربطہ کا اچھی طرح خیال رکھو گے۔''

''او کے میڈم!'' اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

نثالی جھک کر اس سرنگ نما دروازے میں داخل ہوگئی اور اگلے ہی لمحے دیوار اپنی اصلی حالت میں واپس آ گئی۔ اس کی گڑگڑاہٹ سے میرا دل دہل گیا۔ میری پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ دستانوں کے اندر میرے ہاتھوں کی انگلیاں ٹھنڈی پڑنے لگیں۔

میرے چاروں طرف بلند دیواریں تھیں جن میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ مخصوص برقی نظام سے دیواروں میں نمودار ہونے والے راستے نگاہوں سے اوجھل تھے۔ فضا میں وحشت سی برس رہی تھی۔ انسانی گوشت کی ناقابل برداشت بو سے مجھے متلی سی ہونے لگی تھی۔ مجھ میں اس کٹی پھٹی لاش کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ میرے سارے وجود میں بار بار کپکپی کی ایک لہر سی دوڑ جاتی تھی۔ نجات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میں نے خشک ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے مسٹر ایکس سے کہا۔

''مسٹر ایکس! میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں یہ کام نہیں کر سکوں گی۔''

''اس قسم کے کام میں طبیعت خراب ہو جانا ایک عام بات ہے۔'' وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ روبوٹ جیسی آواز میں بولا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میری طبیعت بہت خراب ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تمہیں جو کچھ میڈم نے کہا ہے وہ کرو۔ اس کے بعد آرام بھی کر لینا۔'' مسٹر ایکس نے سنگین لہجے میں کہا۔

''میں یہ سب نہیں کر سکتی۔'' مجھے غصہ آ گیا۔

مسٹر ایکس کے تیور بھی بدلے۔ ''یہاں تمہاری مرضی نہیں چلے گی مس ربطہ! تم آؤ گی یا......؟'' میں نے خوفزدہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے بے تاثر چہرے کے ساتھ میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر یکایک اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور اپنی دو انگلیوں سے میری جانب اشارہ کیا۔

مجھے یکدم ایک ایسا شدید جھٹکا لگا کہ میرے اعصاب سن ہو کر رہ گئے۔ میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ نثالی نے درست کہا تھا مسٹر ایکس اسی کی تخلیق تھا۔ اس کے بازو میں کوئی ایسا نظام تھا جو اس کا ہتھیار بھی تھا۔

اس نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا لیکن بجلی کے کرنٹ ایسے جھٹکے نے جیسے میری ساری قوتیں نچوڑ لی تھیں۔ میرا حلق خشک ہو گیا تھا اور میری مدافعت دم توڑ رہی تھی۔ میں نے پریشانی سے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''اوہ مسٹر ایکس! تم تو مجھے مار دو گے۔ تمہارے دل میں تو رتی بھر رحم نہیں۔''

''چلو آؤ۔'' وہ مشینی انداز میں بولا۔

میں بے بس سی ہو گئی۔ اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کی بات مان لوں۔ معاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ میں اس روبوٹ نما انسان کو دھوکہ تو دے سکتی ہوں کہ بظاہر خود کو اس کے ساتھ کام میں شریک ظاہر کروں اور زیادہ تر کام اسے کرنے دوں۔ میں یہی سوچ کر آہستگی سے قدم رکھتی آپریشن ٹیبل کی طرف چلی ہی تھی کہ اچانک ایک تیز گونج نے مجھے ڈرا دیا۔ میں نے گھبرا کر دیکھا۔ عقبی دیوار میں ایک راستہ نمودار ہو رہا تھا۔

مسٹر ایکس نے بھی چونکی نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔ میں ٹھٹھک کر دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس چھوٹے سے راستے میں سے رسل اپنے لمبے چوڑے وجود کو تقریباً دوہرا کیے ہوئے اندر داخل ہو رہا تھا۔

خوف سے بھری ہوئی اس فضا میں اس کے جانے پہچانے چہرے کو دیکھ کر مجھے حوصلہ سا مل گیا۔ اگرچہ وہ میری نگاہ سے گر چکا تھا لیکن پھر بھی مجھے اس کا دم غنیمت معلوم ہوا۔ یہ سوچ کر میری جان میں جان آئی کہ اس کی مدد سے میں اس بوچڑ خانے سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکوں گی مگر ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں کس ارادے سے آیا تھا۔

مسٹر ایکس نے تیزی سے اپنا بازو اٹھایا لیکن رسل نے بے آواز پستول سے اسے وہیں ڈھیر کر دیا اور تیزی سے دوڑ کر میری طرف آیا۔ ''احمق لڑکی! میں تمہاری خاطر اس خرابے میں آیا ہوں...... سمجھیں۔'' اس نے جھپٹ کر میرا بازو تھاما اور مجھے

کھینچتا ہوا اس سرنگ نما راستے کی طرف بڑھا۔ میں نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

''مگر وہ نثالی؟''

''نثالی کی ایسی کی تیسی۔'' وہ دانت پیس کر بڑبڑایا اور مجھے ساتھ لئے ہوئے اس تنگ راستے میں سے ہوتا ہوا۔ باہر نکل آیا۔

یہ اس عمارت کا کوئی اور حصہ تھا۔ باہر ایک خستہ حال برآمدہ اور جھاڑ جھنکار سے بھرا ہوا ایک لان نما قطعہ اراضی تھا۔ رسل نے میرا بازو تھام رکھا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا مجھے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹ رہا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے۔ نثالی کی حقیقت مجھ پر کھل چکی تھی۔ مجھے مسٹر فلپ کا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ گرینی کیلئے میرا دل ایک بار پھر تڑپ اٹھا۔ میں عجیب تذبذب کے عالم میں اس کے ساتھ کھنچی جا رہی تھی۔ رسل کے بارے میں بھی میں سب کچھ جان چکی تھی۔ جس طرح اس نے اپنے بوڑھے دادا کو نثالی کے ہاتھ فروخت کیا تھا اس نے مجھ پر اس کی گھٹیا کاروباری نیت کو آشکار کر دیا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے غزالی کو اپنے چنگل میں پھانس رکھا تھا اسی لئے مجھے یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ جانا بھی مفید نہیں ہوگا اور پھر میں تو مسٹر فلپ کی خاطر یہاں آئی تھی۔ اس جگہ سے نکل کر تو میں قطعاً اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

یہ خیال آتے ہی میں نے اپنا بازو کھینچ کر اسے ٹھہرانے کی کوشش کی۔ وہ رک گیا اور شاید سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ تاریکی میں اس کا سیاہ چہرہ اسی اندھیرے کا ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ البتہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کی چمک ایک موہوم سے نقطے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

میں نے جلدی سے پوچھا۔ ''رسل! تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

''چلی آؤ...... چلی آؤ۔'' اس نے روا روی میں کہا اور ایک بار پھر مجھے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔

''نہیں...... نہیں۔ پہلے مجھے بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو۔'' میں نے اپنے پاؤں زمین میں گاڑ دیئے۔

''ضروری نہیں کہ تم جیسی پرلے درجے کی احمق کے ہر سوال کا جواب دیا

جائے۔'' اس نے ان سنی کر دی۔

''تم مجھے زبردستی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔'' میں نے خفگی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ ''میں شور مچا دوں گی۔''

''اور میں اس طرح تمہارا منہ بند کر دوں گا۔'' اس نے اپنی چوڑی ہتھیلی سے میرا منہ بند کر دیا۔

میں نے غصے سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ ''رسل! میں یہاں مسٹر فلپ کیلئے آئی ہوں اور میں انہیں اس چڑیل کے پنجے سے رہا کرا کر دم لوں گی۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ میں گرینی کی خاطر مسٹر فلپ کو لے کر جاؤں گی۔''

وہ چلتے چلتے رک گیا اور اس نے سر جھکا کر میرے چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر قدرے بے یقینی اور حیرت سے بولا۔ ''کیا تم واقعی یہ سب کچھ گرینی اور فلپ کیلئے کر رہی ہو؟''

''ہاں!!!'' میں نے اعتماد سے جواب دیا۔

''لیکن کیوں؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''کیوں کا کیا مطلب ہے؟'' میں بھی چڑ گئی۔

''میرا مطلب ہے۔ تمہیں اس سے کیا فائدہ یا دلچسپی ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''سب تمہارے جیسی کاروباری ذہنیت نہیں رکھتے۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا۔

''اچھا!'' اس نے کچھ حیرت' کچھ طنز سے کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ''مگر اس وقت ان باتوں کا وقت نہیں۔ اس وقت تو یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔ بس تم چلو فوراً۔'' اس نے مجھے پھر اپنے ساتھ گھسیٹنا شروع کر دیا۔

میں نے پھر احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے مجھے ڈپٹ کر خاموش کروا دیا اور جھاڑ جھنکار میں سے راستہ بناتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ میرے لئے یہ صورتحال پریشان کر دینے والی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ میں خود کو حالات کی رو میں

بہہ جانے دوں یا وقت کے سامنے سپر انداز ہو جاؤں۔ دونوں ہی راستے مشکل تھے اور دونوں کے بارے میں لاعلمی میرا سب سے بڑا خوف تھی۔

ہم تقریباً باڑ کے قریب پہنچ چکے تھے جس پار نہ جانے کیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”رسل! جب تک تم مجھے بتاؤ گے نہیں کہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو میں آگے نہیں بڑھوں گی۔“

”بیوقوف لڑکی!“ اس نے دانت کچکچا کر کہا۔ ”تم میری باس نہیں ہو جو میں تمہارے احمقانہ سوالوں کے جوابات دینے شروع کر دوں چلتی ہو یا میں کوئی اور طریقہ اختیار کروں۔“ اس کے لہجے کی درشتی کو محسوس کر کے میں نے اپنے لہجے کو نرم کر دیا کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں اس بھینسے جیسے نیگرو کا مقابلہ نہیں کر سکوں گی۔

”رسل پلیز! تم کسی طرح فلپ کو واپس لے چلو۔ اس نے تمہیں پالا ہے کچھ تو خیال کرو۔“

”میں پتہ نہیں کیوں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں۔“ اس نے سر جھٹک کر غصے سے لفظ چبا کر کہا۔ ”ورنہ تم جیسی لڑکیاں تو......“ اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی اور مجھے بازو سے کھینچ کر یکدم اپنے کندھے پر ڈال کر باڑ کی طرف بڑھا۔

میرے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی۔ میں نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن اس نے میری ایک پیش نہ چلنے دی۔

”چھوڑ مجھے، چھوڑ دو مجھے!“ میں نے دبی زبان میں سختی سے کہا۔

اسی وقت لان کے اس گوشے میں روشنی کی آبشار سی گری۔ رسل ٹھٹھک کر رک گیا۔

”لڑکی کو کندھے سے اتار دو۔“ مجھے ثنالی کی غصے سے کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے ایک بار پھر خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن رسل نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا اور کرختگی سے بولا۔ ”یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دینا۔ میں اس لڑکی کو لینے آیا ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔“

”بکواس بند کرو اور اپنی خیریت چاہتے ہو تو لڑکی کو یہاں چھوڑ کر دفع ہو جاؤ۔“ ثنالی سخت غصے میں تھی۔

”اگر تم نے مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو یہ بھی محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ بہتر ہے کہ تم میرے راستے میں نہ آؤ۔“ رسل نے بغیر مرعوب ہوئے دبنگ لہجے میں جواب دیا۔

”مجھے بحث کرنے کی عادت نہیں ہوں۔“ وہ پھنکاری۔

”تو پھر یہ چیخ چیخ کس لئے کر رہی ہو۔ میں تمہیں پھر بتا رہا ہوں کہ میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ رسل نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

”شٹ اپ!“ وہ دھاڑی۔ ”اب بھی موقع ہے، ریطہ کو چھوڑو اور فوراً یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔“

نجانے خطرے کے کس احساس نے رسل کو چوکنا سا کر دیا۔ اس نے مجھے کاندھے سے اتارا اور مجھے اپنے سامنے اس طرح کھڑا کر دیا کہ وہ میری اوٹ میں تھا۔

صورتحال نے مجھے چکرا دیا۔ میں ان دونوں کی ضد بن گئی تھی۔ میرے لئے تحفظ کہیں بھی نہیں تھا۔ نہ رسل پر اعتماد کیا جا سکتا تھا نہ ثنالی سے ہی بھلائی کی توقع تھی۔ میرے اندر زندگی کی خواہش اور جینے کی آرزو دم توڑ چکی تھی اسی لئے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ مجھے کس کا ساتھ دینا چاہیے۔

رسل نے مجھے ڈھال بناتے ہوئے قدم پیچھے ہٹائے۔ ”میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں کوئی سودا کرنا ہے تو کر لو۔“

”محبت!!“ ثنالی نے مذاق اڑاتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ ”یہ کس زمانے میں محبت کا نام لے رہے ہو عقل کے اندھے؟ میں خوب سمجھتی ہوں۔ تمہیں اور تمہاری رسوائے زمانہ محبت کو۔“ ثنالی کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ رسل کے حلق سے ایک سسکاری سی نکلی اور میرے شانوں پر اس کے ہاتھوں کی آہنی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ میں ابھی پوری طرح کچھ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ دھپ سے کسی درخت کے تنے کی

طرح زمین پر آ رہا۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹی اور متاسف سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی جو ابھی اپنے پہاڑ جیسے وجود کے ساتھ یوں ڈٹا کھڑا تھا جیسے کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔

مجھے افسوس سا ہوا۔ گرینی کا بوڑھا چہرہ میری نگاہوں میں پھر گیا۔ میں نے بے ساختہ رسل کے برابر اکڑوں بیٹھ کر اس کی نبض ٹٹولی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کی نبض کی رفتار بتاتی تھی کہ وہ زندہ ہے۔

''اٹھو!'' مجھے اپنے عقب میں نثالی کی آواز سنائی دی۔

میں چونک کر کھڑی ہوگئی۔

''چلو!'' اس نے تحکمانہ لہجے میں مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔

''اور یہ؟'' میں کہے بغیر نہ رہ سکی۔

اس نے میری بات نظرانداز کر دی اور چہرے پر ناگواری کا تاثر لئے ہوئے چل پڑی۔ میرے پاس اس کے پیچھے چل پڑنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھر رہی تھی اور اس کے آگے آگے اس کی ٹارچ کا روشن دائرہ چل رہا تھا۔ اس کے قدم سے قدم ملانے کیلئے مجھے خاصا تیز چلنا پڑا۔

''کہیں یہ مر تو نہیں جائے گا؟'' میں نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا۔

اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور حقارت سے بولی۔ ''یہ شخص تم سے محبت کرتا ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' میں نے بے نیازی سے کہا۔

''ہوں!'' اس نے طنزیہ انداز میں ہنکارا بھرا۔ ''اور تم ...... تم بھی محبت کرتی ہو اس سے۔''

''مجھے اس قسم کا خبط پالنے کا کوئی شوق نہیں۔'' میں نے ناپسندیدگی سے جواب دیا۔

''تو پھر تمہیں اس کی زندگی کی اتنی فکر کیوں ہے؟'' اس کا انداز تیکھا تھا۔

''اس کی وجہ اس ذلیل شخص کی بوڑھی دادی ہے۔ اس نے اپنے بوڑھے دادا

کو تمہارے ہاتھ بیچ کر اسے بیوہ تو کر ہی دیا ہے۔ اگر یہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو وہ بیچاری بالکل تنہا ہو جائے گی۔'' میں نے افسردگی سے وضاحت کی۔

''اچھا...... بس اتنی سی بات ہے۔'' اس نے بغیر متاثر ہوئے کہا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔

مجھے اس سے اسی قسم کے رویئے کی توقع تھی۔ ابھی تو یہی غنیمت تھا کہ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ پوسٹ مارٹم روم سے یہاں تک آنے میں میری مرضی شامل نہیں تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس خستہ حال برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کہیں وہ مجھے پھر اسی ذبح خانے میں تو نہیں لے جانا چاہتی جس کی ہیبت اب بھی میرے سارے وجود میں کپکپی کی لہر سی بن کر دوڑ رہی تھی۔ میں دوبارہ اس بے رحم تجربے سے نہیں گزرنا چاہتی تھی۔ میں نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ میں مزاحمت کروں گی اور نثالی کے ہر حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کروں گی۔ میں اس کے برابر چلتے ہوئے خود کو حوصلہ دیتی رہی تا کہ اس سے بات کرنے کیلئے خود کو تیار کر سکوں۔

اس نے ایک دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ میں بھی اس کے پیچھے تھی۔ لمبی آپریشن ٹیبل اور کٹی پھٹی لاش کا تصور مجھے دہلائے دیتا تھا لیکن کمرے میں نگاہ پڑتے ہی میں حیران رہ گئی۔ یوں لگا جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر آن کی آن میں سارا منظر بدل دیا ہے۔ میں نے ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ چاروں طرف نگاہ ڈالتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا اور میرے تنے ہوئے اعصاب معمول پر آ گئے۔

وہ ایک درمیانے درجے کا بیڈروم تھا جس کے ہلکے نیلے پردے اور دیواروں کا نیلا پینٹ نیلی مدھم روشنی میں بہت خوابناک سا معلوم ہو رہا تھا۔ میرے چہرے کی حیرت بھانپ کر نثالی نے اُزخود میرے اندر اٹھنے والے سوال کا جواب دے دیا۔

''تم اب یہاں رہو گی۔'' اس کے انداز میں رعب اور تحکم تھا۔

میں نے غیرارادی طور پر ایک نگاہ کمرے پر ڈالی جس کی فضا میں ایک عجیب سی مردنی چھائی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں بھی وہ عجیب سی بو سانس کے ساتھ

نتھوں میں گھس رہی ہے۔

ایک غیر مرئی سے خوف نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ میں اس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکی۔

''میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔''

ثنالی نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ ''یہاں سارے کام تمہاری مرضی سے نہیں ہو رہے۔'' اس نے بدمزاجی سے کہا اور دھڑ سے دروازہ بند کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

★ ★ ★

میں عجیب گومگو کے عالم میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ میرے اندر اب بھی خوف کی چھاؤنی سی چھائی تھی۔ حالات کی بوالعجبی نے میری جرأتوں کو چھین لیا تھا۔ مجھے اپنے فیصلوں پر پشیمانی سی ہونے لگی تھی۔ میں شکست خوردہ سوچوں میں گھر گئی تھی۔ میری جذباتیت نے مجھے حالات کے گرداب میں اس طرح الجھا دیا تھا کہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔

اس جادونگری میں تو یہ اندازہ لگانا بھی دشوار تھا کہ باہر دن ہے یا رات۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ثنالی نے وقت کو اپنی چال بھلا دی ہے۔ سب کچھ غیر یقینی سا معلوم ہوتا تھا۔ یوں جیسے پیش نگاہ منظر تبدیل ہو جائے گا۔ میں ابھی تک کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔

میں نے بیٹھنے کے بجائے چاروں طرف ایک کھوجتی ہوئی سی نگاہ ڈالی۔ مرکزی روشنیاں جلائیں اور تمام دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا کہ کہیں کوئی ایسا بٹن یا کوئی لیور نظر آ جائے جو کسی خفیہ راستے کی نشاندہی کرتا ہو لیکن سب دیواریں صاف محسوس ہوئیں۔ کمرے میں نہ کوئی کھڑکی تھی نہ روشندان۔ باہر نکلنے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا یا ملحقہ غسل خانے کا دروازہ تھا۔

میں نے غسل خانے کا بھی جائزہ لیا۔ اس میں پچھلی جانب ایک کھڑکی تھی لیکن اس میں لوہے کی مضبوط گرل لگی ہوئی تھی۔ مایوسی نے مجھے پھر پژمردہ سا کر دیا۔ میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے حالات کی ان پیچیدگیوں پر غور کرنے لگی جو ہر آن ایک نیا رخ اختیار کر لیتی تھیں۔ نجانے مجھے اس ادھیڑ بن میں کتنی دیر ہوئی کہ میں دروازے پر پڑنے والی ہلکی ہلکی سی دستک سے چونکی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی مسلسل دروازے کو تھپتھپا رہا ہے۔

میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر آواز دی تا کہ معلوم کر سکوں کہ دستک دینے والا کون ہے مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ البتہ دستک مسلسل ہوتی رہی۔ میرے دل میں ہچکچاہٹ اور خوف پیدا ہوا کہ نجانے ان بند کواڑوں کے پیچھے تقدیر کا کون سا ستم میرا منتظر ہے۔ میں نے خود کو سنبھالا اور دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ تھوڑا تھوڑا سا اس کا پٹ وا کیا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ میں نے دروازہ پورا کھول دیا۔

''مما! مما!!'' مجھے ایک مہین سی آواز سنائی دی۔ اور ایک چار پانچ برس کا بچہ میری ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

''مما! مما!!'' وہ بچپنے کے لہجے میں پھر پکارا۔

میں نے اس کے سر پر پیار سے تھپکی دیتے ہوئے باہر جھانک کر دیکھا کہ کہیں کوئی اس کے پیچھے تو نہیں آ رہا۔ نیم تاریک راہداری سنسان پڑی تھی۔ میں بچے کو اندر لے آئی۔ وہ گھنگھریالے بالوں والا ایک زرد اور کمزور بچہ تھا جو چہرے مہرے سے مشرقی لگتا تھا۔ اس نے سلیپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں اور اس کی موٹی موٹی آنکھیں متورم تھیں۔

میں نے اسے اٹھا کر پلنگ پر بٹھانا چاہا لیکن وہ مجھ سے علیحدہ ہونے کو تیار نہیں تھا۔ مما مما کہتے ہوئے اس نے دونوں بازو میری گردن میں ڈال دیئے اور میرے شانے پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔

میرا دل محبت' ماتا اور ترحم سے بھر گیا۔ اس کے رویئے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنی ماں کو کہیں کھو چکا ہے۔ میں نے اپنے بازو اس کے گرد لپیٹ کر اسے ماں کی گود کی گرمی کا احساس دلایا اور اس کے رخساروں پر کئی بار پیار کیا۔ اس کی بے چینی رفتہ رفتہ کم ہوئی۔ میں نے اس کے گھنگھریالے بالوں کو اس کی پیشانی سے پیچھے ہٹایا اور اس سے پوچھا۔ ''مما کہاں ہے بیٹا؟''

وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے بہت پیار سے پھر کئی بار پوچھا۔ تو اس نے معصوم لب کھولے۔

''مما نہیں' مما نہیں۔'' اس نے کچھ مبہم سی بات کی اور پھر چپ ہو گیا۔ میرا دل افسردگی سے بھر گیا۔ وہ اتنا ننھا اور معصوم تھا کہ کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں تھا۔

نجانے کس نے اسے اس چھوٹی سی عمر میں ماں سے جدا کر دیا تھا۔ میں نے محبت سے اس کے بال سہلائے اور اس سے کچھ معلوم کرنے کو بہت ملائمت سے پوچھا۔

''آپ کہاں تھے بیٹا! کس کے پاس تھے' آپ کے ساتھ کون ہے؟''

اس نے مضبوطی سے میرا کالر تھام لیا۔ اس کے ننھے ہونٹوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے۔ ''آیا' آیا گندی۔ آیا گندی ہے۔''

میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آہستگی سے پھر استفسار کیا۔ ''بیٹا! مما کدھر گئی۔ مما کہاں گئی؟''

اس کا جسم ہولے سے لرزا۔ وہ میرے سینے میں منہ چھپاتا ہوا بڑبڑایا۔ ''جن بابا۔ جن بابا۔'' میں اسے تسلی دینے کو اس پر جھک گئی۔

یکدم دروازہ دھڑ سے کھلا اور ایک صحت مند نیگرو عورت اندر داخل ہوئی۔

''او ننھے بدمعاش تم یہاں گھسے ہوئے ہو۔ نالائق بچے اور میں تمہیں سارے مکان میں تلاش کرتی پھرتی ہوں۔'' اس نے چھوٹتے ہی اپنی کرخت بھری آواز میں کہا۔

بچہ کانپ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اس عورت نے آگے بڑھ کر اسے مجھ سے علیحدہ کرنا چاہا۔

''ٹھہرو' ٹھہرو! ذرا آرام سے' معصوم بچہ ہے۔'' میں نے اس کا سیاہ آبنوسی ہاتھ پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس بدمعاش کے نخرے اٹھانے کے علاوہ اور بھی کام ہیں۔ تم اس کی زیادہ ہمدرد بن کر اسے بگاڑو نہیں۔'' اس نے میرا ہاتھ غصے سے جھٹک کر بچے کو ایک بار میں ہی میرے بازوؤں سے علیحدہ کر لیا۔

بچہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کیلئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اس نے اسے زوردار جھٹکا دے کر خاموش ہو جانے کیلئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکی۔

''سنو! اسے میرے پاس چھوڑ دو۔ جب یہ سو جائے گا تو لے جانا۔''

اس نے میری بات کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا اور رعونت سے سر جھٹک کر روتے ہوئے بچے کو اپنے ساتھ لے گئی۔ میں نے کھلے دروازے میں سے جھانک

کر اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھا۔ راہداری کی تاریک فضا میں وہ کہیں گم ہوگئی۔

میں حیرت اور صدمے سے گنگ وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس بچے کا آنسوؤں میں بھیگا ہوا معصوم چہرہ بار بار میری نگاہوں میں پھرنے لگا۔ اس کی دگرگوں حالت نے میرے احساس کو شدید ٹھیس پہنچائی تھی۔ مجھے اپنی سب الجھنیں بھول گئی تھیں۔ اس ننھے منے بچے کی کسمپرسی کے سامنے مجھے اپنا دکھ بہت چھوٹا سا محسوس ہونے لگا۔ مجھ پر ثنالی کی خباثتوں کے راز کچھ اور کھلنے لگے۔ مجھے رہ رہ کر خیال آنے لگا کہ وہ مظلوم بچہ یہاں تنہا نہیں ہوگا اس جیسے اور نہ جانے کتنے بچے یہاں ہوں گے۔

اس جذباتی دھچکے نے مجھے بے حد تھکا دیا تھا لیکن میری آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ میں شدید بے چینی کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ حالات کی ڈور الجھتی ہی جا رہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ الجھنیں کہاں ختم ہوں گی۔ نجات کا راستہ کہاں نظر آئے گا۔ آنے والی صبح اپنے جلو میں نجانے کیا لے کر آئے گی۔ ثنالی نے میرے بارے میں نہ جانے کیا فیصلہ کیا تھا اور وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والی تھی۔ کچھ بھی تو واضح نہیں تھا۔

اسی وقت ہولے ہولے دروازہ کھلا۔ میں نے کچھ خوفزدہ ہو کر ہوشیار ہو کر اس طرف دیکھا۔ مجھے ایک نوجوان لڑکی کا خوبصورت چہرہ نظر آیا۔ اس کے سنہرے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی جھیل ایسی نیلی آنکھیں کہیں اور دیکھ رہی تھیں۔ اس نے بادامی جھالروں سے آراستہ شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔

وہ پیر گھسیٹتی ہوئی ناک کی سیدھ میں بڑھتی چلی آتی تھی۔ میں خاموش کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی کیونکہ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نیند میں ہے غالباً وہ شب خرابی کی مریضہ تھی۔

وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے سیدھی چلتی ہوئی الماری تک گئی۔ اس نے الماری کھولی اور اس میں سے کچھ نکالے بغیر بند کر دی۔ پھر اس نے غسل خانے میں جھانکا اور باہر نکل کر جیسے جانے کیلئے مڑ گئی۔ پہلے میں نے سوچا کہ اسے ہوشیار کر کے اس سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کروں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس کا سو

ئے رہنا ہی میرے لئے زیادہ رازوں کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اسی لئے میں نے اسے جگانے کا خیال ترک کر دیا اور بڑی آہستگی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اس کے پیچھے چل دی۔ وہ میرے آگے آگے اپنے آپ میں کھوئی ہوئی سی چل رہی تھی اور میں گردوپیش کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس کے تعاقب میں تھی۔

وہ میرے کمرے سے نکل کر پھر راہداری میں آ گئی اور اس نے ایک اور کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا۔ شاید وہ لاک تھا کیونکہ بار بار ہینڈل گھمانے کے بعد بھی وہ نہیں کھلا۔ وہ آگے بڑھ گئی اور راہ میں آنے والا ایک اور دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ میں نے دہلیز پر رک کر کمرے میں جھانکنے پر اکتفا کیا لیکن مجھے کچھ بھی نظر نہیں آیا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کمرہ خالی ہے کیونکہ اس میں نائٹ بلب بھی روشن نہیں تھا غالباً اسی لئے وہ لاک بھی نہیں تھا۔

میں وہیں دروازے میں کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ وہ کمرے کا چکر کاٹ کر واپس آ گئی اور ایک مرتبہ پھر کسی نامعلوم سمت کی طرف روانہ ہوگئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ راہداری ایک برآمدے پر ختم ہوتی تھی جہاں ہلکی ہلکی سی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتری اور تین چار فٹ چوڑی روش کو طے کرتی ہوئی ایک مستطیل سے لان میں داخل ہوگئی۔

میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ رات کے پچھلے پہر کے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ گردوپیش مکمل خاموشی کا راج تھا۔ ہلکی ہلکی خوشگوار ہوا کے چلنے سے کبھی کبھی سوکھے پتے کھڑکھڑانے لگتے تھے۔ تاریکی بہت گہری نہیں تھی۔ اس لڑکی کا شب خوابی کا لباس ایک دھبے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ میں اس سے کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ لان کے اختتام پر ایک اور عمارت ہے جو ایک علیحدہ بلاک معلوم ہوتا تھا۔ وہ لڑکی اسی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ ایک دروازے میں داخل ہوئی۔ میں بھی اس کے پیچھے تھی۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا لیکن میں نے خود کو ہر خوف سے بے نیاز بنا لیا تھا۔ مجھے زندگی کی چاہت تو رہی نہیں تھی اسی لئے اب مجھے خطرات سے زیادہ ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی اندر

داخل ہوئی۔

میں نے دیکھا کہ وہ ایک وسیع ہال ہے جہاں بچوں کے پلنگ اس طرح قطار میں رکھے ہوئے تھے۔ جیسے کسی ہوسپٹل کی نرسری ہو...... میں ٹھٹکی...... مجھے خیال آیا کہ یہاں ان بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی نرسیں یا آیائیں بھی ہوسکتی ہیں۔ میں کچھ اور محتاط ہوگئی۔

وہ لڑکی خواب کی سی کیفیت میں چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی اور ایک ایک پلنگ پر جھک جھک کر یوں دیکھ رہی تھی جیسے کسی کو تلاش کررہی ہو۔ میں اس کے پیچھے نہیں گئی بلکہ ایک نسبتاً تاریک گوشے میں رک کر اسے دیکھنے لگی کہ وہ کیا کرتی ہے۔

اسی وقت ایک ملحقہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک طویل القامت عورت باہر نکلی۔ میں جلدی سے فریج کی اوٹ میں ہوگئی۔ اس لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس تک پہنچی اور اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے دبی زبان میں بولی۔

''ڈورتھی...... یہ تم کیا ہر رات نیند میں چلنے کا ڈھونگ رچاتی ہو......؟ میڈم کو خبر ہوگئی تو وہ تمہاری اس اداکاری پر تمہیں بہت داد دیں گی۔''

ڈورتھی پھر بھی ہوش میں نہیں آئی اور جھولتے ہوئے سر کے ساتھ اسی طرح کھڑی رہی۔ وہ عورت جھلائی۔ ''چلو اب جاؤ فوراً اپنے کمرے میں جاؤ اور اگر کل میں نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو تمہاری خیر نہیں۔'' اس نے پھر اسے جھٹکا دیا لیکن وہ ہوش میں نہیں آئی۔ وہ اس کا بازو پکڑے پکڑے بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف نکل گئی۔

میں پریشان ہوئی کیونکہ اب ان کا تعاقب کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ عورت میری آہٹ سے ہوشیار ہوسکتی تھی لیکن میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ڈورتھی جیسی نوجوان لڑکیوں کو عمارت کے کس حصے میں رکھا گیا ہے اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ میں خوفزدہ تو ہوئی لیکن میں نے خود کو خطرے میں ڈالنے کا فیصلہ کرلیا اور پھونک پھونک کر قدم دھرتی باہر نکلی۔

لیکن یہ دیکھ کر میں حیران رہ گئی کہ ان کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ نہ جانے انہوں نے کونسا راستہ اختیار کیا تھا۔ جو پل بھر میں نظروں سے اوجھل ہوگئی تھیں۔ میں کچھ دیر تاریکی میں کھڑی پریشان ہوتی رہی...... پھر مجھے یہی محفوظ معلوم ہوا

کہ اس سے پہلے کہ وہ عورت واپس آجائے میں یہاں سے نکل جاؤں۔

میرے کمرے کا راستہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ میں اس خواب میں چلنے والی لڑکی کے پیچھے چلتے ہوئے اچھی طرح دیکھتی بھالتی آئی تھی تاکہ بھٹک نہ جاؤں۔ اسی لئے مجھے واپس جاتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور جلدی سے اندر گھس گئی۔

لیکن مجھے ٹھٹک جانا پڑا کمرے میں کوئی موجود تھا۔

''تمہیں میڈم نے فوراً بلایا ہے۔'' ایک بیزار صورت ادھیڑ عمر عورت نے مجھے دیکھ کر چھوٹتے ہی کہا۔

''کہاں......؟ کس لئے......؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''چلو میرے ساتھ......'' وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں بولی۔

''اس وقت......'' میں نے پس و پیش کے لہجے میں کہا۔

''چلو......!! چلو......!!'' وہ اتنا کہتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

میرے لئے اس کے پیچھے چل پڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ میرے آگے آگے چلتی ایک دوسرے راستے سے ہوتی ہوئی طویل راہداری میں داخل ہوگئی۔ میں بے حد تھکاوٹ محسوس کررہی تھی لیکن اس کے ساتھ چلنے پر مجبور تھی۔ وہ ایک ہال نما کمرے میں جا کر رکی جو ایک آپریشن تھیٹر سے ملحق تھا۔

میرے سارے بدن میں کپکپی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اب سے کچھ عرصہ پیشتر دیکھا ہوا منظر میری نگاہوں میں گھومنے لگا۔ کہیں وہ چڑیل نتالی وہی ڈرامہ تو دہرانے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ میں اندر ہی اندر بے طرح پریشان ہوئی۔

وہ عورت مجھے وہاں چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ میں لرزا دینے والے اندیشوں کے درمیان گھری کھڑی تھی کہ نتالی تیز قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

''ریطہ! جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ تم ایک آپریشن میں میرا ساتھ دو گی۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''لیکن اس وقت تو میں۔'' میں نے انتہائی کسلمندی سے عذر پیش کرنا چاہا۔

"ایمرجنسی کیلئے کوئی وقت مخصوص نہیں ہوتا۔" اس نے رعونت سے مجھے ٹوک دیا۔

وہ گردے کی تبدیلی کا ایک بے حد پیچیدہ آپریشن تھا۔ ثنالی کے ساتھ اس کی کچھ اور معاونین بھی تھیں۔ مریض ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا تھا۔ البتہ میں یہ نہیں جان سکی کہ گردے کا عطیہ کہاں سے حاصل کیا گیا تھا۔

اس تھکا دینے والے آپریشن میں تو جیسے پوری رات ہی بیت گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں نے عرصہ ہوا آرام نہیں کیا اور نجانے کب سے اس آپریشن تھیٹر میں ثنالی کے ساتھ مصروف ہوں۔ خدا خدا کر کے کہیں یہ مرحلہ تمام ہوا۔ میں نے دوسرے کمرے میں آ کر اپنی کٹ اتاری۔ تھکاوٹ سے میرا سارا بدن چور چور ہو رہا تھا۔ میرے لئے وہاں ایک پل ٹھہرنا بھی عذاب تھا۔ میں نے اس کا انتظار بھی نہیں کیا کہ ثنالی اور اس کی معاونین بھی ہاتھ دھو کر آ جائیں۔ میں سیدھی ثنالی کے پاس پہنچی۔ وہ ابھی اپنے دستانے ہی اتار رہی تھی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں۔ کیا مجھے میرے کمرے میں جانے کی اجازت ہے۔"

اس نے سر سے کیپ اتارتے ہوئے میری طرف طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔ "اگر تم اتنی جلدی تھکنے لگیں تو میرے ساتھ کام نہیں کر سکو گی۔"

"میں آہستہ آہستہ خود کو عادی بنا لوں گی۔" میں نے رواروی میں جواب دیا۔

"ہم لوگ ابھی کافی پئیں گے۔ تم بھی ایک کپ پی کر چلی جانا۔" اس نے فراخدلی سے کہا۔

"نہیں شکریہ! میں اس وقت سوائے آرام کرنے کے کچھ اور نہیں کرنا چاہتی۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔" وہ بولی۔

میں اس وقت اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی اور بستر پر گر کر آنکھیں موند لیں۔

صبح ہونے میں ایک دو گھنٹہ ہی باقی تھا۔ اس وقت جو میں سوئی تو اگلے دن کے چڑھنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ شاید کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا یا میں نے کوئی پریشان کن خواب دیکھا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ سورج شاید اپنی مسافت نصف النہار تک مکمل کر چکا تھا۔ سارہ کمرہ تیز چمکیلی روشنی سے بھرا ہوا تھا جس کے اجلے اجلے ہجوم میں نیلا نائٹ بلب بالکل مدھم سا پڑ گیا تھا۔ میں نے کسلمندی سے کروٹ بدلتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا اور دستک سننے کی کوشش کی لیکن شاید وہ میرے خواب کا ہی حصہ تھا کیونکہ دروازے پر دستک نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے اٹھ کر غسل کیا تاکہ تازہ دم ہو جاؤں۔ میں تولیے سے بال پونچھتی ہوئی باہر آئی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے میں کوئی موجود ہے۔ میں نے بال جھٹک کر دیکھا اور میں نے پہچان لیا کہ وہ ثنالی کی معاونین میں سے ایک تھی جس کا نام مجھے ڈاکٹر شیل بتایا گیا تھا۔

"گڈ آفٹرنون!" اس نے مجھ سے نگاہ ملتے ہی کہا۔

میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اخلاقاً اس کی مزاج پرسی کی۔ وہ تقریباً ثنالی کی ہم عمر ایک قبول صورت عورت تھی۔ البتہ ثنالی کی بہ نسبت اس کے چہرے پر رعونت کم تھی۔ اس نے بات کی تو اس کا لہجہ بھی کسی حد تک دوستانہ تھا۔

"تم تو بہت سوئیں۔"

"ہاں! میں پچھلے 36 گھنٹوں سے جاگ ہی رہی تھی۔ اس پر وہ اس قدر تھکا دینے والا آپریشن۔" میں نے جواب دیا۔

دروازہ کھلا اور ایک عورت خاموشی سے ناشتے کی ٹرے رکھ کر باہر نکل گئی۔ کافی کے برتن دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ مجھے کافی کی طلب کتنی شدت سے ہو رہی تھی۔ میں نے بالوں میں کلپ لگایا اور کافی کی دو پیالیاں بنائیں۔ ڈاکٹر نے انکار نہیں کیا اور پیالی میرے ہاتھ سے لے لی۔

خاموشی کا ایک طویل لمحہ کمرے میں تیرنے لگا۔ پھر اس نے پیالی میز پر رکھ دی اور مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "رات تم نے بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس لئے میڈم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں کچھ خصوصی فرائض سونپے جائیں۔" اس نے تھوڑا

توقف کیا۔

میں نے اپنے چہرے پر کسی بیتابی یا تجسس کا تاثر نہیں آنے دیا اور خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مشغول رہی۔

''تم ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں ضروری باتیں سمجھا دوں۔'' اس نے گویا اطلاع دی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ مجھے نائلی کی بہ نسبت قدرے ملائم لگی۔ میں نے سوچا کہ اس سے مسٹر فلپ کے بارے میں بات کر کے دیکھنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے وہ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلومات فراہم کر سکے۔ اسی لئے میں نے محتاط سے لہجے میں بات بنائی۔

''مجھے بے حد خوشی ہے کہ میڈم نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ میں اس اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔ کیا میں مسٹر فلپ سے بھی مل سکوں گی؟''

''کون مسٹر فلپ؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ جنہیں میڈم میرے ساتھ ہی یہاں لائی تھیں۔ وہ بالکل مفلوج ہیں۔''

اس نے ماتھے پر تیوری ڈال کر سوچا۔ ''یہاں تو اس قسم کے مریض آتے ہی رہتے ہیں۔ اب پتہ نہیں تم کس کی بات کر رہی ہو۔ ادھر تو سب کو نمبروں سے پکارا جاتا ہے۔''

میں کچھ چونکی لیکن انجان بنتے ہوئے کہا۔ ''میڈم اپنے پیشے میں اس قدر ماہر سمجھی جاتی ہیں۔ کاش! وہ مسٹر فلپ کو بھی نئی زندگی دے دیں۔''

اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔ ''اس کا انحصار تو تمہارے مسٹر فلپ کی خوش قسمتی پر ہے۔'' اس کا انداز کچھ طنز لئے ہوئے تھا۔

''وہ کیونکر؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

وہ ہنسی۔ ''میڈم نے تو اپنی دوائیاں آزمانی ہی ہیں۔ اب یہ تو مریض کی قسمت ہے کہ ان کا تجربہ کامیاب رہے۔''

''اوہ!'' مجھے یہ بات پہلے سے معلوم ہونے کے باوجود اس کی تصدیق سے دھچکا سا لگا۔ میں خود کو بڑی مشکل سے کوئی سخت جملہ کہنے سے روکا۔ اس نے میرے

چہرے سے میری دلی کیفیات کا اندازہ لگا لیا اور بولی۔ ''میڈم! اس قسم کے مریضوں کو خریدنے میں اتنا روپیہ یونہی تو برباد نہیں کرتیں۔''

''لیکن ...... لیکن میں چاہتی ہوں کہ مسٹر فلپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔'' میں نے کچھ مضطرب سا ہو کر کہا۔

''اگر تمہیں ان حضرت کا اتنا ہی خیال ہے تو تم نے انہیں بیچا ہی کیوں تھا۔ اب تو وہ میڈم کی تجربہ گاہ کا ایک حصہ ہیں اور کچھ نہیں۔''

میں پریشانی سے اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ ''اب اس بحث سے تو کچھ حاصل نہیں کہ انہیں کس نے فروخت کیا اور کیوں کیا؟ لیکن کیا انہیں یہاں سے واپس لے جایا جا سکتا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''اوں ہوں!!!'' اس نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ ''اب یہ ممکن نہیں۔ میڈم ایسے مریضوں کی حفاظت قیمتی سرمائے کی طرح سے کرتی ہے کیونکہ ان کے بغیر وہ اپنے تجربات کو آگے نہیں بڑھا سکتیں مگر تم مسٹر فلپ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو۔ ان سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

''رشتے کی بات چھوڑو۔ بس تم یہ سمجھو کہ وہ کسی کی امانت ہیں اور میں اس امانت کو لوٹانا چاہتی ہوں۔'' میں نے بتایا۔

''تو کیا ان مسٹر فلپ کیلئے تم نے کہیں اور بھی معاہدہ کر رکھا ہے۔'' وہ دور کی کوڑی لائی۔

میں زچ ہو گئی۔ اس عورت کو اپنا نقطہ نظر سمجھانا میرے بس میں نہیں تھا۔ وہ تو ایک ایسے سفاک جہان میں رہتی بستی تھی جس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ میں نے اپنی جھنجھلاہٹ کو کم کیا اور لہجہ بدل کر بولی۔ ''نہیں' یہ بات نہیں ہے۔ میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔ جو شاید میں تمہیں نہیں سمجھا سکوں گی لیکن کیا تم مجھے اتنا بتا سکتی ہو کہ اگر انہیں واپس نہیں لے جایا جا سکتا تو کیا یہ ممکن ہے کہ میں یہاں پر ان کی دیکھ بھال کر سکوں۔''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتی کیونکہ سب کی ڈیوٹیاں میڈم کے حکم سے لگائی جاتی ہیں۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گئی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے لگی۔ بے دھیانی میں میں اپنے سامنے رکھی ہوئی کافی پینا بھی بھول گئی۔

''تم کس سوچ میں گم ہو؟'' آخر اس نے مجھے چونکایا۔ ''جلدی سے ناشتہ ختم کرو اور میرے ساتھ چلو۔''

میں نے گردوپیش میں واپس آتے ہوئے کافی کی پیالی اٹھالی جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ میں نے اس ٹھنڈی کافی کو دو ہی گھونٹوں میں اپنے اندر انڈیل لیا اور چلنے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈاکٹر شیل بھی اٹھی اور میرے ساتھ ہی کمرے سے باہر آئی اور اس نے وہ راستہ اختیار کیا جو میں رات خواب میں چلنے والی لڑکی کے ساتھ طے کر چکی تھی۔ وہ مجھے اس حصے میں لے آئی جسے رات میں نے بچوں کا وارڈ سمجھا تھا لیکن دن کے اجالے میں وہ بچوں کی نرسری کا ایک حصہ نظر آتا تھا۔

یہاں تقریباً پچیس تیس بچے تھے جو ایک ہی انداز کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کی صورتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بچے ایشیائی اور پسماندہ ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس نرسری میں دنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ بچے کھیلنے میں مشغول تھے لیکن ان کے پھول سے چہرے کچھ کملائے کملائے سے لگتے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا۔ ان میں وہ بچہ شامل نہیں تھا جو رات میرے کمرے میں چلا آیا تھا۔

بچے ہر بات سے بے خبر اپنے اپنے کھیل میں مگن تھے۔ دو کرخت چہروں والی آیائیں تیز آنکھوں کے ساتھ ان کی نگرانی کر رہی تھیں۔ میں نے سوالیہ آنکھوں سے ڈاکٹر شیل کی طرف دیکھا کہ شاید وہ ان بچوں کے بارے میں کچھ بتائے گی لیکن وہ خاموش رہی اور ایک ملحقہ کمرے میں داخل ہوگئی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھی۔

وہ ایک آفس نما کمرہ تھا جس کے ایک گوشے میں کمپیوٹر وغیرہ نصب تھے۔ اس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھے بھی بیٹھنے کیلئے کہا۔ میں آفس کی قیمتی آرائش اور رنگوں کے عمدہ انتخاب پر ایک ستائشی نگاہ ڈالتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''یہ جو بچے تم دیکھ رہی ہو ناں۔'' اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''یہ سب کے

سب عطیات لینے کیلئے خریدے گئے ہیں۔''

''کیا؟؟؟'' میں دھک سے رہ گئی۔

''تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ میری کیفیت کو کچھ میرے چہرے سے بھانپ گئی۔

''آجکل یہ سب چلتا ہے۔ اس روئے زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ برائے فروخت ہے۔'' اس نے کمال بے نیازی سے کہا۔

''نہیں ...... سب کچھ نہیں۔'' میں جذباتی سے لہجے میں بے ساختہ کہہ گئی۔

''مثلاً کیا کچھ نہیں۔'' ڈاکٹر شیل نے جیسے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

''مائیں تو اپنی ممتا نہیں بیچا کرتیں۔'' میں نے استدلال کیا۔

''تم بہت ناتجربے کار ہو ابھی۔'' اس نے جہاندیدہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''یہاں رہو گی تو بہت سارے تجربے حاصل کرو گی۔ پھر تمہیں یہ ممتا وغیرہ قسم کی اصطلاحیں سب کے سب مفروضے معلوم ہوں گی۔''

میں چپ سی ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ شاید میری اس چپ کا مطلب سمجھ گئی اسی لئے ازخود بولی۔ ''میڈم کسی اغوا شدہ بچے کو قبول نہیں کرتی۔ یہ سب بچے ان کی ماؤں سے براہ راست ان کی رضامندی سے خریدے گئے ہیں۔''

''اوہ! میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی...... کہ کہیں لوگ اتنے مجبور بھی ہیں۔'' میں نے بے حد افسردگی سے کہا۔

وہ مسکرائی۔ ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ برتر طبقے کو زندہ رکھنے کیلئے نچلا طبقہ ہی کام آتا ہے کیونکہ نچلے طبقے کی بھی اپنی ضروریات اور اپنی مجبوریاں ہیں۔''

مجھے اس بات نے کچھ ایسا دھچکا سا لگایا کہ میں سن سی ہوگئی۔ وہ میری غیر معمولی تشویش دیکھ کر ہنسی۔ ''اس بارے میں باقی تم اپنے کمرے میں جا کر سوچنا کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو بڑے بڑے مفکر بھی حل نہیں کر پائے۔ اس وقت تو تم اس کام کی تفصیلات سے آگاہ ہو جاؤ۔ میری بات غور سے سنو کیونکہ تمہیں آج ہی سے اپنی ڈیوٹی سنبھالنا ہے۔''

میں نے سر جھٹک کر ان پریشان کن خیالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی

کوشش کی اور اس کی جانب خود کو متوجہ ظاہر کیا۔ اس نے میز پر سے فائلوں کی ایک ٹرے میری جانب سرکائی۔ ''ان فائلوں میں ان تمام بچوں کا بائیوڈیٹا درج ہے۔ ان کے بلڈ گروپ اور ٹشو میچنگ وغیرہ کے بارے میں تفصیلات درج ہیں۔ ان کا ہر روز چیک اپ کیا جاتا ہے۔ جن بچوں سے عطیہ لینا مقصود ہوتا ہے ان کا خصوصی چیک اپ ہوتا ہے اور اس کی ساری تفصیلات وغیرہ جانچی جاتی ہیں۔ آج سے یہ سارا ریکارڈ تم رکھو گی۔'' اور ابھی اس نے بات ختم نہیں کی تھی کہ دروازہ کھلا اور ایک لمبی تڑنگی آیا ایک ننھے بچے کو اپنے ہمراہ گھسیٹتی ہوئی اندر آئی۔ جو ماما! ماما!! چلا رہا تھا۔ ''ڈاکٹر اس بدمعاش کا تو کوئی بندوبست کرو۔ اس نے تو ہمیں تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے نامعقول تو نہ ہو کہیں کا۔'' اس نے بچے کو جھٹکا دے کر خاموش کروانے کی کوشش کی۔ ''زبان بند کر شیطان کے چیلے!!!''

''مارتھا! تم یہ کیا ہر وقت ہنگامہ مچائے رکھتی ہو۔ تمہیں ابھی تک چھوٹے بچوں کو سنبھالنا ہی نہیں آیا۔'' ڈاکٹر شیل نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

میں نے دیکھا کہ آیا کے ساتھ وہی ننھا بچہ تھا جو رات میرے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس بچے کی نگاہ بھی مجھ پر پڑ گئی اور وہ ماما! ماما!! پکارتا ہوا میرے پاس آنے کیلئے مچلنے لگا۔ آیا نے اس کا بازو نہیں چھوڑا اور اسے خاموش کروانے کیلئے پھر اسے ایک زوردار جھٹکا دیا۔

بچہ بلند آواز میں رونے لگا۔ ڈاکٹر شیل بھی بچے کی حرکات دیکھ رہی تھی۔ اس نے گھور کر آیا کی طرف دیکھا اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔ ''مارتھا! اسے چھوڑ دو۔''

مارتھا نے غصے سے دانت پیسے اور جھنجھلا کر بچے کا ہاتھ اس طرح چھوڑا جیسے اسے دھکا دیا ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا میری طرف بڑھا اور اس کے ہونٹوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے۔ ''ماما! ماما!!!'' میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ ''آرام سے۔ آرام سے بچے۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے پیار سے اس کی پشت تھپکی۔

بچے نے پلٹ کر خوفزدہ آنکھوں سے مارتھا کی طرف دیکھا جو اب تک وہیں یوں ڈٹی کھڑی تھی جیسے اس انتظار میں ہو کہ ڈاکٹر شیل کا اشارہ ملے تو وہ بچے کو دبوچ لے۔

لیکن اس کی توقع کے خلاف ڈاکٹر شیل نے اسے چلے جانے کیلئے کہہ دیا جو اسے بہت ناگوار گزرا۔ وہ میرے اور اس بچے کی طرف گھور گھور کر دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر شیل نے مجھ سے کہا۔ ''اس بچے کو یہاں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ شاید اسی لئے ابھی اس ماحول سے نامانوس ہے۔''

''اتنی سی عمر میں اپنے گھر' اپنی ماں سے بچھڑ کر کوئی کس طرح بالکل اجنبی ماحول سے مانوس ہو سکتا ہے۔'' میں نے اس کے نرم گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر یہ آیائیں' خدا کی پناہ! آیائیں کم اور چڑیلیں زیادہ نظر آتی ہیں۔''

میرے اس خطاب پر ڈاکٹر شیل مسکرائی۔ ''تم نے انہیں تشبیہہ تو خوب دی ہے لیکن یہ تمہارا ہمارا دردسر نہیں۔'' اس نے اٹھ کر کمپیوٹر چلایا اور کچھ تفصیلات نوٹ کرنے لگی۔

وہ بچہ ابھی تک میری گود میں ہی دبکا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ ہلکی ہلکی سسکیاں سی لیتا تھا۔ مجھے اس پر رحم آ رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس پر غور کر رہی تھی کہ میں اس کیلئے کیا کر سکتی ہوں کہ اچانک مجھے یوں لگا جیسے در و دیوار بڑے زور سے ہل رہے ہیں۔ میں نے گھبرا کر چھت کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر شیل بھی پلٹی۔

اسی وقت اتنا شدید دھماکہ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے کانوں کے پردے پھٹ گئے ہیں۔ چھت بڑے زور سے لرزنے لگی اور اس میں تیزی سے پڑتی ہوئی دراڑوں میں سے ریت اور مٹی گرنے لگی۔ میں بدحواسی میں اٹھی۔ ڈاکٹر شیل نے دوڑ کر دروازہ کھولا اور بغیر پیچھے دیکھے باہر نکل گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکی۔

یہ دیکھ کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ عمارت کا ایک بڑا حصہ منہدم ہو چکا تھا۔ آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہر طرف دھواں' گیس اور گرد و غبار اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ سانس لینا بھی محال تھا۔ چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ہوا میں بارود اور گوشت جلنے کی بو شامل تھی۔ فضا سے گرم راکھ برس رہی تھی۔ انسانی اعضاء اور گوشت کے لوتھڑے یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے۔ جگہ

جگہ خون کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

اس دل دہلا دینے والے ہولناک منظر کو دیکھ کر میں اپنے ہوش کھونے لگی۔ میرا دل ڈوبنے لگا اور میں بے ساختہ بلند آواز میں رونے لگی۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟ آگ اور خون کے اس طوفان میں بکھرتے ہوئے انسانی اعضاء کے درمیان یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرا اپنا گوشت جل رہا ہے۔ خون سے بھرے ہوئے زخمی لوگ بدحواسی میں چیختے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ امدادی گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے تھے۔ وہ بچہ ابھی تک میری گود میں تھا اور بالکل گم صم سا ہو کر مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ اس دل گداختہ منظر کے درمیان چلنا پہلے ہی دشوار تھا۔ اس پر بچے کے گود میں ہونے سے مجھے اور بھی دقت ہو رہی تھی۔

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر شے تہس نہس ہو گئی ہے۔ کسی طرف کچھ بھی نہیں بچا۔ قیامت کی ان گھڑیوں نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ یہ سب کچھ جھیلنا بے حد دشوار تھا۔ میں تباہی کے اس جنگل سے خود کو نکالنے کیلئے بچے کو گود میں لئے بغیر کسی سمت کا تعین کیے پوری قوت سے بھاگتی چلی گئی۔

⌘ ⌘ ⌘

اچانک دو مضبوط ہاتھوں نے مجھے زبردستی روک لیا۔ میں نے پریشانی سے دیکھا۔ میرے دونوں جانب دو مضبوط مرد مجھے گھیرے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے پلک جھپکتے میں بچے کو میری گود سے کھینچ کر بیدردی سے زمین پر ڈال دیا اور مجھے بازو سے پکڑ کر کشاں کشاں ایک سمت لے چلا۔

''کون ہو تم؟'' میں نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

''جلدی کرو...... جلدی...... ہم تمہیں محفوظ مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''مگر بچہ!!'' میں نے دہائی دی۔

وہ رک گئے۔ ''کیا وہ تمہارا بچہ ہے۔؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں...... وہ میرا بچہ نہیں...... لیکن وہ......'' بات میرے منہ میں ہی رہی اور وہ افراتفری میں پھر رواں ہو گئے۔ میں ان کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

''پلیز! اس بچے کو تو لے لو۔'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن ان دونوں نے مجھے پلٹ کر دیکھنے نہیں دیا۔ میں شور مچاتی رہی لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور مجھے دونوں جانب سے تھامے ہوئے ایک طرف کھڑی ہوئی سیاہ لمبی کار تک لے آئے۔ جس کا دروازہ مجھے دیکھتے ہی کھل گیا۔ انہوں نے مجھے یوں اندر دھکیلا جیسے سامان پھینکا جاتا ہے۔ میں سیٹ پر گری پڑی۔

ابھی میں سنبھلی بھی نہیں تھی کہ کار یوں زن سے چلی جیسے گولی بندوق سے نکلتی ہے۔ مجھے فوراً ہی کسی نے سہارا دے کر بیٹھنے میں مدد دی۔ ابھی میں نے درست طور پر دیکھا بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ کون بیٹھا ہوا ہے کہ کسی نے ہاتھ پکڑ کر ایک

سیاہ پٹی زبردستی میری آنکھوں پر باندھ دی۔ مجھے خطرے کا احساس ہوا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تم کون لوگ ہو۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' میں نے اندھیرے میں ڈوبتے ہوئے دہائی دی۔

''شٹ اپ!!!'' اس نے میرے منہ پر ٹیپ جیسی کوئی چیز چپکا دی۔ بے دلی میرے ہونٹوں کی چپ بن گئی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ خوف سے میں سن سی ہو گئی۔ مجھ میں ہلنے کی سکت بھی نہیں رہی۔ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اسٹیل ہیڈ کے ہی لوگ تھے۔ اس تصور سے ہی مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ میں نے اس کی خباثتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایک بار پھر اس کے جال میں پھنس جانے کے خیال سے میرا دم گھٹنے لگا۔

یوں دیکھنے اور بولنے کی حسوں کے بغیر فراٹے بھرتی ہوئی کار کا انجانا سفر بڑا ہی ہولناک تھا نہ منزل کا کچھ پتہ تھا نہ راستے کی خبر تھی۔ سوائے ٹریفک کے بے ہنگم شور کے دنیا سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے خوف کا یہ سفر ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ آنے والے لمحوں کے بارے میں سوچ سوچ کر میرے اعصاب ٹوٹنے لگے تھے۔

نہ جانے کتنی ہی صدیوں ایسی ساعتوں میں سے گزر کر ایسے لگا جیسے گاڑی رک گئی ہے۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔ میری ٹانگوں میں چلنے کی سکت بھی نہیں تھی لیکن میں اندھوں کی طرح اس کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہی تھی۔ پھر ایسے لگا جیسے کوئی اور دروازہ کھلا ہے۔ مجھے ساتھ لے کر چلنے والا اندر داخل ہوا۔ پیروں تلے پکا فرش بولنے لگا۔ تھوڑا چلنے کے بعد پھر کوئی کواڑ کھلا اور مجھے اندر لے جا کر کسی نشست پر بٹھا دیا گیا۔

مجھے اس وقت احساس ہوا کہ نابینائی کتنی اذیت دہ کیفیت اور کمی ہے۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ میں کن لوگوں کے درمیان ہوں اور ان کے عزائم کیا ہیں۔ میرے ہونٹ سختی سے بند تھے۔ میں اندر ہی اندر کھول رہی تھی لیکن کچھ کہہ نہیں پاتی تھی۔

میری زندگی میں پہلے بھی خوف کی چھاؤنی سی چھائی تھی لیکن ان لمحوں میں

جو ڈرا دینے والے اندیشے اور وسوسے پوشیدہ تھے انہوں نے مجھے اتنا پریشان کیا کہ میں نے بے ساختہ اپنی آنکھوں سے وہ پٹی ہٹانا چاہی جس نے میرے سامنے ایک دیوار سی کھڑی کر رکھی تھی۔ فوراً ہی کسی نے سختی سے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں نے جھلا کر سر جھٹکا اور اپنے منہ پر لگی ہوئی ٹیپ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے اتارا جائے۔ میری یہ بات مان لی گئی اور کسی نے وہ ٹیپ اتنی بیدردی سے کھینچ کر اتاری کہ میں شدت کرب سے بے حال ہو کر بے ساختہ اپنے ہونٹ سہلانے لگی۔

''ڈاکٹر مکرجی! تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ ہمارے سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب دو۔''

میں چونکی۔ میں سیاہ پٹی کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن میں اتنا اندازہ تو لگا سکتی تھی کہ اس کرخت آواز نے مجھے ہی پکارا ہے مگر انہوں نے نام کوئی اور لیا تھا اسی لئے میں نے تھوڑا توقف کیا تا کہ وہ دوسری مرتبہ پکاریں تو میں دھیان سے سن سکوں۔

''ڈاکٹر مکرجی!'' اس مرتبہ مخاطب کرنے والے نے کسی چھڑی نما چیز سے میرے شانے کو چھوا۔ ''تم نے سنا نہیں؟'' مجھے حوصلہ سا ہوا کہ میں ان کی مطلوبہ شخصیت نہیں ہوں۔ میں نے ان پر یہ ظاہر کیے بغیر کہ میں خوفزدہ ہوں پورے اعتماد سے جواب دیا۔ ''میں سن رہی ہوں۔''

''تو پھر جواب کیوں نہیں دیتیں۔'' اس کے لہجے میں درشتی تھی۔

''اس لئے کہ میں ڈاکٹر مکرجی نہیں ہوں۔'' میں نے اطلاع دی۔ میں یہ دیکھنے سے معذور تھی کہ میری اس بات کا ان پر کیا ردعمل ہوا ہے۔

''بکو مت! ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم ہی ڈاکٹر مکرجی ہو۔'' کسی دوسری آواز نے ڈپٹ کر کہا۔ مجھے حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا تھے جس پر انہیں اصرار بھی تھا۔ انہیں قائل کرنا مشکل ہو رہا تھا لیکن میں نے اپنی پوری کوشش کی۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کی معلومات درست نہیں۔ میں ڈاکٹر نہیں سٹاف نرس ہوں۔ میرا نام ربطہ ہے۔'' پھر لمحے بھر کو خاموشی کا وقفہ ہوا۔ میرے اردگرد کے

اندھیرے نے جیسے مجھے سولی پر لٹکا دیا۔ مجھے اس وقت احساس ہوا کہ اپنی بات کا ردعمل دوسرے کے چہرے پر نہ دیکھا جا سکے تو کتنی مشکل ہوتی ہے۔ گھپ اندھیرے میں یہ لاعلمی کتنی جان لیوا ہوتی ہے کہ اگلے ہی لمحے کیا ہونے والا ہے۔ میرے روئیں روئیں میں شدید بے چینی دوڑ رہی تھی اور بار بار یہ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے کہ نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا لمحہ تھا لیکن مجھ پر صدیوں کی طرح گزرا۔ پھر ایک آواز ابھری۔ لہجہ سرزنش کا تھا۔

"زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ ہم سب جانتے ہیں کہ تم کون ہو اور کون نہیں۔ تم سے جو پوچھا جائے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

"آپ نہیں جانتے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "میں ڈاکٹر مکرجی نہیں ہوں۔ میں سٹاف ریطہ ہوں، ریطہ۔" ابھی لفظ میرے ہونٹوں میں ہی رہے اور ایک زوردار تھپڑ نے میرا منہ پھرا دیا۔

"تم ہماری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوئی ہو لیکن ہمیں تم جیسے لوگوں سے نمٹنا خوب آتا ہے۔" کسی نے میرے بال مٹھی میں جکڑ کر جھٹکے دیئے۔ میں شدت کرب سے بے حال ہو گئی۔ میرا نچلا ہونٹ میرے دانتوں تلے آ گیا اور خون کا نمکین ذائقہ میرے حلق میں گھلنے لگا۔

"بولو جواب دو۔ اب انکار کرو کہ تم ڈاکٹر مکرجی نہیں ہو۔"

"چھوڑو مجھے۔ خدا کیلئے مجھے چھوڑ دو۔" میں نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اسے اپنے بال جھولنے سے روکنا چاہا۔ "میں ڈاکٹر مکرجی نہیں ہوں، نہیں ہوں۔ میری بات کا یقین کرو۔ مجھ پر یقین کرو۔" میں دہائی دیتی رہی مگر میری کسی نے نہیں سنی۔ میں اندھوں کی طرح اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے ان کے ہاتھ روکنے کی کوشش کرتی رہی لیکن لاحاصل۔ وہ بار بار مجھے منوانے کی کوشش کرتے رہے کہ میں ہی ڈاکٹر مکرجی ہوں۔

میں نے کبھی اتنا تشدد نہیں سہا تھا۔ میں نے تو کبھی کسی کا درشت لہجہ برداشت نہیں کیا تھا۔ مجھے اس تشدد کی اذیت کے ساتھ بے پناہ تذلیل کا احساس تھا۔ میری آنکھوں پر سختی سے بندھی ہوئی سیاہ پٹی نے پہلے ہی گرد و پیش کو سیاہ کر

رکھا تھا لیکن رفتہ رفتہ میرا ذہن، میرا دماغ بھی اندھیرے میں ڈوبنے لگا۔ میری قوت برداشت میرا ساتھ چھوڑنے لگی۔ میرے ہوش و حواس رخصت ہونے لگے۔ میرا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ مجھ میں اور اذیت سہنے کی سکت نہیں رہی۔ میں جیسے کسی گہرے تاریک غار میں گرتی چلی گئی اور میرا بدن چور چور ہو گیا۔

نجانے کب تک میں اس اندھیرے غار کی تہہ میں بے بس سی پڑی رہی۔ شاید صدیاں گزر گئیں۔ زمانے بیت گئے اور روشنی کی کوئی کرن مجھ تک نہیں آئی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے میں موت کی ہولناک سیاہ خاردار وادی میں بھٹکتی پھرتی ہوں اور کہیں جائے پناہ نہیں ہے۔ غفلت کے عالم میں بھی میرے تحت الشعور میں خوف کے بھیانک ہیولے میری جانب لپک رہے تھے۔

پھر نہ معلوم مجھے کس نے ہوشیار کیا۔ میں نے جھرجھری سی لے کر ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ غفلت کے اس طویل وقفے کے باوجود یہ خوف اب بھی میرے ذہن میں موجود تھا کہ میری آنکھیں سیاہ پٹی میں قید ہیں۔ میری پلکوں کی جنبش کے ساتھ ساتھ روشنی میری آنکھوں میں پندھ سی لگانے لگی۔ میں نے بے یقینی سے پوری آنکھیں کھولیں لیکن تیز روشنی سے چندھیا کر وہ خود بخود بند ہو گئیں۔ اس چھوٹے سے لمحے میں مجھے کچھ بھی واضح طور پر نظر نہیں آیا۔ کسی نے میرا بازو سختی سے جھنجھوڑ کر کہا۔ "یہ لو......فون پر بات کرو۔"

میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ مجھے ٹھیک طرح اندازہ نہیں ہوا کہ میرے اردگرد کتنے لوگ ہیں۔ کسی نے فوراً ہی میرے ہاتھ میں کارڈلیس تھما دیا۔ "بات کرو۔ بات!"

مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ مجھے کس کے ساتھ بات کرنے کیلئے کہہ رہے ہیں۔ میں نے ہک بک ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"بات کرو۔" ایک نے مجھے ٹھوکا دیا۔

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ریسیور میں "ہیلو" کہا۔ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "بھئی یہ تم لوگ مجھے کس ڈاکٹر مکرجی سے بات کرانا چاہتے ہو۔ ایک ڈاکٹر مکرجی تو میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔"

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے وحشی چہروں کی طرف دیکھا۔ وہ ایک سیٹ پر یہ گفتگو سن رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے جھپٹ کر ٹیلیفون بند کر دیا اور قہر آلود نگاہوں سے میری طرف گھورا۔ ''اچھا! تو تم دونوں مل کر ہمیں ڈبل کراس کرنا چاہتی ہو؟''

میں نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''آخر آپ لوگ اپنی غلطی کی سزا مجھے کیوں دے رہے ہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا ہے کہ میں ڈاکٹر مکرجی نہیں ہوں۔ آپ میری بات پر یقین کیوں نہیں کر لیتے۔'' میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

''ہم جانتے ہیں کہ تم دونوں چڑیلیں بڑی گھاگ ہو۔'' ان میں سے ایک نے غصے میں ہونٹ چباتے ہوئے کہا جس کا چہرہ بہت لمبا تھا۔

مجھے شدید پیاس لگی تھی۔ ایک گھونٹ پانی کی طلب مجھے بے حال کیے دیتی تھی لیکن میں ان سے پانی مانگ کر اپنی ایک کمزوری ان کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتی تھی۔ میں نے خشک ہونٹوں کو اپنی زبان سے تر کرنے کی کوشش کی اور قدرے درشتی سے جواب دیا۔ ''تم لوگ کچھ نہیں جانتے۔ اگر جانتے ہوتے تو مجھے اس ناہنجار ڈاکٹر مکرجی کی جگہ کیوں پکڑ لاتے جس کی میں نے کبھی شکل بھی نہیں دیکھی۔''

وہی لمبے چہرے والا کسی جانور کی طرح غرا کر مجھ پر جھپٹا۔ میں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی لیکن اس کے ایک ساتھی نے اسے روک لیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا۔ وہ تینوں مجھے چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

لمحے بھر کو تو مجھے یقین نہیں آیا کہ واقعی وہ لوگ مجھے کچھ کہے بغیر چلے گئے ہیں۔ ان وحشی چہروں کو اپنے گرد جمع دیکھ کر اس تصور سے ہی میری جان نکل گئی تھی کہ شاید وہ سب کچھ دہرایا جانے والا ہے جو اس سے قبل مجھ پر گزر چکا تھا۔ نجانے ان کے دل میں کیا تھا اور وہ اس کے بعد کیا کرنے والے تھے لیکن فی الوقت تو میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ ٹل گئے تھے۔

میں نے ایک نگاہ اپنے چاروں طرف ڈالی۔ وہ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا ایک اجاڑ سا کمرہ تھا۔ میں ایک پرانے صوفے پر پڑی تھی جس کا فوم جگہ جگہ سے پچکا ہوا

تھا۔ پیاس سے میرے حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے لیکن اس کی توقع نہیں تھی کہ کوئی مجھے دو گھونٹ پانی ہی پلا دے گا۔ کمرے کے ساتھ ساتھ کوئی غسل خانہ ملحق نہیں تھا نہ ہی کوئی کھڑکی یا روشندان تھا۔

مجھے اپنی بے بسی پر رونا آنے لگا۔ وقت کتنا نامہربان تھا اور قسمت کتنی سنگدل جو مجھے جرائم پیشہ لوگوں کے چنگل سے نکلنے ہی نہیں دیتی تھی۔ میں غزالی کی محبت میں اتنی دور نکل آئی تھی کہ اب پلٹ کر دیکھنا بھی عذاب ہو گیا تھا اور وہ اتنی آسانی کے ساتھ میری زندگی سے نکل گیا تھا کہ جیسے کبھی محبت کے مرغزاروں سے اس سے کوئی وعدہ ہی نہیں ہوا تھا۔

ان گھٹیا جرائم پیشہ لوگوں کے چنگل میں مجھے اپنی ذات اتنی کم مایہ سی معلوم ہونے لگی تھی کہ میں شدید تنہائی کے عذاب میں بھی اپنوں کو یاد کرنے میں شدید احساس جرم سا محسوس کرتی تھی۔ میں اپنے باعزت خاندان اور باوقار ماں سے یاد کا تعلق رکھنے کو بھی باعث خجالت تصور کرتی تھی۔ کبھی کبھی افق کا چہرہ میرے تصورات میں جھانکتا تو احساس پشیمانی مجھے چور چور کر دیتا۔ زندگی بڑی بے حقیقت اور بے ظرف سی ہو چلی تھی۔

پچھتاوؤں کے اس کرب اور پشیمانیوں کے اس اندوہ میں میں اس طرح گھر گئی کہ مجھے گردوپیش کی خبر ہی نہیں رہی۔ آنسو میری آنکھوں سے آپ سے آپ گرتے رہے اور میں ندامتوں کے درمیان اسی طرح بیٹھی رہی جس طرح وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر گئے تھے۔ نہ جانے اس عالم میں کتنی دیر گزری۔

دروازہ کھلا اور وہ تینوں پھر آن وارد ہوئے۔ میں نے لاتعلقی سے ان کی طرف دیکھا۔ میں جیسے بے حس سی ہو گئی تھی۔ میرے پاس جیسے محسوسات رہے ہی نہیں تھے۔ ان وحشیوں کو دیکھ کر میرے دل میں نہ تو کوئی خوف ہی پیدا ہوا تھا نہ پریشانی نہ کوئی اور احساس۔ وہ میرے قریب آ گئے۔ میں اسی طرح بیٹھی بے تاثر چہرے کے ساتھ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

ان میں سے ایک نے نزدیک ہی رکھے ہوئے چھوٹے میز پر اپنا پاؤں رکھا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اکھڑپن سے بولا۔ ''اپنا نام بتاؤ۔ صحیح صحیح۔''

مجھے غصہ تو بہت آیا مگر بادل نخواستہ مجھے جواب دینا ہی پڑا۔ ''میرا نام ریلا ہے۔''

''تم ڈاکٹر نہیں ہو۔'' اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا!'' اس نے کئی بار سر کو اس طرح جنبش دی جیسے دل ہی دل میں بہت کچھ طے کر رہا ہو۔ پھر میری طرف ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''کیا نتالی تمہارے لئے پانچ چھ لاکھ روپے دینے پر تیار ہو جائے گی؟''

میں نے لمحے بھر کو سوچا کہ اسے کیا جواب دوں۔ حقیقت حال کا اظہار تو خود مجھے ہی مورد عتاب بنا سکتا تھا اسی لئے میں نے پہلودار سا جواب دیا۔ ''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی کیونکہ اس کے پاس اپنے ہر کارکن کا متبادل موجود ہے۔''

اس نے غصے سے دانت بھینچے اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''یہ بیوقوف کس کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔''

ان میں سے ایک پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ''بولو......اور کون ایسا ہے جو تمہارے لئے تاوان دے سکے۔ ہمیں پتہ بتاؤ؟''

اس کے اس سوال نے مجھے بے طرح پریشان کیا۔ اتنی وسیع دنیا میں کوئی ایک بھی تو ایسا نہیں تھا میں جس کا نام لے سکتی۔ میں جس پر مان کر سکتی۔ اپنی پریشان حال ماں کو میں نے پہلے ہی کون سا سکھ دیا تھا جو اب اسے ایک نئے دکھ کے حوالے کر دوں۔ میں اس قابل ہی کب تھی کہ اپنے خاندان سے کوئی تعلق ظاہر کر سکتی۔

انہوں نے شاید میرے چہرے پر تذبذب کی بنتی مٹتی تحریروں کو پڑھ لیا۔ ان میں سے ایک نے میرے بازو میں پستول کی نال چبھوئی۔ ''ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔''

میں نے جرأت سے اس کی طرف دیکھا اور صاف لہجے میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میرا کوئی ایسا عزیز نہیں ہے جس کا میں نام لے سکوں۔''

''ہوں!!!'' وہ پستول کو ایک انگلی پر مہارت سے گھماتا ہوا بولا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تم اپنا تاوان خود ہی ادا کرو گی۔''

میں نے مضطرب نگاہوں سے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ اس کے سنگین چہرے پر کرختگی تھی۔ اس نے پستول کی نال میری ٹھوڑی تلے رکھ کر میرے

چہرے کو اوپر اٹھایا۔ ''سنا تم نے...... یہ تاوان تم خود ادا کرو گی۔ تم بذات خود!''

میں اس کے انداز سے اس کا مطلب کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔ میں نے اس کا پستول اپنے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور مضبوط لہجے میں کہا۔ ''تمہارے لوگ مجھے غلطی سے یہاں لے کر آئے ہیں۔ تم ان کی غلطی کی سزا مجھے کیوں دے رہے ہو۔''

''شٹ اپ!!!'' اس نے پستول کی نال سے میرے رخسار پر ایک ضرب سی لگائی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا جبڑا ہل گیا ہے۔ اس چوٹ سے میری آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ میں بے ساختہ اپنے رخسار کو سہلاتی پیچھے ہٹی۔ میں اس تذلیل پر اندر ہی اندر غصے سے کھول رہی تھی لیکن نہ کچھ کر سکتی نہ کہہ سکتی تھی۔ میری کوئی اور حرکت انہیں زیادہ مشتعل کر سکتی تھی۔

اس نے پستول سے اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں اٹھ کر اس کے ہمراہ چل دیئے۔ دروازہ ایک مرتبہ پھر بند ہو گیا۔

میں اپنا سوجھا ہوا رخسار سہلانے لگی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے یہاں قید ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ میری ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ ان کے اس رویئے نے مجھے اتنا دہشت زدہ کر دیا تھا کہ مجھ میں مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رہا تھا۔

ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے میں ان وحشی درندوں سے کبھی نجات حاصل نہیں کر پاؤں گی۔ مجھے آہٹیں ڈرانے لگی تھیں۔ معمولی سا کھٹکا بھی میرے رونگٹے کھڑے کر دیتا تھا۔ پیاس کی شدت سے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے لیکن مجھے پانی کی طلب نہیں تھی۔ میرا پیٹ خالی تھا لیکن بھوک کا احساس جیسے مٹ چکا تھا۔

کمرے کا دروازہ ایک مرتبہ پھر کھلا۔ میں گھبرا کر سیدھی ہو گئی اور پریشانی سے دروازے کی طرف دیکھا۔ گھنے سر والا ایک مجہول سا شخص کمرے میں داخل ہوا۔

''اٹھو!!!'' اس نے گنوار پنے سے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

مجھے اٹھنا پڑا کیونکہ کوئی سوال یا اعتراض لاحاصل تھا۔

''میرے پیچھے چلی آؤ۔'' اس نے جھومتے جھامتے ہوئے کہا اور دروازہ

کھول کر باہر نکل گیا۔

مجھے تعمیل کرنی پڑی۔ اپنی اس بے بسی پر مجھے بے طرح جھنجھلاہٹ ہوئی۔

میرے دل و دماغ میں ہزاروں اندیشے کلبلانے لگے۔ نجانے وہ مجھے کہاں لے جا رہا تھا اور آنے والے وقت کے دامن میں میرے لئے کون سی مشکل اور کون سی پریشانی تھی۔

کمرے کے باہر ایک طویل راہداری تھی جس میں بہت سے کمروں کے دروازے کھل رہے تھے جن پر اس طرح نمبر لگے ہوئے تھے جیسے وہ ہوٹل کے کمرے ہوں۔ وہ مجھے لے کر ایک لفٹ میں داخل ہو گیا جس میں کوئی لفٹ آپریٹر نہیں تھا۔ اس نے بٹن دبایا۔ میں نے تیزی سے بدلتے ہوئے نمبروں کی طرف دیکھا' تین...... چار...... پانچ۔ نمبر گزرتے رہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ عمارت کئی منزلہ ہے۔ بالآخر لفٹ آٹھویں نمبر پر رکی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ہم کمروں کی قطار کے برابر سے گزرے۔ اس نے دو نمبر کا کمرہ کھولا اور مجھے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ میں سراسمہ سی ہو کر ڈرتے ڈرتے اندر چلی گئی۔ میرے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔

میں نے خوفزدہ آنکھوں سے کمرے میں ایک نگاہ ڈالی۔ یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ کمرے کی آرائش و ترتیب فور سٹار ہوٹلوں کے کمروں جیسی تھی۔ یہ ایک سنگل بیڈ کمرہ تھا۔ میں نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھنا چاہا لیکن وہ سیل شدہ تھی۔ میں نے فون اٹھایا وہ بالکل خاموش تھا۔ میں نے غسل خانے کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ اس کا پچھلا دروازہ سیل شدہ تھا اور اس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ میں پھر واپس کمرے میں چلی آئی اور میری نگاہ ایک طرف رکھے ہوئے فریج پر پڑی۔

غیر یقینی حالات اور پریشانیوں نے بھوک اور پیاس کا احساس مٹا دیا تھا لیکن ایک نقاہت سی سارے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ میرا حلق خشک تھا اور میرے ہونٹوں پر جیسے پپڑیاں سی جم گئی تھیں۔ میں نے فریج کھول کر دیکھا۔ اس میں جوس کے ٹن اور فاسٹ فوڈ کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جوس کا ایک ٹن نکالا اور اسے کھول ہی

رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بڑے زور سے بج اٹھی۔

میں نے گڑبڑا کر وہ ٹن وہیں چھوڑ دیا اور پریشانی سے فون کی طرف دیکھا جو مسلسل بج رہا تھا۔ میں ریسیور اٹھاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ ابھی میں نے فون دیکھا تھا تو وہ ڈیڈ تھا شاید مجھے ہی کوئی پیغام دینے کیلئے رابطہ بحال کیا گیا تھا۔

میں قدم قدم چلتی فون کے قریب پہنچی اور ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف میرے ہیلو کہنے کا انتظار بھی نہیں کیا گیا۔ میرے فون اٹھاتے ہی ایک تحکمانہ سا لہجہ سنائی دیا۔

''کیا تم جوس پی رہی ہو؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا۔

''تم اس ہوٹل میں مسز شاہ گل کے نام سے رکھی گئی ہو۔ تمہارا شوہر ایک افغانی ہے جو لاپتہ ہے۔ تم اس کی تلاش میں یہاں آئی ہو۔''

''لیکن!!!'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''شٹ اپ!!! تم یہیں ہو۔ جو تمہیں بتایا گیا ہے اس کے علاوہ تم کچھ نہیں ہو۔'' اس آواز نے ڈپٹ کر کہا اور فون رکھ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مردہ ہو گیا۔

میں پریشان سی ہو کر وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ یہ کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ تھا۔ میرا دماغ جیسے سن سا ہو رہا تھا۔ میرے ہاتھوں پیروں میں جان نہیں رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں بالکل مردہ ہو گئی ہوں۔ اپنے بچاؤ کیلئے میرے پاس کوئی راستہ نہیں رہا۔

میں کچھ دیر یونہی سن سی بیٹھی رہی۔ پھر جیسے کوئی میرے اندر بولا۔ مجھے اس طرح ہتھیار نہیں ڈالنے چاہئیں۔ بغیر کسی مزاحمت کے خود کو ان کے حوالے نہیں کر دینا چاہیے۔ مجھے جیسے اپنے ہونے کا احساس ہوا۔ میں جھرجھری سی لے کر جیسے ہوش میں آ گئی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور غسل خانے میں جا کر بہت دیر تک اپنے چہرے پر پانی کے چھپاکے مارتی رہی۔ مجھے قدرے تازگی کا احساس ہوا۔ میں نے خود کو آئینے میں دیکھا اور چند لمحے پہچاننے کی کوشش کرتی رہی۔

میرے سامنے بالکل ایک مختلف لڑکی کھڑی تھی۔ ان تھوڑے سے دنوں نے

مجھے اپنی عمر سے کہیں بڑا کر دیا تھا۔ میری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے اور میرے رخسار پر گہرا نیل۔ اپنے سوجے ہوئے رخسار کو دیکھ کر میرے ذہن میں تذلیل کے وہ لمحے پھر تازہ ہو گئے۔ میرا انگ انگ شدت انتقام سے سلگ اٹھا۔ بے بسی کا وہ احساس جس نے مجھے مضمحل سا کر دیا تھا غصے کے تپتے ہوئے لاوے میں بہہ گیا۔ میری انا نے مجھے سر اٹھانے کا حوصلہ بخش دیا۔ میرے پندار نے مجھ میں مزاحمت کی قوت جگا دی۔ میں نے سوچ لیا کہ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بنوں گی۔ میں خود کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔ اس سوچ نے مجھے سہارا دیا اور میں پہلے کی نسبت بہتر محسوس کرنے لگی۔

میں نے جوس کا ٹن منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا لیکن میرا حلق پھر بھی خشک تھا۔ میں نے ایک اور ٹن اپنے اندر انڈیلا مگر میرے اندر پیاس کا صحرا پھیلتا چلا گیا۔ میں نے فریج کے اندر جھانکا۔ اس میں دوسری خرافات تو بکثرت تھیں لیکن سادہ پانی کہیں نہیں تھا۔ میں نے فاسٹ فوڈ کا ایک پیکٹ کھولا اور سینڈوچ کھاتے ہوئے سوچنے لگی کہ مجھے حالات کا مقابلہ کس طرح کرنا ہے۔

میں خود کو ایک جال میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ مجھے ان لوگوں کا رویہ دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف چلنا پل صراط پر چلنے کے مترادف تھا۔ میں جانتی تھی کہ میں ان کا تشدد نہیں سہہ سکتی تھی۔ مجھے کوئی ایسی راہ اپنانی تھی جس میں میں خود کو محفوظ رکھ سکوں۔

میں بہت دیر تک سوچتی رہی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں ایک بند گلی میں گھری ہوئی تھی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں سوچ سوچ کر تھک گئی تو اٹھ کر بستر پر دراز ہو گئی تاکہ کچھ آرام کروں تو شاید ذہن کام کرنے کے قابل ہو سکے۔

گزشتہ شب کی بے خوابی اور دن بھر کے تکدر نے مجھے تھکا کر چور کر دیا تھا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ اس کا تجربہ مجھے اس روز ہوا۔ ناگفتہ بہ حالات اور پریشان خیالی کے باوجود مجھے نیند آ ہی گئی اور میں گردوپیش سے بے خبر ہو گئی۔

★ ★ ★

میں نہ جانے کتنی دیر سوئی۔ اس کا مجھے اندازہ نہیں۔ اچانک کسی نے میرا شانہ ہلایا اور کسی آواز نے کہا۔ ''اٹھو!!!''

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ میں نے آنکھیں جھپک کر پریشانی سے دیکھا۔ میرے مقابل ایک سانولی سی لڑکی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال اس کی کمر سے نیچے تھے۔ جدید مغربی لباس کے باوجود وہ شکل و شباہت سے مشرقی ہی لگتی تھی۔ مجھے تھوڑی تسلی ہوئی کہ کم از کم اس وقت میرے سامنے وہ بے رحم وحشی درندے تو نہیں تھے۔ چاہے وہ کوئی بھی تھی لیکن میری ہم جنس تو تھی۔

''آرام سے...... آرام سے!!!'' اس نے اردو میں کہا۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر نرمی تھی اور وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں سوال اتر آئے لیکن میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا اور چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''تم پوری طرح سے جاگ رہی ہو ناں؟ یا ابھی نیند میں ہی ہو؟'' اس نے پھر اردو میں کہا۔

ایک طویل عرصے بعد اس کے منہ سے اپنی زبان سن کر میرے دل کی دنیا زیروزبر ہو گئی۔ اس اجنبی ماحول کی اجنبیت مجھے کچھ اور کھٹکنے لگی۔ مجھے اپنا ملک' اپنے لوگ شدت سے یاد آئے اور میری آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ میں نے ہونٹ کاٹ کر اس کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہہ پائی۔

اس نے میرے قریب آ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''تم بہت گھبرائی ہوئی لگتی ہو؟''

میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اور پہلی بار اس سے کوئی سوال پوچھا۔

''کیا تم ان لوگوں کی ساتھی ہو؟''

اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ آئی۔ ''ہاں!!'' اس نے سر ہلایا۔ ''کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد تم بھی ان کی ساتھی ہی کہلاؤ گی۔''

''نہیں!!!'' میں نے غصے سے سر جھٹکا۔ ''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں اتنی کمزور نہیں ہوں کہ ان مجرموں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاؤں۔ میں جان دے دوں گی مگر......''

''ایزی......! ایزی......! اتنی جذباتی نہ بنو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر بڑے تجربے کارانہ انداز میں کہا۔ ''خود کو بچانا چاہتی ہو تو اپنی عقل استعمال کرو۔ جذبات نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''تم میری ہم وطن ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے میں جن حالات کا شکار ہوئی ہوں تم بھی ان میں پھنس جاؤ۔'' اس کی بڑی بڑی بے حد سیاہ آنکھوں سے حسرت جھانک رہی تھی۔ ''میری طرح کہیں تم بھی خود کو جرائم کی اس دنیا میں کھو نہ دینا۔ میری طرح کہیں تم بھی اس قدر نہ بدل جانا کہ خود کو آئینے میں بھی نہ پہچان پاؤ۔''

اس کی باتوں سے میرا دل بیٹھنے لگا۔ میں نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم کیا کہنا چاہتی ہو صاف صاف بتاؤ؟''

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ ان لوگوں سے براہ راست ٹکر نہ لینا۔ نہیں تو خود کو کبھی نہیں بچا سکو گی۔ ان لوگوں کو مشتعل نہ کرنا۔ ان پر یہی ظاہر کرنا کہ تم ان کا ساتھ دو گی اور ان کے مطالبات مان لو گی۔'' اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

لیکن مجھے اس کی باتوں میں کچھ اور معنی نظر آئے۔ میں نے غصے سے کہا۔ ''تم واقعی ان کی ساتھی ہو۔ تم مجھے خوفزدہ کرنے کیلئے بھیجی گئی ہو۔ تم میری ہمتیں توڑنا چاہتی ہو۔ میں ان وحشی درندوں سے نہیں ڈرتی۔ کیا کر لیں گے وہ میرا؟ زیادہ سے

زیادہ میری جان ہی لے لیں گے۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔''

وہ میرے غیر معمولی غصے پر بے ساختہ ہنس دی۔ ''بہت بدگمان ہو تم اور پرلے درجے کی احمق بھی ہو۔ لگتا ہے تم نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔ بیوقوف بھلا تم ان لوگوں کے سامنے ہو کیا چیز جو وہ مجھے بھیجیں گے تمہیں خوفزدہ کرنے کیلئے۔ یہاں تو تم جیسی نجانے کتنی لڑکیوں کے غرور خاک میں مل گئے ہیں۔ وہ تو میں خود ہی تمہیں سمجھانے آ گئی تھی کیونکہ تم میری ہم وطن ہو۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ بحث کروں۔ ہاں اتنا سن لو کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ تم یقیناً موت سے نہیں ڈرتی ہو گی لیکن یہاں تو جینے سے خوف آتا ہے۔ موت تو یہاں ایک نعمت کی طرح سے ہے، مانگنے نہیں ملتی۔ اچھا تو میں چلتی ہوں۔'' وہ چلنے کیلئے پلٹی۔ ''تم نے مجھ پر اعتبار تو نہیں کیا لیکن میں پھر بھی جو کچھ ہو سکا تمہارے لئے کروں گی۔''

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں وہیں مفلوج سی بیٹھی اسے دروازہ کھول کر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ میں چاہتی تھی کہ اسے رکنے کیلئے کہوں لیکن میرے لب نہیں کھلے۔ میں اسی طرح بیٹھی ہوئی اس کے لفظوں پر غور کرتی رہی۔

میں پہلے ہی کچھ کم پریشان نہیں تھی۔ اس کے لفظوں نے مجھے اور الجھا دیا۔ میں سوچتی رہی کہ اس کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔ کیا اسے واقعی مجھ سے ہمدردی تھی یا وہ اس قسم کی باتیں کر کے مجھے راہ پر لانا چاہتی تھی۔ سب کچھ خلط ملط ہو گیا تھا کہ کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ میں نے اتنے دھوکے کھائے تھے کہ کسی پر بھی اعتبار نہیں رہا تھا۔

پھر مجھے پچھتاوا ہونے لگا کہ میں نے اس اجنبی مقام اور دشمن فضا میں جب میرے چاروں طرف لاعلمی کی گھٹا چھائی تھی۔ مجھے روشنی کی اس نامعلوم سی کرن پر اعتماد کر لینا چاہیے تھا۔ شاید مجھے ان لوگوں کے بارے میں کچھ معلومات ہی حاصل ہو جاتیں لیکن میں نے اپنے ذہنی انتشار اور اضطراب میں اس سے اس کا نام تک نہیں پوچھا تھا۔ نجانے اب اس سے کبھی سامنا ہو یا نہیں۔

میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر دیکھنا چاہا لیکن وہ باہر سے بند تھا؟ اس اجنبی لڑکی کی صورت میں جو تازہ ہوا کا جھونکا مجھ تک

آیا تھا وہ میری غفلت میں مجھے صرف چھو کر گزر گیا تھا اور میں ایک بار پھر اس کمرے کی اونچی دیواروں کے درمیان گھٹ گھٹ کر سانس لینے پر مجبور تھی۔

فون کی گھنٹی کی بلند آواز نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ میں نے دوسری گھنٹی ہونے سے پہلے ہی ریسیور اٹھا لیا۔ میں لاعلمی کی جس دھند میں گھری ہوئی تھی میں اس سے نکلنا چاہتی تھی۔ میں نے ماؤتھ پیس میں ہیلو کہا۔

دوسری طرف سے ایک درشت آواز میں تحکمانہ لہجہ سنائی دیا۔ ''مسز شاہ گل! تمہارے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے۔ اس دوران تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو۔ تمہیں اپنے بیمار بچے کے ساتھ ہوائی سفر کرنا ہے۔''

''بیمار بچہ......؟'' میں نے تعجب سے دوہرایا...... میرے استعجاب میں جو استفسار تھا......اس آواز نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا......

''خیال رہے کہ تمہیں ایک پریشان حال ماں کی اچھی اداکاری کرنی ہے...... اسکے سوا تم نے کچھ بھی کیا......تو اپنے عبرتناک انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی''...... اسکے ساتھ ہی کھٹاک سے رسیور رکھ دیا گیا...... اور ٹیلیفون کی ڈائیلنگ ٹون بھی دم توڑ گئی اور میں رسیور ہاتھ میں تھامے ہوئے پریشان سی کھڑی رہ گئی......

ابھی میرے ذہن میں اس لڑکی کی باتیں ہی چکرا رہی تھیں کہ اس تازہ پیغام نے مجھے چکرا کر رکھ دیا...... میں اتنی نادان نہیں تھی کہ یہ نہ سمجھ سکوں کہ بیمار بچے کے ساتھ ہوائی سفر کرنے کا کیا مطلب ہے......؟ کسی مردہ بچے کو گود میں لینے کے تصور نے ہی میرے سارے جسم میں کپکپی سی دوڑا دی...... میرے انگ انگ میں نفرت اور بغاوت کا شدید تناؤ اٹھا۔ میرا جی چاہا کہ اس بند دروازے کے ٹکڑے اڑا دوں اور اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو تہس نہس کرتے ہوئے اپنی دنیا میں واپس چلی جاؤں...... لیکن......؟ میری اپنی دنیا...... اب رہی ہی کہاں تھی۔ جو میں اسے ڈھونڈنے چل نکلتی...... اب تو میں اس دنیا میں سا بھی نہیں سکتی تھی جو کبھی میری دنیا تھی۔

مگر...... میں اس دنیا کے سامنے بھی تو حصہ نہیں بن سکتی تھی...... میں اپنے ضمیر کی ملامتوں کے سامنے قدم نہیں جما سکتی تھی۔ میں وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی جس کا

تصور بھی کراہت آمیز تھا۔ میں نے سوچا کہ دروازہ پیٹ ڈالوں اور اس کے جواب میں جو کوئی بھی آئے اسے صاف کہہ دوں کہ میں ان کے جرائم میں حصہ دار نہیں بنوں گی۔

میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی...... لیکن دروازے تک پہنچتے پہنچتے میرے قدم سست پڑ گئے۔ اس لڑکی کی بات دیوار بن کر میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''خود کو بچانا چاہتی ہو تو عقل سے کام لو...... جذبات سے نہیں''...... میں ٹھٹھک کر اس کی بات پر غور کرنے لگی۔

میں ایک شریف خاندان کی سیدھی سادھی لڑکی تھی...... مجھے برائی کو برائی سمجھنا اور اس سے دور رہنا سکھایا گیا تھا...... مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ جرائم کی تاریک دنیا کہاں سے کہاں پھیلی ہوئی ہے اور یہاں کیا کچھ ہوتا ہے...... میں ان لوگوں کا جارحانہ رویہ بھی دیکھ چکی تھی...... میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی...... لیکن مجھے خود کو بچانا تھا......اپنی نسوانیت کی حفاظت کرنی تھی۔

مجھے اس لڑکی کی باتوں میں وزن محسوس ہوا میں نے سوچا کہ مجھے ان سے براہ راست ٹکر نہیں لینی چاہیے۔ اسی بہانے وہ مجھے اس قید خانے سے باہر نکالیں گے......تو میں کوئی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کروں گی۔ کیا خبر مجھے وہ لڑکی ہی کہیں نظر آ جائے' تو میں اس سے کوئی مدد حاصل کرنے کی سعی کروں گی۔

ایک دم دروازہ کھلا...... میں گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے میں داخل ہونے والا ایک سیاہ فام مرد تھا۔ میں الٹے قدموں اور پیچھے ہٹی تا کہ اس سے فاصلہ برقرار رکھ سکوں۔ خوف سے میرا دل دھک دھک کر رہا تھا...... لیکن میں اپنے اندر کی گھبراہٹ اپنے چہرے پر ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی۔ میں خود کو خوفزدہ یا کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ایک فولڈنگ سوٹ کیس تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کی زپ کھولی۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس میں ایک عروسی جوڑا تھا۔ اس نے کھینچ کر ہینگر باہر نکالا۔ آتشی گلابی کامدانی جوڑا جھلمل جھلمل کرنے لگا۔ اس بھڑکدار

لباس نے مجھے کچھ اور پریشان کر دیا' لیکن میں نے سوال کرنے سے گریز کیا...... اور سوطرح کے اندیشوں میں گھری چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

اس نے ہینگر میں آویزاں کامدانی جوڑے کو جھلایا...... ''بہت خوب...... تم مشرق والوں کی زندگی میں کتنا رومانس...... کتنی خوبصورتی ہے...... یہ لباس پہن کر تو تمہارے یہاں کی دلہن شہزادی لگتی ہوگی۔''

میں ذہنی طور پر بے حد الجھی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا...... اس نے سفید سفید دانت نکالے...... ''ارے...... اس لباس کی دلکشی نے تو تمہیں مبہوت کر دیا ہے......''

میں نے سر جھٹکا...... ''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے......''

''لو سنبھالو اس سوٹ کو''...... اس نے ہینگر میری طرف بڑھایا......

میں نے ہینگر اس کے ہاتھ سے نہیں لیا......'' مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے......''

''تمہیں اس کی ضرورت ہے''...... اس نے ہینگر میرے ہاتھ میں زبردستی تھماتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟'' میں نے اکتا کر پوچھا۔

''اس کیوں کا جواب حاصل کرنے کیلئے ٹیلیفون کا انتظار کرو......'' اس نے مزے سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا...... اور دروازہ ایک بار پھر لاک ہو گیا۔

میں نے ہینگر پر لٹکے ہوئے بھاری جوڑے کو پلنگ پر رکھ دیا...... میں الجھ سی گئی تھی۔ اس سے قبل تو مجھے کسی بیمار بچے کی غمزدہ ماں کا کردار ادا کرنے کو کہا گیا تھا اور اب یہ بھاری کامدار جوڑا ایک معمے کی طرح میرے سامنے پڑا ہوا تھا...... اسکی چمک دمک ہزار اندیشوں کو جگا رہی تھی۔ خوف میرے وجود میں کپکپی سی دوڑا رہا تھا...... یہ سوچیں مجھے ڈرانے لگی تھیں کہ دلہنوں کا یہ روایتی جوڑا میرے پاس کیوں بھیجا گیا تھا۔؟

ایک بار پہلے بھی اسٹیل ہیڈ نے یہ ڈرامہ رچا کر میری ساری زندگی کو ایک ایسی اذیت ناک بھول بھلیاں بنا دیا تھا...... جس کے عذاب سے نکلنے کا کوئی راستہ

نہیں تھا...... اور اب یہ لوگ نہ جانے کون سا کھیل کھیلنے والے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنا بچاؤ کس طرح کروں؟ شدید بے چینی میرے اعصاب کو توڑنے لگی تھی اور وہ جھلمل جھلمل کرتا ہوا آتشی گلابی جوڑا میرے سامنے کسی ٹائم بم کی طرح رکھا ہوا تھا...... جو عنقریب پھٹ کر نہ جانے کیسی تباہیاں لانے والا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی تو میں جانکنی کی اذیت سے نکلی اور جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور میں ''ہیلو''...... کہا...... دوسری جانب سے ایک بھاری آواز نے ہدایات دیں......

''یہ سوٹ پہن کر تیار رہو...... ابھی دس منٹ میں میک اپ مین تمہارے کمرے میں پہنچنے والا ہے...... فوراً تیار ہو جاؤ...... ایک منٹ کی تاخیر بھی برداشت نہیں کی جائے گی......'' ''لیکن میں یہ کپڑے نہیں پہننا چاہتی...... ہرگز نہیں......'' اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ریسیور میں چلا کر کہا...... لیکن رابطہ ٹوٹ چکا تھا اور فون مردہ تھا...... میں نے غصے میں ریسیور کو زور سے پٹخ دیا...... مارے بے بسی کے مجھے رونا آ رہا تھا۔

لاعلمی کی دھند نے جیسے مجھے اندھا سا کر دیا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا ہونے والا ہے/ اور میں ان حالات کا مقابلہ کس طرح کروں گی...... میں نے غصے میں اس جھلملاتے جوڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھا...... میں کسی حال میں بھی یہ جوڑا پہن کر کسی نئی مصیبت کا شکار نہیں بننا چاہتی تھی...... لیکن انکار بھی کسی پریشانی کا باعث نہیں تھا۔ دونوں ہی صورتوں میں پریشانیاں منہ کھولے میری منتظر تھیں۔ میرے لئے کوئی راستہ چننا آسان نہیں تھا......

اسی کشمکش میں وہ دس منٹ گزر گئے جو مجھے انہوں نے تیار ہونے کیلئے دیئے تھے۔ دروازے کا لاک کھلا اور ہینڈل گھوما...... میں کانپ گئی...... دروازہ کھلا...... میں نے ہراساں ہو کر دیکھا...... ایک دبلا پتلا سا شخص اندر داخل ہوا...... اس کے ہاتھ میں ایک بڑے سائز کا میک اپ بکس تھا۔ اس نے ایک بھرپور نگاہ مجھ پر ڈالی......

''تم نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا......؟'' اس کی آواز میں نسوانیت کا

شائبہ تھا۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پہ نگاہ ڈالی...... ''جلدی کرو...... جلدی ہری اپ......''!!!

''مگر میں یہ سب کچھ نہیں پہننا چاہتی......'' میں نے جھلا کر کہا۔

''مجھے اس سے غرض نہیں......'' اس نے ابرو اچکائے...... ''میرا کام تو صرف یہ ہے کہ تمہارا خوب ٹھیک ٹھاک میک اپ کر دوں...... ہری اپ...... جلدی سے لباس تبدیل کر کے آؤ......''

''کیا تم جانتے ہو کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے......'' میں نے پوچھا۔

''مجھے اگر معلوم بھی ہے...... تو بھلا میں تمہیں کیوں بتاؤں گا......؟'' وہ مسکرایا ''کیوں''......؟ میں نے استفسار کیا۔

''یہ کیوں...... کیوں کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ تم لباس تبدیل کر لو...... اور میرا خیال ہے کہ یہ تمہیں خوب جچے گا......'' اس نے میک اپ بکس کھولتے ہوئے کہا۔

''کیا میری ان لوگوں سے بات ہو سکتی ہے......؟'' میں نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

اس نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی...... وہ آیا...... ''چلو جاؤ بات بھی کر لو......''

میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا...... ''یہ فون تمہارے لئے نہیں ہے...... میک اپ مین کو بلاؤ......'' دوسری طرف سے کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن پہلے آپ مجھ سے تو بات کر لیں...... میں یہ لباس نہیں پہننا چاہتی......'' میں نے موقع غنیمت جان کر ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کر دی۔

''تم سے جو کہا گیا ہے...... وہ کرو سمجھیں...... اور فون میک اپ مین کو دو......'' دوسری طرف سے کسی نے ڈانٹ کر کہا۔

شدید طیش میں میرا رواں رواں سلگ اٹھا...... میں جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ جیسے کسی نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا...... میری چھٹی حس نے مجھے بولنے سے روک دیا۔ میں نے ریسیور میک اپ مین کی طرف بڑھایا...... ''تمہارے لئے......''

وہ میک اپ بکس بند کر کے پلٹا اور اس نے ریسیور کان سے لگایا...... میں ہمہ تن گوش ہو کر اس کی آواز سننے لگی کہ شاید اس کی گفتگو سے کوئی معلومات اخذ کر سکوں، لیکن اس نے یس سر اور نو سر کے سوا کچھ نہیں کہا۔

وہ فون بند کر کے پلٹا تو میں ابھی تک وہیں کھڑی تھی...... ''چلو...... چلو...... ریڈی ہو جاؤ......'' اس نے کپڑوں کا ہینگر اٹھا کر میری طرف بڑھایا۔

میں نے بادل نخواستہ وہ ہینگر اس کے ہاتھ سے لیا اور باتھ روم میں گھس کر بے حد پریشانی سے وہ جھلملاتا ہوا جوڑا پہن لیا...... میری نگاہ آئینے پر پڑی لیکن مجھے خود سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں ہوئی......

میں کیا تھی اور کیا ہو گئی تھی......؟ اس سوال نے مجھے چور چور کر دیا تھا۔ مجھ میں اپنا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔

میں دروازہ کھول کر نکلی تو میک اپ مین جیسے میرے ہی انتظار میں تھا۔ اس نے میرے سراپے پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور ستائشی لہجے میں بولا...... ''تمہارے ملک کا یہ لباس بہت خوبصورت ہے...... اور تم پر بہت اچھا لگ رہا ہے......''

مجھے اس کی یہ نگاہیں...... اس کی یہ توصیف بالکل بھلی نہیں لگ رہی تھی...... میرا ذہن پریشانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ میں بے حد خوفزدہ تھی لیکن اس سے بے تکلفی پیدا کرنے کو میں نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور بظاہر بے نیازی سے کہا ''اگر کوئی حرج نہ ہو...... تو مجھے اتنا بتا دو کہ آخر یہ سب اہتمام کس لئے کیا جا رہا ہے......؟''

اس نے سنگھار میز کے سامنے رکھی ہوئی چوکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کیلئے کہا اور بولا...... ''مجھے تو بس اتنا ہی معلوم ہے کہ آدھے گھنٹے میں مجھے تمہارا بہترین میک اپ کرنا ہے اور تمہارے بالوں کو ایک خوبصورت اسٹائل دینا ہے۔''

میں مجبوراً اس اسٹول پر بیٹھ گئی۔ خوف اور پریشانی کی بے چین کر دینے والی کیفیت میں بھاری آتشی گلابی جوڑا پہن کر میک اپ کروانا کس قدر دشوار اور اذیت

تاک تھا...... یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ میں ڈریسنگ ٹیبل کے شش پہلو آئینے میں اسے اپنا چہرہ سجاتے ہوئے دیکھتی رہی' لیکن میری سوچیں کہیں اور ہی بھٹک رہی تھیں اور لرزا دینے والے اندیشے میرے سارے وجود پر اپنے خونخوار پنجوں کے ساتھ رینگتے پھرتے تھے۔

وہ شخص میک اپ میں ماہر تھا۔ اس نے آدھ گھنٹے میں اپنا کام ختم کرلیا

اس نے تھوڑا دور ہٹ کر تنقیدی نگاہوں سے میرا جائزہ لیا...... اور خوش ہو کر بولا

"اے ون......!!! تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو...... جیسے تمہارے یہاں کے مصور چغتائی کی تصویروں میں حسین عورتیں نظر آتی ہیں۔"

میں اس کی بیباک نگاہوں کو خود پر پڑتے دیکھ کر اپنے ضمیر کی ملامتوں میں گھر گئی۔ میں نے خجل نگاہوں سے آئینے کی طرف دیکھا...... مجھے خود کو پہچاننے میں دقت ہوئی۔ اس آتشیں جوڑے اور میک اپ مین کی فنی چابکدستی نے مجھے ایسا روپ دے دیا تھا جسے دیکھ کر دل میں حسرت جاگتی تھی کہ کاش یہ صرف غزالی کیلئے ہوتا......

"تم تو خود ہی اپنے حسن کے سحر میں کھوگئی ہو......" مجھے میک اپ مین کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا......

"کتنی کنجوس ہو تم...... میرے فن کی تعریف میں تو تم نے دو حرف بھی نہیں کہے......" وہ بولا میں نے اکتا کر سر جھٹکا...... "میں اس وقت اتنی پریشان اور الجھی ہوئی ہوں کہ نہ مجھے اپنے حسن میں کھونے کی فرصت ہے...... نہ تمہاری شان میں قصیدہ خوانی کی......"

"نہیں...... تو نہ سہی......" اس نے بے نیازی سے شانے جھٹکے اور سیٹی بجاتے ہوئے اپنا تام جھام سنبھالنے لگا۔

دروازہ کھلا اور وہی دونوں مسٹنڈے اندر داخل ہوئے...... جو اس سے پہلے بھی مجھ پر تشدد کرتے رہے تھے۔ ان کے مکروہ چہرے دیکھ کر میں گھبراہٹ میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی...... لیکن میری ٹانگوں نے میرا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا اور میں فوراً ہی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ ان دونوں کی نگاہیں مجھ پر جم سی گئیں...... پھر دونوں نے ایک

دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی...... میرا دل دھک دھک کرنے لگا...... میرا حلق خشک ہوگیا......

ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اکھڑپنے سے بولا...... "چلو...... اٹھو......!!! ہری اپ......"

میں نے خود کو سنبھال کر مضبوط لہجے میں کہا...... "کہاں چلنا ہے"......؟

ان میں سے ایک نے اپنی بھدی انگلی تاکیدی انداز میں میری طرف اٹھائی...... "اپنی زبان بند رکھا کرو...... سمجھیں......!!!" اس کے لہجے میں بے رحمی تھی۔

دوسرے نے آگے بڑھ کر سختی سے میرا بازو تھاما اور مجھے اپنے ساتھ اس طرح گھسیٹ کر لے چلا کہ مجھے اپنے شانے سے پھسلتا بھاری دوپٹہ سنبھالنا مشکل ہو گیا...... اس کی انگلیاں میرے بازو میں کھب سی گئیں اور اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دیتے دیتے میرا لباس میرے پیروں میں الجھنے لگا۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہو رہا تھا' جیسے کوئی آفت ٹوٹ پڑے...... نہ سنبھلنے کا موقع ملے...... نہ اپنے بچاؤ کی ہی کوئی صورت نظر آئے...... نہ میں مزاحمت کرسکتی تھی...... نہ احتجاج...... اور اپنی مرضی کے خلاف ان کے ساتھ گھسٹتی چلی جارہی تھی۔

وہ مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے اسی لفٹ میں گھسے' جس کے ذریعے ہم اوپر آئے تھے۔ وہ دونوں میرے اردگرد خدائی فوجداروں کی طرح چوکس کھڑے تھے۔

میں خوف اور پریشانی سے آدھ موئی سی ہو رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میرے جسم میں جان نہ ہو...... میں نے لفٹ کے نمبروں پر نظر ڈالی تاکہ دیکھ سکوں کہ وہ کون سے فلور پر جارہے ہیں...... لیکن میری آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور مجھے صاف طور پر دیکھنا محال تھا۔

لفٹ ایک جھٹکے سے رکی...... وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے باہر آئے۔ معلوم نہیں کونسا فلور تھا...... یہاں ایسی چہل پہل سی نظر آتی تھی جیسے کوئی تقریب ہونے والی ہو...... میرا دل گھبرانے لگا...... مگر میں نے اپنے حواس بجا رکھے تاکہ معلوم کرسکوں کہ کس قسم کی تقریب ہوسکتی ہے۔ زیادہ تر مقامی لوگ ہی نظر آرہے تھے جو اپنے

روزمرہ کے سادہ لباسوں میں تھے۔

میرے جھلملاتے ہوئے شاندار لباس نے کچھ کو میری طرف متوجہ کیا۔ کچھ دلچسپی سے میری جانب تکنے لگے...... مگر میرے نگران بغیر ادھر ادھر دیکھے ہوئے مجھے اپنے ساتھ لے کر کشاں کشاں ایک ہال کے عقبی دروازے میں داخل ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ اس حصے میں ایسے چھوٹے چھوٹے سے کیبن بنے ہوئے تھے جیسے اسٹیج کے پیچھے آرٹسٹوں کے میک اپ کرنے اور لباس وغیرہ تبدیل کرنے کیلئے ہوتے ہیں......

ایک کیبن کا دروازہ کھلا اور ہاتھ میں بریف کیس تھامے ہوئے ایک مقامی شخص باہر نکلا...... ’’بہت دیر لگا دی تم نے‘‘......؟ اس نے میرے نگرانوں کو گھڑی دکھائی۔

ان میں سے ایک نے اسے کسی دوسری زبان میں کوئی جواب دیا‘ جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ میں بھی انکے ساتھ ساتھ تھی۔

وہ کسی بیوٹی پارلر کی طرح قد آدم شیشوں سے آراستہ کمرہ تھا۔ انہوں نے مجھے ایک اسٹول نما نشست پر بیٹھنے کیلئے کہا...... دوسرے شخص نے بریف کیس کھولا...... اس میں زیورات کے ڈبے تھے۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوا......’’تمہیں یہ زیورات پہن کر اس ڈریس شو میں شرکت کرنی ہے۔ تم اپنے ملک کی دلہن کی نمائندگی کرو گی......‘‘

میں چپ رہی...... میرے پاس انکار یا اقرار کرنے کی گنجائش ہی کب تھی‘ لیکن میری گھبراہٹ قدرے کم ہوئی...... میں جن خدشات سے ڈری ہوئی تھی...... وہ رفع ہو گئے...... وہ شخص ایک ایک زیور نکال کر باہر رکھنے لگا...... دوسرا مجھے پہنانے کیلئے اٹھا......

’’نہیں‘ میں خود پہن لوں گی......‘‘ میں نے اس کے ہاتھ سے نیکلس لے لیا......

آئینے میں ان زیورات کو ایک ایک کر کے پہنتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ وہ اسے بھاری ہیں اور قیمتی پتھروں سے مزین ہیں...... وہ تینوں میرے عقب میں کھڑے مجھے آئینے میں بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اتنی آنکھوں کو خود پر مرکوز دیکھ کر میں کچھ جھجک سی گئی...... میں نے جلدی جلدی جھومر لگایا اور ان کی طرف کی...... ان سب کی نگاہوں نے بڑے تنقیدی انداز میں مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا...... میں بڑے تحمل سے کھڑی خود کو آنے والی صورتحال سے مقابلہ کرنے کیلئے تیار کرتی رہی۔

’’اب آگے کیلئے تم ذمہ دار ہو......‘‘ بریف کیس والے نے اپنا بریف کیس کھٹ سے بند کرتے ہوئے کہا۔

’’بالکل......‘‘!!! ان میں سے ایک نے جواب دیا...... تو وہ بریف کیس ہاتھ میں جھلاتا ہوا کیبن سے باہر نکل گیا۔ تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے......

’’جس طرح اسٹیج منیجر کہے...... تمہیں اسی طرح پرفارمنس دینی ہے......‘‘ ایک بولا۔

’’تمہیں اپنی زبان بند رکھنی ہے...... کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہ کرنا......‘‘ دوسرے نے ہدایت دی۔

میرے لئے اثبات میں سر ہلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

’’چلو...... آؤ......‘‘ ایک نے چٹکی بجا کر مجھے اشارہ کیا...... دوسرے نے دروازہ کھولا‘ وہ مجھے نرغے میں لئے ہوئے ایک بڑے ہال میں آئے۔ جہاں رنگ برنگ لباسوں کا ہجوم تھا۔ ملک ملک کے لباس‘ زیورات اور چہرے نظر آ رہے تھے۔ غالباً یہ وہ لڑکیاں تھیں جو اس شو میں حصہ لینے والی تھیں۔

کچھ نے میری طرف حیرت سے دیکھا...... کچھ کی آنکھوں میں ستائش جھلکی...... کچھ اپنا بناؤ سنگھار کرنے اور لباس سنوارنے میں لگی رہیں...... ہمیں دیکھتے ہی ایک لمبے قد اور بھورے بالوں والا غیر ملکی ہماری طرف بڑھا...... اس نے بغیر کچھ کہے مجھے بازو سے پکڑا اور ایک گوشے میں رکھے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے لے

آیا......

میں کسی معمول کی طرح ان کے ساتھ چلنے پر مجبور تھی...... وہاں پہلے ایک خوبصورت عورت موجود تھی۔ اس کی سبز آنکھیں بے حد دلکش تھیں۔ اس کے سنہرے بال کمر کو چھو رہے تھے...... اس نے مجھ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی اور بولی......''بہت خوب' بہت اچھے......''!!!

اس کے منہ سے اپنی زبان سن کر مجھے خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ وہ نرمی ہنسی......''میں نے تمہارے ملک میں بہت سال گزارے ہیں...... میں تمہارے سے خوب واقف ہوں...... اب تم اپنا یہ دوپٹہ اس طرح پہنو' جس طرح تمہارے ملک کی دلہنیں پہنتی ہیں......تو میں اسے پنیں لگا دوں......''

اپنے ملک کا ذکر سن کر میرا دل بھر آیا...... میری آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

میرا دل چاہا کہ کسی کے گلے سے لگ کر خوب روؤں...... اس نے میرا بازو تھپتھپایا اس کی آنکھوں میں ہمدردی تھی...... یوں جیسے میری جذباتی کیفیت میں میری شر ہو۔ مجھے ایک عجیب سی اپنائیت کا احساس ہوا...... میرے اندر کا خوف قدرے کم ہو گیا۔ میں نے اپنا بھاری کامدار دوپٹہ سر پر ٹکایا...... اس نے بڑی مہارت سے پنیں لگا کر اسے جما دیا...... اور اپنی اکھڑی اکھڑی سی اردو میں بولی......''تم بہت اچھی لگ رہی ہو......''

میں نے اس کی توصیف کا جواب صرف ایک زبردستی کی مسکراہٹ سے دیا...... میری نگاہ آئینے پر پڑی...... اور اپنے دلہن بنے ہوئے عکس کی آنکھوں میں ملامت دیکھ کر میں نے اپنا سر جھکا لیا۔

وہ دونوں قریب ہی موجود تھے اور برابر میری نگرانی کر رہے تھے۔ یہ ہال اسٹیج کے ساتھ ملحق تھا۔ کیونکہ موسیقی کا شور' تالیوں' سیٹیوں اور داد وتحسین کا ہنگامہ اس طرف بھی سنائی دے رہا تھا۔

''تمہیں اس دروازے سے داخل ہونا ہے......'' سبز آنکھوں والی نے کہا ''اور اپنی پرفارمنس کے بعد دوسرے دروازے سے واپس اس ہال میں آ جانا ہے......

نروس مت ہونا...... میں اسٹیج کے پیچھے موجود رہونگی......''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حالانکہ میں بہت گھبرا رہی تھی اور مجھے یہ مرحلہ طے کرنا بے حد دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

''مجھے امید ہے تم اچھی پرفارمنس دو گی......'' اس نے دوستانہ لہجے میں کہا اور مجھے ساتھ لئے ہوئے اس دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی...... جہاں پرفارمنس دینے والی لڑکیاں قطار لگائے کھڑی تھیں اور ایک ایک کر کے اندر جا رہی تھیں۔

میرے ہاتھ پیر سن ہونے لگے۔ میں کبھی اتنے ہجوم کے سامنے نہیں آئی تھی۔ جیسے جیسے میری باری قریب آ رہی تھی۔ میری گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ میرے دل کی دھک دھک خود مجھے بھی پریشان کرنے لگی تھی۔ دروازے میں سے اناؤنسر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہجوم کے شور سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہال بھرا ہوا ہے۔

سبز آنکھوں والی نے مجھے ٹھوکا دیا کہ میں آگے بڑھوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ مجھے جیسے اپنی حرکات پر اختیار نہیں رہا تھا...... مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کس طرح آگے بڑھی...... کھچاکھچ بھرے ہوئے ہال کے سامنے اسٹیج تک پہنچی......اور موسیقی' آوازوں' سیٹیوں اور تالیوں کے بے پناہ شور میں اپنے قدموں پر کھڑی رہی۔

اناؤنسر میرے لباس اور میرے ملک کے بارے میں حاضرین کو کچھ بتا رہی تھی' لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چہروں سے بھرے ہوئے ہال میں ایک نظر بھی ڈالتے ہوئے مجھے ہول آ رہا تھا۔ میں نگاہیں جھکائے بمشکل خود کو سنبھالتی...... اسٹیج کی اختتامی سیڑھیاں اتری۔ سبز آنکھوں والی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

''ویل ڈن......!!! تم نے بہت اچھی پرفارمنس دی ہے...... اف تمہارے ہاتھ کس قدر ٹھنڈے ہو رہے ہیں...... بھلا اس قدر گھبرانے کی ضرورت کیا ہے......''

مجھ میں جواب دینے کی سکت نہیں تھی۔ میں بمشکل قدم اٹھاتے ہوئے اس کے سہارے چلتی رہی۔

دروازے سے باہر نکلتے ہی اس نے میرا ہاتھ کچھ اور زیادہ مضبوطی سے تھام

لیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے یوں تیزی سے چلنے لگی جیسے کسی سے نظر بچانا مقصود ہو۔ میں کچھ اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے...... اور وہ کس طرف جا رہی ہے۔

ہال میں اب بھی لوگوں کا ہجوم تھا اور وہ ان سے بچتی بچاتی مجھے ساتھ لئے پتہ نہیں کہاں جا رہی تھی۔ میں اپنا عروسی لباس سنبھالتی اس کے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور تھی۔ بالآخر وہ ایک گوشے میں رکی اور اس نے ایک خودکار دروازہ کھولا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹا سا ڈریسنگ روم ہے۔

وہاں ایک شخص پہلے سے موجود تھا جس نے عمدہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر گھنے چھلے دار بالوں کی وگ تھی۔ غالباً اس کے چہرے پر بھی کوئی ماسک تھا...... کیونکہ اس کا چہرہ غیر انسانی سا محسوس ہو رہا تھا۔

سبز آنکھوں والی نے ہانپتے ہوئے لہجے میں تیزی سے سوال کیا...... ''تم جیولری لے آئے ہو......؟''

''یس شہلا اس نے سیٹی کی سی آواز میں مستعدی سے جواب دیا۔

''ہری اپ......! ہری اپ......''!!! وہ جلدی جلدی میرے زیورات اتارتے ہوئے بولی...... ''تم بھی انگوٹھیاں اور بریسلیٹ اتارو...... جلدی کرو...... جلدی......''

مجھے کچھ خبر نہیں تھی...... کہ وہ افراتفری میں میرے زیورات کیوں اتار رہی ہے...... میں اس کے ہاتھ میں جیسے ایک گڑیا کی طرح تھی۔ جسے وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح اپنی مرضی سے کبھی سجاتی سنوارتی تھی اور کبھی خود ہی سب کچھ بگاڑ دیتی تھی۔ میں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار کر میز پر رکھیں...... جب تک میں نے بریسلیٹ کے ہک کھولے۔ اس نے باقی تمام زیورات اتار کر میز پر ڈھیر کر دیئے۔

اس پراسرار اجنبی نے اپنے بریف کیس میں سے ایک خاکی لفافہ نکال کر میز پر الٹ دیا...... میں حیرت زدہ سی رہ گئی...... میز پر بالکل ہی ویسے زیورات کا ایک اور ڈھیر لگ گیا۔

سبز آنکھوں والی نے تیزی سے کہا...... ''چند منٹ کے اندر ہمیں یہ زیورات پہننے ہیں......''

وہ اجنبی انہیں علیحدہ علیحدہ کر کے ہمیں مختلف زیورات تھماتا رہا اور وہ بجلی کی سرعت سے مجھے پہناتی چلی گئی۔ ذرا سی دیر میں میں پھر اسی طرح آراستہ تھی جیسے اب سے تھوڑی دیر پہلے میں اس ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ دونوں زیورات میں سر مو فرق نہیں تھا۔

سبز آنکھوں والی نے جلدی سے ان زیورات کو سمیٹ کر اپنے لباس میں چھپا لیا اور اس پراسرار اجنبی سے بولی...... ''میرا کام ختم ہو گیا ہے...... باقی ذمہ داری تم پر ہے......''

''او کے......''!! اجنبی نے اسے اطمینان دلایا۔

''اچھا...... میں چلتی ہوں...... بائے...... بائے......''!! وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

* * *

میں نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ پلٹ کر دیکھنا چاہا کہ اس اجنبی کے ارادے کیا ہیں لیکن اس سے پہلے ہی اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنی طرف گھما لیا اور پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا...... ''اوہ ربطہ......!!! میں نے تمہیں کتنی مشکلوں کے بعد پایا ہے......''

''غزالی......!!! میرے ہونٹوں سے نکلتے نکلتے رہ گیا...... میں نے ٹھٹھک کر اس کے ہاتھ جھٹکے...... ''کون ہو تم......''......؟

اس نے مجھے چھوڑا نہیں اور میرے شانوں کو مضبوطی سے تھام کر مجھے اپنے مقابل لاتے ہوئے بولا...... ''میں غزالی ہوں...... ربطہ...... میں غزالی ہوں''...... اسکی آواز میں لرزش تھی اور اسکے چہرے کو چھپائے ہوئے ماسک کے سوراخوں میں سے اسکی مضطرب آنکھیں میری جانب تک رہی تھیں۔

اگر اس کا چہرہ ماسک میں نہ بھی چھپا ہوتا اور میں اسے روبرو دیکھتی...... تو بھی مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آتا...... میں نے ان تھوڑے سے دنوں میں اتنے دھوکے کھائے تھے کہ مجھے خود پر بھی اعتبار نہیں رہا تھا...... میں نے پوری قوت سے اسکے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹک دیئے...... اور پیچھے ہٹتے ہوئے درشتی سے کہا......'' مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرو...... مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ غزالی مر چکا ہے......''

وہ یکدم آگے بڑھا...... ''تمہیں میری موت کی خبر کس نے دی ہے......؟''؟

اس نے مجھے تھامنا چاہا۔ ''دور ہٹو...... مجھے ہاتھ نہ لگانا...... میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤنگی......'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''اوہو...... ربطہ...... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں......؟ میرے پاس وقت بہت کم ہے......'' اس نے جھنجھلا کر سر جھٹکا...... پھر

سوچ کر دروازے کی طرف بڑھا اور اسے لاک کر دیا۔

میں پریشان تو ہوئی...... لیکن میں نے خود کو مضبوط رکھا...... اور بڑی جرأت اسکی طرف دیکھتی رہی...... اس نے کھینچ کر اپنے چہرے سے ماسک اتارا۔ اس ساتھ ہی اس کی گھنگھریالی وگ بھی اتر گئی۔ میری روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔

اپنے خوابوں میں بسے ہوئے اس چہرے کو تو میں لاکھوں چہروں میں بھی ن سکتی تھی۔ میرا جی چاہا کہ دوڑ کر اس کی بانہوں کی پناہوں میں آ جاؤں...... اس سینے میں سما کر ہر فکر سے آزاد ہو جاؤں...... لیکن میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ

شاید وہ بھی کوئی سراب تھا...... جس نے میرے پیاسے دل میں ایک آس ی تھی۔ جرائم کی اس کالی دنیا میں نہ جانے اس جیسے اور کتنے چہرے تخلیق کئے گئے ۔ میں نے پہلے بھی اس کے ہمشکل سے دھوکا کھایا تھا...... میں ایک بار پھر اسی ب کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا...... جیسے اسے یقین ہو کہ میں اسے پہچان کر اس کی پلکوں کی...... لیکن میں نے اپنے قدم باندھ لئے اور بے تاثر چہرے کے ساتھ ی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اتری...... ''ربطہ...... کیا اب بھی یں یقین نہیں آیا کہ میں زندہ ہوں......'' اس کے مخصوص لہجے نے مجھے قدرے یا۔

''نہیں......''!!! میں نے ہونٹ کاٹ کر سختی سے جواب دیا...... ''میں کبھی ی نہیں کروں گی...... میں جانتی ہوں کہ ان لوگوں نے ایک چہرے جیسے کئی چہرے بنا ے ہیں...... تم غزالی نہیں ہو...... غزالی مر چکا ہے...... وہ مر چکا ہے......''

اس نے آگے بڑھ کر مجھے پوری قوت سے جھنجوڑ ''ربطہ...... ربطہ......!!! میں غزالی ہوں...... مجھے پہچانو...... میری بات پر یقین ...... میں زندہ ہوں...... میں کوئی اور نہیں ہوں...... میں غزالی ہوں...... لی......''!!!

میں متذبذب سی بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتی رہی...... اس کا چہرہ

میری پیاسی آنکھوں اور ترسے ہوئے دل کو مجبور کر رہا تھا کہ میں اس کی بات پر یقین کر لوں۔ لیکن پھر حالات کی بوالعجبی مجھے چونکا دیتی تھی...... میں کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اپنے دل کی بات مانوں یا اندیشوں اور وسوسوں کی زبان میں بات کروں

مجھے گومگو کی کیفیت میں مبتلا پا کر اس نے پھر مجھے جھٹکا سا دیا...... ''سمجھتی کیوں نہیں ہو...... لمحہ لمحہ قیمتی ہے ربطہ......!!! میں دھنک کو ایک جگہ چھوڑ کر آیا ہوں...... اور اس بندے کو بیہوش کر کے غسلخانے میں بند کر آیا ہوں جو تمہیں لینے کیلئے آنے والا تھا...... ان لوگوں کو جیسے ہی کوئی شک ہوا...... وہ بوگیر کتوں کی طرح ہمارے تعاقب میں نکل آئیں گے...... میں اس سے پہلے تمہیں یہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہوں......تم خواہ مجھے پہچانو یا نہ پہچانو...... میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا......''

مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا...... وقت کی اس مہربان کروٹ اور حالات کے اس معجزے نے مجھ پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری کر دی...... اس نے جس لہجے میں بات کی تھی اور جس طرح دھنک کا نام لیا تھا۔ وہ لہجہ غزالی کے سوا کسی اور کا نہیں تھا......غزالی کا اپنا لہجہ...... جو میری سماعتوں میں گھلا ہوا تھا۔

میں نے بے اختیار اس کے چہرے کو چھو کر جیسے خود کو یقین دلانا چاہا ''اوہ غزالی......غزالی......تم زندہ ہو......شکر ہے تم زندہ ہو اور وہ کمینہ کہتا تھا......''!! میں وفور جذبات میں اپنی بات مکمل نہیں کر سکی...... اور بے ساختہ اس کے شانے سے لگ گئی......

اس نے لمحے بھر کو مجھے اپنے بازوؤں میں گھیر لیا...... اور بالکل میرے قریب بولا...... ''ربطہ...... میں تمہیں دیکھ کر جی اٹھا ہوں......!!! میں تمہیں پانے کیلئے زندہ رہنا چاہتا ہوں......تم میرے ساتھ ہو......تو میں ساری دنیا سے ٹکر لے سکتا ہوں''

میری آنکھوں سے آنسو اس طرح پھوٹے کہ پل بھر میں میرے رخسار تر ہو گئے۔

اس نے فوراً ہی مجھے خود سے علیحدہ کر دیا اور ماسک اپنی جیب میں ٹھونستا ہوا بولا...... ''تم اپنے ہوش و حواس برقرار رکھنا...... مگر زبان سے کچھ مت بولنا کوئی کچھ بھی کہے......تم یوں ظاہر کرنا...... جیسے ان کی زبان نہیں جانتیں...... باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا......''

''مگر غزالی...... یہ کپڑے...... یہ زیور......''!!! میں نے پریشانی سے اپنی ہیئت کذائی کی جانب اشارہ کیا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور چند لمحے دیکھتا ہی رہا...... اس کی آنکھوں میں ایک حسرت آمیز بے نام سے جذبے کی لو تھی۔ اس نے اپنی انگلی سے میری ٹھوڑی کو چھوا۔ ''ربطہ' تمہیں یاد ہے جب اس مردود اسٹیل ہیڈ نے ہمارا نکاح کرایا تھا' تو ہم کتنے واہیات کپڑوں میں تھے۔ اس وقت میں نے تمہیں اس روپ میں دیکھنے کی تمنا کی تھی' لیکن آج تم اس روپ میں سامنے آئی ہو' تو میرے پاس تمہیں نظر بھر کر دیکھنے کی بھی مہلت نہیں۔'' اسکی آنکھوں میں بے تکلم والہانہ ستائش نے میرے رخساروں کو دہکا دیا۔ میں نے قدرے جھینپ کر اسے پھر متوجہ کرنا چاہا۔

''میرا مطلب ہے غزالی' اس طرح کوئی پریشانی تو نہیں ہو گی۔''

وہ بھی جیسے چونک کر حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا اور گھنگھریالے بالوں والی وگ پہنتا ہوا بولا ''تم اس کی فکر نہ کرو۔ فی الحال میں انکے بندے کا ہی کردار ادا کر رہا ہوں۔ پہلے تو یہ جیولری واپس کرنی ہے۔''

میں الجھی ''یہ جیولری تو تم لے کر آئے تھے۔''

وہ مردہ سی ہنسی ہنسا ''سمجھا کرو ناں یار' یہ جرائم کی دنیا ہے۔ یہاں اس قسم کی گھپلے بازیاں معمول کی بات ہے۔ وہ جیولری جو سبز آنکھوں والی لے کر گئی ہے۔ وہ اصلی تھی۔''

میں دھک سے رہ گئی۔ ''یہ تو فراڈ ہے۔''

''یہاں سب فراڈ ہی فراڈ ہے۔ اس کے سوا اور ہے کیا۔'' غزالی نے جواب دیا۔

''کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دھر لئے جائیں۔'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔ ''نہیں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔'' وہ بے نیازی سے بولا ''یہاں ایک سے ایک بڑا فنکار بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ایسے زیور تیار ہوئے ہیں کہ کوئی بڑا ماہر بھی انہیں مشکل ہی سے پہچانے گا اور تم کیا سمجھتی ہو کہ اس چکر میں صرف ایک گروہ ہی ملوث ہے۔ اس قسم کے مال میں بڑی بڑی ہستیاں حصہ دار ہوتی ہیں۔ یہ تو پوری ایک زنجیر سی بنی ہوئی

ہے۔“

”توبہ‘ کس قدر بے ایمانی ہے۔“ میں نے ادب کر کہا۔

”اگر یہ زیورات اصلی ہوتے تو ہمیں انہیں واپس کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آرام سے انہیں لے کر اڑن چھو ہو جاتے اور نئی زندگی کا آغاز کرتے۔“ غزالی بولا۔ ”نہیں‘ نہیں ہم اپنی نئی زندگی کی بنیاد اس گندگی پر نہیں رکھیں گے۔“ میں نے اسے ٹوکا‘ ”غزالی میرے ہاتھ میں اپنا صاف ستھرا ہاتھ دینا۔“

غزالی کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ اس کی آنکھوں میں سے دکھ جھانکنے لگا۔ ”ریطہ‘ میں تمہیں اس وقت ہی اپناؤں گا جب میں تمہیں صاف ستھری زندگی دینے کے قابل ہو جاؤں گا۔“

میں نے دل ہی دل میں آنے والے وقت کی آسودگی کیلئے دعا کی۔ غزالی نے بریف کیس اٹھایا اور دروازہ کھولتے ہوئے بولا ”چلو آؤ‘ اللہ کا نام لے کر چلتے ہیں۔ انہیں جیولری واپس کر کے ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔“

میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوئی۔

غزالی بڑے اعتماد سے قدم اٹھا رہا تھا۔ وہ لوگوں کی بھیڑ میں سے راستہ بناتا ہوا ایک آفس نما کیبن میں داخل ہوا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ خوف میرے سارے وجود پر حشرات الارض کی طرح رینگ رہا تھا۔ میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ لیکن غزالی نے میری ہمت بندھا رکھی تھی۔

میرا ذہن ایک مرتبہ پھر خوابوں کے تانے بانے بننے لگا تھا۔ مجھے ایک بار پھر جیسے زندگی نے چھو لیا تھا۔ میری سانسوں میں حرارت اور خوشبو جاگنے لگی تھی۔ میرے قریۂ جاں میں تمناؤں کے چراغ پھر لو دینے لگے تھے۔ میں جلد تر اس جان لیوا مرحلے سے گزر جانا چاہتی تھی۔ جس کے پار منزل کی آس میری راہ تک رہی تھی۔

غزالی نے ان لوگوں سے ضروری معاملات نپٹائے۔ تب تک میں نے سارے زیورات اتار کر میز پر رکھ دیئے۔ جب تک انہوں نے وہ سارے زیورات وصول نہیں کر لئے‘ میں جیسے سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔ خدا خدا کر کے غزالی فارغ ہوا تو میری جان میں جان آئی۔ غزالی نے مجھے چلنے کیلئے کہا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

حتاط قدموں کے ساتھ اس کے پیچھے چل پڑی۔

ہم دروازے سے آگے پیچھے جیسے ہی نکلے‘ کوئی شخص تیزی کے ساتھ ے سامنے یوں آ کھڑا ہوا جیسے ہمارے ہی انتظار میں ہو۔ ہم دونوں کو بھی تھم جانا

”ریطہ“!!!! اس نے پکارا۔

میں لرز گئی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا‘ افتی کی آنکھوں میں اتنے شکوے مچل تھے کہ میں نے نگاہ جھکا لی۔

”ایسی کیا بات ہو گئی تھی ریطہ کہ تم نے سب سے ناطہ توڑ لیا۔“ اسکے گلے ہ جانے کیا تھا کہ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور میں کوشش کے ایک لفظ بھی نہیں بول سکی۔

میری نگاہیں جھک گئی تھیں اور میں اپنے ہی ضمیر کی ملامتوں میں گلے گئی تھی۔ وہ غزالی سے کہہ رہا تھا۔

”غزالی صاحب‘ ریطہ کے خاندان میں سے تو کوئی ایک بھی آپ کے ہ میں حائل نہیں ہوا تھا‘ تو پھر آپ نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا؟“

غزالی کو بھی حیرت ہوئی کہ افتی نے اسے اس حلیے میں بھی پہچان لیا تھا۔ ہ اس نے اپنا حلیہ کافی حد تک بدل رکھا تھا۔

غزالی بھی قدرے نادم ہوا۔ ”افتی صاحب‘ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔“ اس نے لہرا سانس لے کر افتی کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ”اگر آپ ہمیں اعتبار کے قابل ہیں تو یقین کیجئے کہ جسے آپ انتہائی قدم فرما رہے ہیں‘ اس میں ہمارے ارادے دخل نہیں تھا۔ یہ تو قسمت کے چکر ہیں یا حالات کے ستم‘ جو ہمارے تعاقب میں ئے ہیں۔“

افتی نے اپنے شانے پہ رکھے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور مجھ پر لتی ہوئی سی نگاہ ڈال کر بولا۔ ”غزالی صاحب‘ اس وقت ہمیں صرف آپ کی ی کی ضرورت ہے۔ آپ دعا کریں کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو ے کسی نہ کسی موڑ پر اس طرح اچانک ملاقات ہو ہی جائے گی۔“

غزالی نے سچے لہجے میں کہا اور اسے الوداع کہہ کر آگے بڑھ آیا۔

میرے دل پر چوٹ سی پڑی۔ میرے وجود کا کوئی حصہ جیسے کٹ کر پیچھے رہ گیا۔ میں پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔ افق آنکھوں میں حسرت بھرے ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ میری جل تھل آنکھیں چپ چاپ برستی رہیں اور میں غزالی کے پیچھے پیچھے اپنے ماضی سے اپنی یادوں سے اور اپنائیت کے رشتوں ناطوں سے کٹ کر آگے نکل آئی۔

غزالی کو تو منزل کی لگن کشاں کشاں کھینچے لئے جاتی تھی اور میرے قدموں کو ماضی کی کشش باندھ رہی تھی۔ خون کے رشتوں کی چاہتیں میرا آنچل تھام رہی تھیں مجھے رہ رہ کر ملال ستا رہا تھا کہ میں اپنی ماں کا حال تک نہیں پوچھ سکی تھی۔ آنسوؤں کے پردے میں سے مجھے گردوپیش دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ میں ماضی کے دھندلکوں میں اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ مجھے حال کی کچھ خبر نہیں تھی۔ میرا ذہن' میرا دل' میری روح کہیں اور تھی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے' غزالی مجھے تیز چلنے کیلئے کیوں کہہ رہا ہے؟ ہمیں کہاں اور کس طرف جانا ہے؟ میں بلا ارادہ غزالی کے ہمراہ قدم اٹھا رہی تھی۔

پھر یکایک دھماکہ ہوا یا شاید کوئی گولی چلی' غزالی نے پستول نکال لیا اور میرا بازو تھام کر وہ ایک ستون کی آڑ میں ہوگیا۔ پھر وہ لپک کر اس کی اوٹ میں چلا گیا۔ فضا میں چنگاریاں سی اڑ رہی تھیں اور بارود کی بو پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

میں غزالی کے ساتھ ساتھ لڑھک رہی تھی۔ وہ ان برستے ہوئے انگاروں میں اپنے لئے راستہ تلاش کر رہا تھا۔ میرا دل ڈوبا جاتا تھا۔ مجھے اپنی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی' نہ کچھ سمجھ میں آتا تھا' نہ سجھائی دیتا تھا۔ مجھے اپنا بھڑکیلا لباس سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ میرا دوپٹہ میرے ساتھ ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی ہمارے جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائیں گے۔

لوگ ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ عورتیں چلا رہی تھیں اور ہر طرف ایک بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ مجھے اپنا ہوش نہیں تھا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا۔ پھر کوئی

گرم گرم جلتی ہوئی سی چیز میرے بازو سے چھو کر گزری۔ درد کی ایک شدید لہر نے مجھے تڑپا دیا۔ میرے منہ سے چیخ نکلی اور میں لڑکھڑائی' مجھے محسوس ہوا جیسے میرے گرنے سے پہلے ہی غزالی نے مجھے سنبھالا ہے۔ اس کی آواز بار بار میری سماعت سے ٹکرانے لگی۔ ''ربطہ!! خود کو سنبھالو' ربطہ! حوصلہ کرو' حوصلہ''!!!

میرا سارا بدن جیسے سن ہوگیا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ میری آنکھوں سے بینائی جیسے نچڑ رہی تھی۔ میرے بدن سے جان نکلتی جا رہی تھی' اور غزالی کی سہارا دینے والی آواز بہت دور ہوتی جا رہی تھی۔

پھر ہولے ہولے جیسے میری ہمتیں لوٹیں' میرے محسوسات جاگے' میرے ہوش وحواس نے مجھے میرے زندہ ہونے کا احساس دلایا۔ میرے ذہن کے پردے پر پھر اسی ہولناک منظر کی تصویر ابھرنے لگی۔ گولیوں کی ہولناک چنگھاڑ میرے کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔ میں نے چیخ مار کر آنکھیں کھول دیں' لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔

میرے چہرے پر کوئی بھاری کپڑا تھا۔ میں نے گھبرا کر اسے ہٹا دینے کو بازو اٹھایا' لیکن درد کی ایک شدید ٹیس نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اپنا بازو سہلایا' مجھے پھٹی ہوئی آستین اور جمے ہوئے خون کا احساس ہوا اور میں غور کرنے لگی کہ میں کہاں ہوں؟؟

میں غالباً اسی چادر میں لپٹی ہوئی تھی جس نے میرا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ ہل حرکت کرنے سے بھی گھبرا رہی تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں دوستوں میں ہوں یا دشمنوں میں' میں نے ڈرتے ڈرتے آہستگی کے ساتھ اپنے چہرے سے چادر سرکائی اور بھرپور نگاہ سے باہر دیکھا۔ مجھے کسی کار کی چھت نظر آئی۔ میں نے اپنی نگاہ کو حرکت دی۔ مجھے کار کی سیٹیں دکھائی دیں۔ میں نے کچھ اور غور کیا کہ ان سیٹوں پر کون بیٹھا ہے' مگر جس طرح میں چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ مجھے اس کار میں چھپایا گیا ہے۔ اس لئے میرا اٹھنا خطرے سے خالی نہیں تھا' مگر اس طرح چادر میں لپٹے ہوئے سکڑ سمٹ کر چپ چاپ پڑے رہنا بھی کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔

سو طرح کے اندیشے مجھے بے چین کیے دیتے تھے۔ میں کچھ نہیں جانتی تھی

کہ مجھے آگ اور دھوئیں کے اس طوفان میں سے کون نکال کر لایا تھا؟ مجھے اس ار میں کس نے چھپا رکھا تھا؟ یہ کار نہ جانے کہاں کھڑی تھی؟

جس طرح اکیلا غزالی کتنے ہی دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر تو لگتا تھا کہ ان کے چنگل سے زندہ نکل آنا ممکن نہیں' پھر یہ معجزہ نہ جانے کیسے ہو گیا تھا؟ یہ بھی تو ممکن تھا کہ غزالی نے ہی وقتی طور پر مجھے یہاں چھپا دیا ہو۔ میں نے پھر نگاہ چاروں طرف دوڑائی۔ مجھے درختوں کی لٹکتی ہوئی شاخوں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے گاڑی درختوں کے جھنڈ میں کھڑی ہے۔

میں نہ جانے کتنی دیر یونہی دم سادھے پڑی رہی اور ہزاروں اندیشے سینکڑوں وسوسے میرے اردگرد پھن پھیلائے کھڑے رہے۔ رینگ رینگ کر گزرنے والے خوف کے ان اذیت ناک لمحوں میں میری سانس اٹک اٹک کر چلتی رہی۔

اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کار کا دروازہ کھلا ہے۔ میرے سارے بدن میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میری ساری حسیں بیدار ہو گئیں۔ میں نے اسی طرح پڑے پڑے خود کو آنے والے حالات کیلئے تیار کر لیا۔ پھر کوئی عجلت سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور زن سے چلی۔

خوف سے میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ چادر کے اندر مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا' نہ جانے یہ کون شخص تھا اور مجھے کہاں لئے جاتا تھا۔ اگر یہ غزالی ہوتا تو مجھ سے کوئی بات تو کر لیتا' پھر میں نے سوچا کہ شاید وہ جلدی میں ہے۔

گاڑی خاصی تیز رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ میں نے ہولے ہولے اپنے چہرے سے چادر سرکائی۔ مجھے گاڑی چلانے والے کے شانے کا تھوڑا سا حصہ نظر آیا۔

میں نے اپنے دکھتے ہوئے بازو کو سنبھال کر تھوڑا سا پورا اٹھتے ہوئے بیک ویو مرر سے گاڑی چلانے والے کا عکس دیکھنا چاہا لیکن وہاں بھی مجھے اس کے سیاہ چشمے اور پیشانی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔

لیکن مجھے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ غزالی نہیں تھا؟ میں دھک سے رہ گئی۔ اگر وہ غزالی نہیں تھا تو پھر کون تھا......؟ میں بے طرح پریشان ہوئی۔ مجھے سنسناتی ہوئی گولیاں اور موت کے خوف سے اٹی ہوئی وہ فضا یاد تھی۔ میرا بازو زخمی تھا

اور میرے ذہن میں ابھی تک وہ منظر تازہ تھا جب غزالی کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا تھا اور وہ بارود کے حصار میں گھر کر رہ گیا تھا۔

نہ جانے وہ اس وقت کہاں تھا اور میں اس سے دور کس سمت میں سفر کر رہی تھی۔ وہ زندگی کی راہ میں ملا بھی تھا تو بچھڑنے کیلئے' میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس تذبذب آمیز خوف کی کیفیت نے مجھے چور چور کر دیا۔ میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں گاڑی چلانے والے سے سوال کروں۔ اس بے یقینی کی کیفیت سے تو بہتر تھا کہ میں اصل حالات سے آگاہ ہو جاتی۔ خواہ وہ کتنے ہی ناگفتہ بہ ہی کیوں نہ ہوتے۔

میں نے ہمت کر کے بلند آواز میں پوچھا ''تم کون ہو؟ اور مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''؟

میری بات کا کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے پھر ایک بار میں نے پہلے سے زیادہ بلند آواز میں پوچھا ''تم بتاتے کیوں نہیں کہ تم کون ہو اور مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔''

ٹریفک کے شور اور کار کے انجن کی گڑگڑاہٹ میں لپٹی ہوئی ایک آواز مجھ تک آئی ''شٹ اپ''!!!

میں سراسیمہ سی ہو گئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں غزالی کے دشمنوں کے رحم و کرم پر تھی۔ کچھ اور کہنا لاحاصل تھا۔ میں کار کے شیشوں میں سے تیزی سے پیچھے دوڑتے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگی۔ زخمی بازو کے ساتھ تیزی سے بھاگتی ہوئی کار میں سے چھلانگ لگانے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ میری زندگی کا یہ مختصر سا عرصہ اتنے تلخ تجربات اور محیر العقول واقعات سے پر تھا کہ اب مجھے کچھ بھی عجیب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ میں اپنا آپ بھول گئی تھی کہ میں کیا تھی اور کیا ہو گئی تھی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ وہ شخص ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا میرے اعصاب تن گئے' نہ جانے آگے کیا ہونے والا تھا۔ میں نے پریشانی سے دروازے کی طرف دیکھا' دروازہ کھلا' میری روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔

خوف سے بھری ہوئی اس جان لیوا کیفیت میں خوشگواری یوں نکھر آئے گی

میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سیاہ تاریک رات میں اچانک چاند نکل آیا ہے۔ میں نے استعجاب آمیز مسرت سے کہا

''افقی، تم''!!!

''چپ''!!! اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھی ''خاموشی سے اٹھو'' ادھر ادھر نہ دیکھنا بڑی احتیاط سے'' اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اٹھنے میں مدد دی۔

میں وہی چادر اوڑھے ہوئے کار سے باہر نکلی۔ میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ یہ وہ علاقہ تھا' جہاں افقی نے اپارٹمنٹ لے رکھا تھا۔ میں کئی مرتبہ یہاں آئی تھی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے دو کمروں کے چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تو پرانی خوشگوار یادیں مجھے ہوا کے خنک جھونکے کی طرح چھو کر گزر گئیں۔

* * *

میرے من میں ہوک سی اٹھی۔ کبھی کتنی بے فکری کا زمانہ تھا اور آج میں ندامتوں کے بوجھ سے جھکی جھکی اسکے ہمراہ مجرموں کی طرح قدم اٹھا رہی تھی۔

وہ مجھے اپنے بیڈ روم میں لے آیا۔ اس نے وہ بھاری چادر خود ہی اتار دی' جس میں میں لپٹی ہوئی تھی اور مجھے ایک نشست پر بٹھاتے ہوئے بہت نرمی سے بولا!

''ریطہ!!!'' اب تم کیا محسوس کر رہی ہو؟

''ٹھیک ہوں''!! میں نے کچھ جھجک کر جواب دیا۔ میں اس کا سامنا کرتے ہوئے بڑی ندامت سی محسوس کر رہی تھی۔

''تمہارے بازو میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہے۔'' میرے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے اپنائیت سے کہا۔

''نہیں''!!! میں نے اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔

وہ چند لمحے ایک ایک ٹک میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں سے ایک عجیب سی حسرت اور لگاؤ جھانک رہا تھا۔ میں اس کی نگاہوں کا سامنا نہیں کر سکی۔ میں نے نظریں چرا لیں اور میرا سر جھک گیا۔

''ریطہ' یہ تم نے خود کو کیا کر لیا ہے؟''؟ اسکے انداز میں اتنا کرب اور اتنی قربت تھی کہ میرا جی چاہا کہ اس کے سینے سے لگ کر اپنے دل کا سارا غبار آنکھوں کے رستے نکال دوں۔ میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ انتہائی ضبط کے باوجود میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور ایک آنسو میرے رخساروں پر ڈھلکنے لگا۔

''اوہ' ریطہ!! ریطہ!!! میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں تھا' مگر تمہاری حالت

دیکھ کر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔'' وہ پریشانی سے سر جھٹک کر اٹھا' جیب سے رومال نکالتے ہوئے وہ میرے قریب آ بیٹھا اور میرے آنسو صاف کرتے ہوئے زخمی زخمی سے لہجے میں کہنے لگا۔ ''ریطہ تمہارے یہ آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں'' اس کے لہجے میں جو خلوص اور سچائی تھی۔ اس نے میرے ضبط کے بندھن توڑ دیئے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ میری ساری محرومیاں' میرے سارے دکھ میری ہچکیوں میں بولنے لگے۔

میں جتنا خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی۔ اتنے ہی میرے آنسو بہتے اور میری سسکیوں کی آواز بلند ہوتی۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ میرے اس طرح رونے سے افق بہت پریشان ہو رہا ہے لیکن مجھے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔

وہ کچھ دیر بالکل خاموش میرے پاس بیٹھا رہا۔ جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کرے۔ پھر وہ بیکل سا ہو کر اٹھا اور اس نے اضطراب میں کمرے کے دو ایک چکر لگائے۔ میں ابھی تک خود پہ قابو نہیں پا سکی تھی۔ اپنے آنسوؤں اور سسکیوں پر بند نہیں باندھ سکی تھی۔

وہ پھر میرے پاس آ بیٹھا' اس نے میرے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے ہاتھ میرے چہرے سے علیحدہ کیے اور میرے آنسو پونچھتا ہوا بولا ''ریطہ! پلیز خاموش ہو جاؤ ناں' مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ میں نے آنسوؤں کی دھند میں سے اسے دیکھا۔ میرے آنسوؤں نے اسکی پلکوں کو بھی بھگو دیا تھا۔

اسکے خوبصورت دل کے گداز اور جذبوں کے خلوص کے سامنے میرا سر عقیدت سے جھکتا چلا گیا۔ میں نے خود کو اسکے فراخ سینے سے لگا ہوا پایا۔ اس نے اپنے بازو میرے گرد لپیٹ کر میرے بالوں کو سہلایا۔ ''میں نے تو تمہارے لئے مسکراہٹوں اور مسرتوں کی دعائیں مانگی تھیں۔ یہ کیا ہوا کہ تمہاری آنکھوں میں آنسو ہیں؟''

میرے پاس اس کی اس بات کا جواب بھی وہ آنسو ہی تھے جو اس کا شانہ بھگو رہے تھے۔ وہ مجھے بازوؤں میں لئے اس طرح پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا

جیسے میں کانچ کی گڑیا تھی۔ جسے ہر پل ٹھیس لگنے کا اندیشہ تھا۔

میرے دل سے غبار چھٹا تو مجھے صورتحال کا اندازہ ہوا۔ میں خود کو اس سے اتنا قریب پا کر کچھ جھینپ سی گئی۔ عجلت میں اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے میں کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ ''افق! تمہارے خلوص نے میرے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر ایک زخمی مسکراہٹ طلوع ہوئی۔ ''اچھا''!!! اس نے میرے بال بگاڑتے ہوئے مصنوعی خوش طبعی سے کہا ''تو پھر دیکھ لیتے ہیں کہ تمہارے بازو کے زخم کا کیا حال ہے۔''

میں نے صوفے پر اس سے دور ہٹتے ہوئے اپنے بازو کی طرف دیکھا' پھٹی ہوئی آستین میں سے بازو کا خون آلود زخم جھانک رہا تھا۔

''تم اس کا خود ہی کچھ کر لوگی یا کسی ڈاکٹر کو بلا لاؤں۔'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں' کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔'' میں نے آستین لپیٹی۔

''ٹھہرو' میں فرسٹ ایڈ بکس لے کر آتا ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھا۔

زخم گہرا نہیں تھا۔ گولی معمولی سا چھو کر گزری تھی۔ میں نے خود ہی زخم صاف کر کے دوائی لگائی۔ افق نے ڈریسنگ کرنے میں میری مدد کی اور چیزیں سنبھالتا ہوا بولا ''ریطہ دیکھو کیسا دماغ خراب ہوا ہے تم سے چائے کا' کھانے کا کچھ نہیں پوچھا۔''

''تمہارا دماغ تو ہمیشہ سے خراب ہے۔'' میرا بھی موڈ اچھا ہو گیا تھا۔

وہ ہنس پڑا'' یہ دماغ تو واقعی خراب ہے ورنہ'' اس کی ہنسی تلے چھپا ہوا دکھ معنی خیز تھا۔

میں نے توجہ بٹانے کو صوفے پر پڑا ہوا اس کا رومال اٹھا کر اسکی طرف اچھالا جس سے اس نے میرے آنسو پونچھے تھے۔ ''یہ لو' اپنا رومال بھی لیتے جاؤ۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے فضا میں ہی دبوچ لیا۔ چند لمحے میری طرف تک دیکھتا رہا پھر میرے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلا کر بولا'' جانتی ہو ریطہ یہ کتنا قیمتی رومال ہے''......؟

''اوں ہوں۔''!!! میں نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''یہ میرا خزانہ ہے۔ میں اسے بہت سنبھال کر رکھتا ہوں۔'' وہ بولا

''کیوں......؟اس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''اس میں تمہارے آنسو ہیں ریطہ تمہیں یاد ہے ایک بار پہلے بھی غزالی نے تمہیں بہت رلایا تھا۔تمہارے وہ آنسو اس رومال میں تھے اور آج پھر۔''

اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی اور پلٹ گیا۔

میں حیرت میں ڈوب گئی۔ میں افتی کے لگاؤ سے واقف تھی لیکن میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کے جذبوں میں اتنی گہرائی' اتنی پختگی اور سچائی ہے۔ میں نے کبھی اس کے دل میں جھانکا ہی نہیں جو اسکے جذبوں کے رنگ دیکھتی۔

میں پشیمان سی ہو کر سوچنے لگی کہ اس کے اس اتھاہ خلوص کی پذیرائی کس طرح کروں نہ میرے پاس کوئی خالص جذبہ تھا' نہ کوئی سچا احساس' افتی کے مقابل مجھے اپنا آپ سب کم مایہ سا لگا۔ میں کچھ نادم سی' کچھ الجھی ہوئی سی بیٹھی تھی کہ وہ کمرے میں آیا۔

اس نے وارڈ روب کھول کر جین کی پتلون اور شرٹ نکالی اور میرے قریب آ کر بولا! ''محترمہ ذرا آپ اپنا یہ عروسی لباس تبدیل فرمالیں تو مہربانی ہوگی۔تب تک میں پیٹ پوجا کا کچھ انتظام کرتا ہوں۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ''اس پتلون شرٹ سے گزارا ہو جائے گا۔'' اس نے دونوں کپڑے میرے سامنے لہرائے۔

میں ابھی تک اس کی بات کے طلسم سے نہیں نکلی تھی۔ مجھے وہ ایک نیا نیا سا افتی لگا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں آج ہی اس سے متعارف ہوئی ہوں۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر غسل خانے میں گھس گئی اور بہت دیر تک اس کے بند دروازے سے پشت لگا کر کھڑی رہی۔

کھلنڈرے' لاابالی سے افتی نے جو مجھے دھچکا لگایا تھا۔ اس نے میرے وجود کی دیواروں کو ہلا کر رکھ دیا تھا' نہ میں تلافی کر سکتی تھی' نہ اس کے دامن کو بھر سکتی تھی۔ شاید اسی لئے میں ایک ناکردہ کار احساس جرم کا شکار ہو گئی تھی۔ ''افتی نے تو نہ مجھ سے کوئی مطالبہ کیا تھا' نہ کچھ چاہا تھا' تو پھر میں کیوں پریشان تھی؟''؟ میں نے خود سے سوال کیا۔

''ریطہ!! تم ٹھیک تو ہو ناں''!!! غسل خانے کے دروازے پر دستک کے ساتھ افتی کی آواز سنائی دی' تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے باتھ روم میں بہت دیر ہو چکی تھی اور میں نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔

''اچھا میں ابھی آ رہی ہوں۔'' میں نے گھبراہٹ میں اس کی بات کا جواب دیا اور جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے منہ ہاتھ دھو کر میک اپ صاف کیا۔ بال سلجھا کر ان میں برش کیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

وہ مجھے اس ہیت کذائی میں دیکھ کر ہنس پڑا۔ اس کی شرٹ مجھے بہت ڈھیلی تھی۔ میں نے تقریباً آدھی سے زیادہ آستینوں کو الٹ رکھا تھا۔ یہی حال پتلون کا تھا' جس کے پائنچوں کو مجھے کئی بار پلٹنا پڑا تھا۔

''تمہارے لئے ٹراؤزر اور شرٹ لانی ہی پڑے گی۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''فی الحال کام چل ہی گیا ہے۔'' میں بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئی۔

''اچھا' اچھا چلو جلدی کرو۔ دیکھو میں نے کتنا کام کر لیا اور تم نے اتنی دیر میں صرف کپڑے بدلے ہیں۔''

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باورچی خانے میں لے آیا۔ جہاں ایک طرف اس نے چھوٹی سی کھانے کی میز لگا رکھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میز پر کافی' سینڈوچز' انڈے برگر' ساس اور کچھ پھل بھی موجود تھے۔ اس نے میرے لئے کرسی باہر کھینچی ''لیجئے جناب اس وقت تو یہ ریڈی میڈ کھانا ہی حاضر ہے' پھر موقع ہوا تو آپ کو لذیذ کھانے بھی کھلائے جائیں گے۔خاص اپنے دست مبارک سے تیار شدہ۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔

''مجھے پتہ ہے تم سب اچھے باورچی ہو۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آداب!! آداب!!'' وہ مجھے تسلیم کرتے ہوئے میرے مقابل بیٹھ گیا۔

میں نے میز پر نگاہ ڈالی' کافی کے برتن' چمچے سب کچھ بڑے سلیقے سے آراستہ تھے۔ میں نے توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''افتی تم تو بہت سلیقے والے ہو۔''

''شکریہ! شکریہ!!'' وہ مسکرایا'' ریطہ' اب تکلف نہ کرنا' مزے سے شروع ہو

جاؤ۔''

مجھے بھوک نہیں لگی تھی۔ میرا سر چکرا رہا تھا اور میرا ذہن اس طرح الجھا ہوا تھا کہ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں غزالی کے بارے میں بہت فکر مند تھی' مگر افتی سے اس کے بارے میں پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ افتی کے سامنے اس کا نام لیتے ہوئے مجھے کچھ ندامت سی ہو رہی تھی۔ غزالی میری محبت تھا لیکن میں اس کا نام سر اٹھا کر نہیں لے سکتی تھی۔ اس کی محبت نے مجھے کتنا سبک بنا دیا تھا کہ میں کسی اپنے کے سامنے نگاہیں نہیں اٹھا سکتی تھی۔ مجھے ممی کا خیال بھی تھا' لیکن سمجھ نہیں آتا تھا کہ کس منہ سے ان کا نام لوں۔

''کن سوچوں میں گم ہو ریطہ' بسم اللہ کرو ناں'' افتی نے مجھے چونکایا۔

میں نے کافی پوٹ اٹھایا اور اپنے لئے کافی انڈیلنے لگی۔ افتی میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یار پہلے کچھ کھا تو لو' پھر کافی پی کر جی جلانا۔'' وہ سینڈوچ کھاتے ہوئے بولا

''جی نہیں چاہ رہا افتی'' میں نے پژمردگی سے جواب دیا۔

''مجھے پتہ ہے جی کیوں نہیں چاہ رہا'' وہ مسکرایا' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں اپنے پرنس چارمنگ کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ ہیں ناں'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

میں نے نگاہیں چرا لیں اور اپنی جھینپ مٹانے کو اس کے پیچھے پڑ گئی'' جب تمہیں پتہ ہے تو پھر بتاتے کیوں نہیں ہو' اس کے بارے میں۔''

وہ شرارت سے ہنسا'' اپنے رقیب روسیاہ کا تذکرہ کرنا کون پسند کرتا ہے۔''

''بکواس نہ کیا کرو افتی کے بچے'' میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

اس تھوڑی سی بکواس سے ہم اپنا دل خوش کر لیتے ہیں' کسی کا کیا لیتے ہیں۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''اچھا اب بتاؤ بھی تو سہی ناں'' میں نے زور دے کر کہا۔

''دیکھو ریطہ۔'' اس نے ایک سینڈوچ اٹھا کر میری طرف بڑھایا'' یہ لو پہلے کچھ کھاؤ پیو' خالی فکر سے' پریشانی سے اور محبت سے پیٹ نہیں بھرتا۔''

میں نے سینڈوچ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ مجھے شدید پریشانی ہونے لگی۔

''افتی! کیا تمہارے پاس کوئی بری خبر ہے؟''؟

''عجیب وہمی لڑکی ہو تم'' اس نے جھنجھلا کر سر جھٹکا'' نہ میرے پاس کوئی بری خبر ہے' نہ ایسی ویسی بات' میں تو چاہ رہا تھا کہ تم کچھ کھا پی لو تو اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں۔'' اس نے چند لمحے توقف کیا پھر بڑی اپنائیت سے بولا'' ریطہ مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند ہوں۔ تم نے جو راہ چنی ہے وہ صاف نہیں ہے۔ تمہارا دامن ہمیشہ کانٹوں سے الجھتا رہے گا۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔ ہر قیمت پر' کسی طرح بھی''!!! اس کے لفظوں نے جو کہا تھا اس کی آنکھیں بھی وہی کہہ رہی تھیں۔ اس کے لہجے میں جو سچائی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر بھی تھی۔

مجھے ایک بار پھر افتی بہت اونچا' بہت بلند نظر آیا۔ اس کا دل کتنا خوبصورت تھا۔ اس کا من کتنا اجلا تھا۔ اس کا خلوص کتنا بے لوث تھا۔ میں ندامت سے چور چور ہو گئی۔ ''پلیز افتی' مجھے میری ہی نگاہوں میں حقیر مت کرو۔'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

''ریطہ! ریطہ!!! میں نے تو تمہیں ایسا کچھ نہیں کہا'' وہ ملائمت سے کہنے لگا۔ اس کی ملائمت نے مجھے بالکل ہی توڑ پھوڑ دیا۔ میں بکھر کر رہ گئی۔ میں نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف دیکھا'' تو پھر مجھے کیوں نہیں کچھ کہتے' مجھے ملامت کیوں نہیں کرتے' مجھے برا بھلا کیوں نہیں کہتے'' میری آواز بلند ہوئی جا رہی تھی اور ہر لحظہ بھرا رہی تھی۔

''بس' بس' بس''!!! افتی نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''تسلی رکھو' تسلی رکھو' میں تمہیں بہت کچھ کہوں گا۔ جھڑکیاں دوں گا۔ صلواتیں سناؤں گا۔ ماروں گا' بلکہ مار مار کے دنبہ بنا دوں گا۔ میں تو اس لئے لحاظ کر رہا تھا کہ تم زخمی ہو' تھکی ہوئی ہو۔ شاید بھوک بھی لگی ہو۔'' اس نے مصنوعی غصے سے دانت پیسے۔

"ورنہ دیکھو تو سہی میں تمہارے ساتھ کرتا کیا ہوں۔"

میں سر جھکا کر ہونٹ چبانے لگی۔

"محترمہ"!!!! اس نے چھری کی نوک سے میری کہنی کو چھوا "یہ خوراک وغیرہ ذرا جلدی سے زہر مار کرلیں تو اٹھیں۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا "نہیں افقی' اس وقت کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔"

"چلو نہ سہی زبردستی تھوڑی ہے۔" اس نے جلدی جلدی کافی کے موٹے موٹے گھونٹ بھر کر پیالی خالی کی اور آستینیں چڑھاتا ہوا بولا "میں چٹکی بجاتے میں یہ برتن دھولوں' پھر تمہاری خبر لیتا ہوں۔"

"لاؤ' میں دھو دیتی ہوں برتن" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں ہم اپنا کام خود ہی کرلیں گے" وہ منہ بنا کر بولا اور پلیٹیں' ڈش واشر میں رکھنے لگا۔

"تم نہیں چاہتے کہ میرے ساتھ کام کراؤ" میں نے کچھ کچھ برا مانتے ہوئے کہا۔

"ہاں' نہیں چاہتا" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"کیوں......؟" میں نے تنک کر پوچھا۔

"تمہارا بازو زخمی ہے۔ نالائق اور ابھی تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ اس نے جلدی جلدی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

میں وہیں کرسی پر بیٹھ گئی اور اسے کام کرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ وہ عام مردوں کی نسبت کتنا مختلف تھا۔ اس کے گھر میں کہیں بے ترتیبی یا گندگی نہیں تھی۔ ہر شے اتنے سلیقے سے رکھی ہوئی تھی جیسے کسی سگھڑ خاتونِ خانہ نے اسے سنوارا ہو۔

"ریطہ کی بچی! تم مجھے نظر لگا کر ہی چھوڑو گی۔" اس نے پلیٹیں خشک کرتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"تمہارے جو یہ سگھڑ بہوؤں والے کام ختم ہونے میں نہیں آرہے تو میں کیا کروں۔" میں نے مصنوعی خفگی سے اسے جتایا۔

"تم یہ کرو لڑکی۔" اس نے قریب آکر مجھے کرسی سے اٹھایا۔ "آؤ میرے ساتھ۔" وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے بیڈ روم میں آیا اور بڑے آداب سے بولا "یور ہائینس!!! جہاں آپ کا دل چاہے' تشریف رکھیئے تو ہم آپکی طبیعت صاف کر دیں۔"

میں صوفے سے ٹیک لگا کر قالین پر ہی بیٹھ گئی۔ افقی نے بھی ایک کشن گھسیٹ لیا اور میرا مقابل ہی براجمان ہوتے ہوئے اپنی مخصوص بے تکلفی سے بولا "تو سنایئے جناب محبت کی پرخار وادی میں آپ نے کیا کھویا' کیا پایا"......؟

اس کا یہ سوال میرے سارے وجود میں درد کی ایک شدید لہر سی بن کر اتر گیا۔ ایک خلش سی بن کر میری رگوں میں دوڑنے لگا۔ میری روح میں ٹیس سی جگانے لگا۔ میں نے غزالی اور اپنے عہد شناسائی پر نگاہ ڈالی اور ہارے ہوئے لہجے میں کہا "پرخار وادیوں کا سفر تو ہمیشہ آبدپائی لاتا ہے یا جیب و دامن کو تار تار کردیتا ہے۔"

وہ مسکرایا "اسے ہی تو محبت کا حاصل کہتے ہیں ریطہ' اس آبدپائی میں لذت ہے کہ نہیں؟ یہ تار تار جیب و دامن تمہیں عزیز تو ہیں ناں۔"......؟

میں اسکی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکی اور اپنا نچلا ہونٹ چباتی رہی۔

کمرے میں خاموشی کا ایک بہت طویل وقفہ آن کر ٹھہر گیا۔ افقی سر جھکائے بیٹھا' میری چپ کو دیکھ کر کہنے لگا۔ "بس کچھ نہیں بولنا؟ کچھ نہیں کہنا' کچھ نہیں ریطہ......؟" میں نے اضطراب میں اپنے بالوں میں انگلیاں الجھائیں اور پژمردہ سے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"تم کیا پوچھنا چاہتے ہو افقی"......؟

"سب کچھ"!!!! اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ "وہ سب کچھ جو تمہاری آنکھوں میں ہے جو تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے؟ جس نے تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ چھین لی ہے' جس نے تمہارے گالوں کے گلاب مرجھا دیئے ہیں جس نے تمہیں سب اپنے چھوڑ دینے پر مجبور کردیا ہے۔"

میں نے نظریں جھکا لیں اور دل ہی دل میں پشیمان ہونے لگی کہ میں اپنی شکستوں کا تذکرہ اس سے کس طرح کروں؟ اسے کس طرح بتاؤں کہ میرا محبوب

اندھیروں کی دنیا کا باسی ہے۔ یہ اعتراف کس طرح کروں کہ اسکے پیچھے چلتے چلتے میں گھناؤنے جرائم کی تاریک دنیا میں بھٹک گئی ہوں۔ میرا سر جھکتا چلا گیا اور بالآخر میرے گھٹنے سے آلگا۔

میں گلے گلے آنسوؤں میں دھنس رہی تھی' لیکن میں رونا نہیں چاہتی تھی۔ میں خود کو کچھ اور کمزور' کچھ اور بے بس ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے ضبط کی کوشش میں اپنے ہونٹ چبا ڈالے اور مٹھیاں بھینچ کر اپنے آنسوؤں پر بند باندھنے لگی۔

یہ دو تین پل بھی صدیاں بن بن کر گزرے' پھر افتی نے ہاتھ بڑھا کر میرے گھٹنے پر ٹکا ہوا میرا سر اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے مزاحمت کی۔ میں اس سے نگاہیں چار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے پھر کوشش کی لیکن میں نے سر نہیں اٹھایا۔

''ریطہ کی بچی''!!! اس نے میرے بال مٹھی میں جکڑ کر میرا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ''تم مار کھائے بغیر نہیں مانو گی نالائق''!!!

''چھوڑو افتی' کیا کرتے ہو؟'' میں نے اپنے بال اس کے ہاتھوں سے چھڑانے چاہے لیکن اس نے نہیں چھوڑے اور دوسرے ہاتھ کی انگلی سے میری پلکیں چھو کر بولا۔

''آنسوؤں کو مت روکو ریطہ !!! دکھوں کو دل میں نہ رکھو' وہ سب کہہ دو جو تمہارے اندر کھول رہا ہے۔ خود کو اتنی مشکل میں نہ ڈالو کہ ٹوٹنے لگو۔''

میری روح میں' میرے بدن میں زلزلہ سا آ گیا۔ میرا سارا وجود تہہ و بالا ہونے لگا۔ میں نے خود کر کرچی کرچی ہونے سے بچانے کی ایک اور کوشش کی اور آنسوؤں کو اندر ہی اندر پیتے ہوئے روکھائی سے کہا ''افتی پلیز' مجھے تنگ مت کرو۔ چھوڑ دو میرے بال' مجھے کچھ نہیں ہوا۔ تمہیں خوامخواہ ہی وہم ہو گیا ہے۔''

افتی کو نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے بال کھسوٹ ڈالے۔ ایک کے بعد ایک اس نے کتنے ہی زوردار تھپڑ میرے رخساروں پر لگائے اور مجھے غصے سے جھنجھوڑ کر بولا ''تمہیں کچھ نہیں ہوا تو نہ سہی لیکن ہمیں تو ہوا ہے ناں۔ تمہارے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے ان سب کو بہت کچھ ہوا ہے جن کی تم کچھ لگتی ہو' جس سے تمہارا کوئی رشتہ ہے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری ماں کیا کیا حال

ہے۔ وہ ہر روز کس طرح جیتی اور مرتی ہے۔ تمہارا راستہ تو کسی نے نہیں روکا تھا۔ کسی نے تمہارے اس احمقانہ فیصلے پر اعتراض نہیں کیا تھا' تو پھر تم نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا۔ نالائق' نا ہنجار !! الو کی پٹھی!!! اور اب کچھ بکتی نہیں ہو۔ کمینی' ذلیل! پتہ نہیں تمہیں اس بدمعاش اس مجرم میں کیا نظر آیا تھا جو تم نے اپنے اچھے بھلے شریف خاندان کو چھوڑ کر اس کی تاریک دنیا میں جانا پسند کر لیا۔'' وہ غصے میں بولتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں جیسے چنگاریاں سی سلگ رہی تھیں۔

مجھے اس کے اس غصے نے اس کی اس ملامت نے تسکین سی دے دی۔ میرے ضمیر کے کچوکے جو ہر آن مجھے بے چین کیے دیتے تھے۔ انہیں قرار سا آ گیا۔ میں اپنی ہی نظروں میں اتنی حقیر ہو چکی تھی کہ مجھے اسکی اس ملامت میں اپنی تحقیر محسوس نہیں ہوئی۔

میں نے نہ خود کو بچانے کی کوشش کی' نہ اس کا ہاتھ پکڑا' نہ اس پہ کوئی جوابی وار ہی کیا' بلکہ مجرم سی بنی اسکے روبرو یوں بیٹھی رہی' جیسے اس کی یہ سزا مجھے جزا کی طرح قبول ہو۔ اس نے میرے آنسو صاف کیے تو مجھے احساس ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو آپ سے آپ بہے چلے جاتے ہیں۔

''اوہ ریطہ کی بچی''!!! افتی نے پریشانی سے کہا ''تم نے مجھے کتنا غصہ دلایا' دیکھو تو تمہارے چہرے پر میری انگلیوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ چچ چچ!!! میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتا تھا لیکن تم نے' تم نے سب کو اتنا پریشان کیا ہے' اتنا پریشان کیا ہے کہ بس دل چاہتا ہے تمہارا قیمہ بنا دوں۔ ابھی اور اسی وقت''!!!

میں نے روتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا ''تو بنا دو قیمہ' تمہیں روکا کس نے ہے۔''

وہ چند لمحے عجیب حسرت بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن کچھ کہہ نہیں سکا اور ہولے سے میرا سر اپنے شانے سے لگا لیا اور ملائمت سے میرے بال یوں سہلائے جیسے اپنے رویے کی تلخی کو کم کرنا چاہتا ہو۔

مجھے ایک انجانے سکون اور تحفظ کا نرم گرم احساس ہوا۔ میں نے اس کے شانے سے سر اٹھائے بغیر کہا ''افتی! میں سمجھتی تھی کہ تم مجھے جانتے ہو' مجھے سمجھتے ہو' تم

میرے بچپن کے ساتھی ہو' مجھے پہچانتے ہو لیکن''!!! میں نے موزوں لفظ تلاش کرنے کو تھوڑا توقف کیا۔

''لیکن؟ لیکن کیا......؟ وہ خاموش نہ رہ سکا۔

''لیکن یہ کہ'' میں نے اس کے شانے سے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا ''اگر تم مجھے ذرا سا بھی جانتے ہوتے تو یوں مجھ سے بدگمان نہ ہوتے۔''

''کیا مطلب......؟'' اس نے مفاہمت کے لہجے میں کہا۔

''مطلب یہ کہ اگر تم مجھ سے اتنے بدگمان نہ ہوتے تو دوسرے انداز میں سوچتے' تم کیا سمجھتے ہو کہ اس طرح اچانک غائب ہو جانے میں میری مرضی کا بھی کوئی دخل تھا۔ جرائم کی اس تاریک دنیا میں میں اپنی خوشی سے شامل ہوئی ہوں......؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے اپنے خاندان کی عزت عزیز نہیں۔ مجھے اپنی ماں کے دل کا خیال نہیں۔ تمہاری نظر میں کیا میں اتنی ہی گھٹیا' اتنی ہی بے حس ہوں......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے سر جھٹکا ''ریطہ! تمہیں یاد ہے۔ جب ایک بار میں نے غزالی کے بارے میں شکوک کا اظہار کیا تھا اور تمہیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کو کہا تھا تو تم نے جواب دیا تھا کہ محبت میں تو سوچ سمجھ کا کوئی سلسلہ ہی نہیں ہوتا۔ ہم نے کہا تھا کہ ایسے فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں۔'' اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھا۔

''ریطہ! میں نے تمہیں اتنا ہی جانا' جتنا تم نے جاننے کا موقع دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم غزالی کی محبت میں دیوانی ہو اور دیوانگی کا تعلق تو کچھ سوچنے سمجھنے نہیں دیتا۔ تم تو اس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل رہی تھیں۔ جب ہی تو تمہیں اس کے راستوں کی تاریکی کا کوئی احساس نہیں تھا اور ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ تم غزالی کی کسی مصلحت کا شکار ہوئی ہو۔''

میں نے پلکیں جھپک کر ہونٹ کاٹا ''نہ غزالی کی کوئی مصلحت تھی' نہ میرا کوئی فیصلہ' یہ تو تقدیر کی کوئی زنجیر تھی جس نے اچانک ہم دونوں کو باندھ لیا تھا۔''

''آخر بات کیا ہوئی تھی ریطہ۔'' اس نے اپنائیت سے کہا'' کچھ بتاؤ تو سہی' مجھ پر اعتماد کرو۔ تم یقین رکھو کہ میں تمہارے اور غزالی کے درمیان کبھی نہیں آؤں گا۔

میں تو چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ وہ تمہیں ایک صاف ستھری زندگی دے سکے۔''

میں نے ایک طویل سانس کھینچا اور سوچنے لگی کہ بات کہاں سے شروع کروں' کیا چھپاؤں؟ اور کیا ظاہر کروں؟۔ میں یہ اقرار کرتے ہوئے ندامت محسوس کر رہی تھی کہ میں نے اس کی محبت ٹھکرا کر جسے چنا تھا وہ جرائم میں گھرا ہوا انسان تھا۔ کسی کو اس کی مجبوری کی کیا خبر تھی۔ کوئی اس پر کیوں یقین کرنے لگا کہ وہ حالات کا شکار ہوا تھا اور انجانے میں جرائم پیشہ لوگوں کا آلہ کار بن گیا تھا۔

افتی نے میرے تذبذب کو جانچ لیا اور نرمی سے کہنے لگا ''ریطہ! تم جب تک مجھے ہم راز نہیں بناؤ گی۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ مجھے بتاؤ کہ یہ سب کس طرح ہوا تو پھر ہی کوئی راستہ نکال سکوں گا۔''

افتی کی اس یقین دہانی نے مجھے حوصلہ سا دے دیا۔ میری کچھ ہمت بندھی۔ میں نے پشیمان پشیمان سے لہجے میں اسے وہ سب کچھ سنا دیا جو مجھ پر گزرا تھا۔ میں جن حالات کا شکار ہوئی تھی۔ ان کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا' جس طرح تقدیر نے مجھے مجبور و بے بس بنا دیا تھا۔ اس میں سے کچھ نہیں چھپایا اور ساری کہانی من و عن کہہ دی۔

وہ پیشانی پر شکن لئے میری بات بڑے غور سے سنتا رہا۔ اس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا اور اس نے قدرے ناگواری سے کہا ''ریطہ!!! تم نے ان کی بات پر یقین کر لیا کہ وہ تمہارا نکاح غزالی سے کر رہے ہیں؟''؟

''نہیں' میں نے پہلے تو بالکل یقین نہیں کیا پھر غزالی آیا تو اس نے بتایا کہ وہ نکاح ہی کر رہے ہیں' فارم وغیرہ سب درست ہیں'' میں نے بتایا۔

''بلڈی فول''!!! وہ غصے سے بولا ''کہیں اس طرح بھی نکاح ہوتے ہیں۔ اس کا باقاعدہ اندراج کروانا پڑتا ہے۔ بیوقوف! یہاں کے قوانین اور ہیں اور ہمارے یہاں کے اور' اور پھر ان لوگوں کو کیا پڑی تھی کہ تمہارا نکاح کرتے پھریں۔ یہاں شادی کے بندھن کی حقیقت ہی کیا ہے۔ اچھے بھلے لوگ اس سے جان چھڑا رہے ہیں۔ وہ تو جرائم پیشہ ہیں اور ریطہ! ریطہ تم پڑھی لکھی سمجھدار ہو' تم بھی اس کی باتوں میں آ گئیں۔''

اس نے بے حد پریشانی سے سر جھٹکا۔ "کہیں تم نے' کہیں تم نے!!! وہ اٹکا اور اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی اور بیکلی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

میں اس کی پریشانی کا باعث سمجھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اسے اطمینان دلانا چاہا۔

"افتی! میں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے میرے خاندان کا سر نیچا ہو۔ مجھ سے قسم لے لو افتی' کہ میں نے' میرا دامن"!!! میرے لئے بھی بات مکمل کرنا مشکل ہو گیا اور میں بھی فقرہ ادھورا چھوڑ کر چپ ہو گئی۔

افتی بہت دیر تک خاموش رہا نہ معلوم میری بات پر غور کرتا رہا یا کچھ اور سوچتا رہا' پھر اس نے قالین پہ ٹکے ہوئے میرے ہاتھ کو ہولے سے تھپتھپایا۔ "مجھے تم پر یقین ہے ریطہ' مجھے یقین ہے۔ لیکن تمہاری اس بات نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ آخر انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ اس بوگس نکاح کا ڈرامہ رچائیں۔ تمہیں اس غزالی سٹوپڈ نے بھی نہیں بتایا کہ وہ تم لوگوں سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

میں گڑبڑائی "نہیں اس بارے میں اسے بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے ناں کہ اس نے جرائم کی اس دلدل سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نکل آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی بہن کو اغوا"

"بیوقوف' احمق' پرلے درجے کا" افتی نے میری بات کاٹ دی۔ "جرائم کی دلدل میں سے بھی کوئی نکل سکا ہے اور جس قسم کے لوگوں میں وہ پھنسا ہوا ہے' ان کا جال تو دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اتنے سے دنوں میں تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کہاں کہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ برا نہ ماننا ریطہ' یہ غزالی کی خودغرضی ہے کہ اس نے اپنے ساتھ تمہیں بھی ان حالات کا قیدی بنا دیا ہے۔ جن سے نکلنا اس کے بس میں نہیں۔"

افتی کی باتیں میرے اعصاب پر چھا گئیں۔ ناامیدی اور مایوسی نے مجھے جیسے کچل کر رکھ دیا۔ میں نے سر جھکا لیا اور اپنے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچی کرچی چننے لگی۔ افتی بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر یونہی کمرے میں خاموشی سی تیرتی رہی۔ وہ پھر میرے قریب آ بیٹھا اور بولا۔

"میری بات کا برا نہ ماننا ریطہ' مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ سخت الفاظ استعمال کیے ہیں مگر کیا کروں۔ تم مجھے بے حد عزیز ہو۔ تمہیں پریشان دیکھتا ہوں تو مجھے خود پر قابو نہیں رہتا۔"

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا "افتی! بعض اوقات انسان تقدیر کے ہاتھ میں کھلونا بھی تو بن جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی شاید ایسا ہی ہوا ہے۔" اس نے میرا ہاتھ تھاما "خود کو اکیلا نہ سمجھنا ریطہ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں تمہارے لئے کروں گا۔"

میرے دل کی الجھن پھر زبان پر آ گئی۔ "افتی! تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ تم مجھے وہاں سے کیسے نکال کر لائے تھے اور اور وہ تھا بھی تو اکیلا۔"

"غزالی کے بارے میں تو مجھے بھی علم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ جب فائرنگ شروع ہوئی تو میں وہیں تھا۔ میں اسی کوشش میں تھا کہ تم لوگوں کی کچھ مدد کر سکوں۔ میں ستونوں کی آڑ لیتا۔ بالکل تم لوگوں کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ غزالی نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اسی وقت تم زخمی ہو گئیں تو وہ پسپا ہوتا ہوا پیچھے آیا۔ اسی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی طرح تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور وہ بھی وہیں پہنچنے کی کوشش کرے گا۔"

"مگر' وہ تو اب تک نہیں پہنچا" میں نے فکرمندی سے کہا۔

"تم خود سمجھدار ہو ریطہ' تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس طرح گھرا ہوا تھا اور کوئی عجب نہیں کہ وہاں پولیس بھی پہنچ گئی ہو" وہ بولا

"کہیں وہ گرفتار نہ ہو گیا ہو۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"یہ بھی ممکن ہے۔" اس نے خیال انگیز لہجے میں کہا۔

"پھر......؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پھر یہ کہ تم اس وقت آرام کرو۔ صبح میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

میں نے قدرے ہچکچا کر کہا "افتی! میں ممی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ارے! اس وقت"!!! اس نے مضحکہ خیز چہرہ بنایا۔

''نہیں' میرا مطلب ہے کل یا پھر کسی وقت'' میں نے جواب دیا۔

''کل کی بات ہے تو پھر کل ہی اطمینان سے سوچیں گے۔'' اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اٹھالیا۔ ''تم یہ ایک سکون آور ٹیبلیٹ کھاؤ اور آنکھیں بند کر کے سکون سے سو جاؤ۔'' اس نے میز کی دراز کھول کر میری ہتھیلی پر ایک مسکن دوا کی ٹکیہ رکھی اور خود گلاس میں پانی ڈالنے لگا۔

افتی کو ڈرائنگ روم میں صوفے پر سونا پڑا۔ میں اس کے بستر پر سونے کیلئے لیٹی تو مجھے اطمینان سا ہو گیا تھا۔ تحفظ کا ایک نرم گرم احساس مجھے تھپکنے لگا تھا۔ ایک موہوم سی امید بندھنے لگی تھی۔ افتی کے ہونے سے مجھے سہارا سا مل گیا تھا' نہ جانے دوا کا اثر تھا یا افتی سے بات کر کے ذہن کو کچھ سکون مل گیا تھا۔ مجھے نیند کی آس میں زیادہ جاگنا نہیں پڑا۔ میں ہولے ہولے نیند کی خاموش وادی میں اترتی چلی گئی۔

* * *

صبح بھی میں دیر تک سوتی رہی بلکہ افتی نے ہی میرا دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے بیدار کیا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آئی تو وہ ناشتہ تیار کر چکا تھا۔ اس نے میز بڑی عمدگی سے آراستہ کی تھی اور بہت سی چیزیں ناشتے میں رکھی تھیں۔

''بس اب جلدی سے آ جاؤ' پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔'' وہ مجھے صبح بخیر کہتے ہوئے بولا۔

''تمہیں کس نے کہا تھا کہ سگھڑ بیبیوں کی طرح اتنا تفصیلی ناشتہ بنانے بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا ''تم کونسا روز روز میری مہمان بنو گی۔''

''تم اتنی خاطریں کرو گے تو اس بارے میں بھی سوچنا ہی پڑے گا۔'' میں نے بھی خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

''اچھا تو آپ بھی سوچتی ہیں۔'' اس نے مذاق اڑایا۔

''اللہ میاں نے ہمیں دماغ دیا ہوا ہے جناب' آپ کی طرح اوپر کا خانہ بالکل خالی نہیں۔'' میں نے بھی اسے چھیڑا۔

اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ میری طبیعت کی پژمردگی بھی کسی حد تک زائل ہو گئی تھی۔ ناشتے میں ہم دونوں نے ہی کوئی تلخ موضوع چھیڑنے سے اجتناب برتا۔ ویسے بھی افتی کچھ جلدی میں تھا۔ اسی لئے ناشتہ بھی کچھ تیزی سے ہی کر رہا تھا۔ اس نے کافی کی پیالی خالی کر کے رکھی اور کرسی دھکیل کر اٹھا۔

''اچھا ریطہ!!! میں چلتا ہوں۔'' اس نے میری طرف دیکھا اور فکر مند سا ہو کر پھر قریب چلا آیا۔ ''اب تمہارا بازو کیسا ہے''......؟

''اوہ! مجھے خیال ہی نہیں رہا'' میں نے بھی اپنے بازو کی طرف دیکھا۔

''تم ناشتہ کر لو پھر ڈریسنگ کر لیتے ہیں۔ میں ذرا دیر سے چلا جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں' ڈریسنگ شام کو ہی کریں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کوئی حرج تو نہیں ہو گا؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔

''کچھ خیال کریں جناب' میں ایک کوالیفائیڈ نرس ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے' یہ تو مجھے یاد ہی نہیں تھا'' وہ بھی ہنس پڑا۔

''اپنی یادداشت کی خیر مناؤ'' میں نے اسے تنگ کرنے کو کہا۔

''آ کر مناؤں گا۔'' وہ گھڑی دیکھنے لگا۔ ''اچھا سنو' میں باہر سے دروازہ لاک کر جاؤں گا۔ تم آرام کرو' خراٹے لو' کتابیں پڑھو' میوزک سنو' فلم دیکھو' یا جو دل چاہے کرو۔ میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔''

''اگر غزالی آ گیا تو کہیں دروازہ لاک دیکھ کر'' میں نے کچھ ہچکچا کر اپنے دل کی بات ادھوری ہی رہنے دی۔

''وہ اتنا احمق نہیں ہے کہ دن کی روشنی میں چلا آئے۔ میرا خیال ہے وہ شام کا انتظار کرے گا۔'' وہ ہنسا ''اگر وہ مجھے کہیں راستے میں نظر آ گیا تو کان سے پکڑ کر اسے سیدھا یہاں لے آؤں گا۔'' اس نے ہولے سے میرے بال چھوئے اور مجھے خدا حافظ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے دروازہ لاک کرنے کی آواز مجھے بھی سنائی دی۔

میری پیالی میں ابھی کافی باقی تھی اور پریشان خیالی پھر مجھے گھیر لینے کو تھی۔ میں نے جلدی جلدی پیالی خالی کی اور اٹھ کر ناشتے کے برتن دھوئے۔ پھر وقت گزاری کیلئے گھر کی صفائی کرنی چاہی مگر افتی کے گھر میں تو ہر شے اس طرح اپنی جگہ پر رکھی

ہوئی تھی جیسے کسی سلیقہ مند عورت کا آئینہ سا چمکتا گھر ہو۔ اسے درست کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

افتی کے آنے میں ابھی بہت دیر تھی اور مجھے لمحہ لمحہ پہاڑ لگ رہا تھا۔ میں اس کے دو کمروں کے چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں بلامقصد گھومتی رہی۔ ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتی رہی۔ اس کی کتابیں' اس کے کیسٹ' اخبار' رسالے وغیرہ مگر وقت تھا کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں بے انتہا بوریت محسوس کر رہی تھی۔

پریشانیاں اب بھی میرے ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ غزالی کی طرف سے فکر مندی الگ تھی۔ اپنوں سے اتنا قریب آ کر انہیں دیکھنے' انہیں ملنے کو دل ہمکنے لگا تھا۔ میرا دل بے طرح چاہ رہا تھا کہ ممی سے فون پر بات کروں۔ ان کی محبت بھری مشفق آواز سنے ایک زمانہ بیت چلا تھا۔

میں اٹھ کر فون تک گئی اور سوچ سوچ کر ریسیور اٹھایا۔ میں نمبر ملا ہی رہی تھی کہ مجھے محسوس ہوا جیسے دروازے کا لاک کھلا ہے۔ میں نے گھبرا کر ریسور رکھدیا اور تشویش سے دروازے کی طرف دیکھا۔ افتی تو آفس چلا گیا تھا تو پھر اس وقت دروازے پر کون تھا۔ میں نے خود کو کسی بھی متوقع خطرے کیلئے تیار کر لیا۔

دروازہ کھلا اور مجھے افتی کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو!!! ہیلو!!! ہیلو!!!'' میری جان میں جان آئی۔ میں نے خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''افتی تم''!!! اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پیکٹ میری گود میں رکھ دیا۔ ''جی ہاں' میں آپ کو کوئی اعتراض؟''

''یہ کیا ہے؟''؟ میں نے پیکٹ ہاتھ میں لے کر کہا۔

''کپڑے ہیں' میں نے سوچا تمہارے لئے لیتا چلوں۔ ورنہ تم تو میرے کپڑوں کا حشر نشر کر ڈالو گی۔'' وہ خوش طبعی سے کہنے لگا۔

''اوہ افتی' تھینک یو' تمہیں میری وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔'' میں نے پیکٹ کھولتے ہوئے ممنونیت کا اظہار کیا۔

''ہاں' ہاں تکلیف تو بہت ہو رہی ہے۔ تمہیں ان مانگے کے بے ڈھنگے کپڑوں میں دیکھ کر جاؤ' بدلو انہیں جا کر اور اپنا حلیہ درست کرو۔ چلو' چلو اٹھو'' اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

میں اس کے خلوص کے بوجھ سے جھکی جھکی سی اس کے بیڈ روم میں آئی اور کپڑے بدلنے غسل خانے میں گھس گئی۔

کئی دنوں بعد گرم پانی کے غسل نے مجھے تروتازہ کر دیا۔ میں نے گیلے بالوں میں برش کر کے انہیں کھلا ہی چھوڑ دیا۔ کمرے میں آئی تو افتی وہاں نہیں تھا۔ میں نے کچن میں جھانکا تو دیکھا کہ وہ ایپرن باندھے بڑی تن دہی سے نہ جانے کیا پکا رہا تھا۔

''افتی! یہ کیا کام شروع کر دیا ہے تم نے؟'' میں نے اس کے برابر آ کر دیگچی میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''یہ جناب لنچ کا سامان ہو رہا ہے'' وہ دیگچی کو ڈھک کر مڑا اور اس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی۔ ''بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

''شکریہ'' میں نے جواباً کہا۔

''چلو آؤ' کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں' باتیں کریں گے۔'' وہ میرے شانوں کے گرد اپنا بازو لپیٹ کر مجھے کمرے میں لے آیا۔

میری نگاہ فون پر پڑی تو میں نے افتی سے کہا۔ ''تم جس وقت آئے ہو ناں' میں ممی کو فون کرنے ہی والی تھی۔''

''آنٹی کو فون؟'' اس نے دوہرایا۔

''کیوں' ممی کو' افتی! میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں! میں انکی آواز سننا چاہتی ہوں۔ وہ' وہ مجھے بہت یاد آتی رہی ہیں۔''

میرا لہجہ جذباتی سا ہو گیا۔

وہ میرے گیلے بالوں میں سے ٹپکتے ہوئے پانی کے قطرے کو اپنی انگلی پر لیتا ہوا چند لمحے سوچتا رہا' پھر سر اٹھا کر بولا ''ربطہ' کیا تم نے یہ طے کر لیا ہے کہ تم انہیں کیا بتاؤ گی کہ تم کہاں سے بول رہی ہو۔ تم اتنے دنوں سے کہاں غائب ہو۔ تم نے اچانک گھر کیوں چھوڑ دیا تھا۔''

''اوہ!!! میں نے یہ سب تو سوچا ہی نہیں تھا۔'' میں نے تاسف سے کہا۔

''دراصل میرا دل ان سے بات کرنے کو چاہ رہا تھا اور بس' اس کے علاوہ تو مجھے کچھ

سوجھا ہی نہیں۔''

''میں تمہاری کیفیت سمجھتا ہوں ربطہ'' وہ بولا ''لیکن اتنا سوچ لو ربطہ کہ جس قسم کے حالات میں تم گھری ہوئی ہو۔ کیا ممی کو اس میں شریک کرنا مناسب ہوگا۔''

میں نے پریشانی سے سر جھکا لیا۔ میں جانتی تھی کہ ممی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ میں یوں جرائم پیشہ لوگوں سے انجانے میں رشتہ استوار کر لوں گی۔ میرے پاس ان کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا' نہ اپنے کسی فعل کا جواز' انہوں نے تو مجھے ہمیشہ اچھے برے کا فرق سمجھایا تھا۔ مجھے روشنی اور اندھیرے میں تمیز کرنا سکھایا تھا لیکن میں انجانے میں کہاں سے کہاں نکل گئی تھی۔

میں ان کا سامنا کرنے کے قابل ہی کب تھی۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ ان کی شفقتوں کو سمیٹوں ان کی ممتا کو امتحان میں ڈالوں۔ میری آنکھوں سے دو آنسو ڈھلکے اور میرے رخساروں پر بہہ گئے۔ جن میں حسرتیں گھلی ہوئی تھیں۔

افتی نے میرا ہاتھ تھپتھپایا۔ ''تمہیں ضبط سے کام لینا ہوگا ربطہ! ابھی کچھ پتہ نہیں کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ غزالی سے کوئی رابطہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اور تم خود بھی حالات کا تجزیہ کر کے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرو کہ تمہیں کونسا راستہ چننا ہے؟ تمہیں کیا مستقبل چاہیے؟''

وہ اتنا کہہ کر اٹھا اور کچن کی طرف چلا گیا اور میں اس کے لفظوں کی بازگشت میں الجھ کر رہ گئی۔ زندگی جیسے بھول بھلیوں میں بھٹک رہی تھی۔ کچھ واضح نہیں تھا کہ کون سا راستہ منزل کی طرف جاتا ہے۔ مستقبل ایک بھیانک خواب کی طرح نظر آتا تھا۔ جس کی خوفناک تعبیر کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اپنے دل میں جھانکا۔ غزالی اب بھی میری تمناؤں کا محور تھا۔ اس کی پریشانیوں' اس کے دکھوں اور اس کی مشکلات نے مجھے اس سے کچھ اور قریب کر دیا تھا۔ اس تصور نے اس کے ساتھ وابستگی کو کچھ اور مضبوط کر دیا تھا کہ وہ بھٹکا ہوا انسان میری خاطر سیدھے راستے پر چلنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی دنیا چھوڑ کر میری دنیا میں آنے کیلئے کتنی آزمائشوں سے گزر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنا بنانے کیلئے اپنا سب کچھ چھوڑنے پر تیار تھا۔

میں اس پر دل کے دروازے بند نہیں کر سکتی تھی۔ میں اس کا بڑھا ہوا ہاتھ نہیں جھٹک سکتی تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں آس کے جلتے چراغوں کو پھونک مار کر نہیں بجھا سکتی تھی۔

''ربطہ!!! ربطہ!!!'' مجھے افق کی آواز نے چونکا دیا۔ وہ شاید کچن میں سے مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے دیوار پر لگے کلاک میں ٹائم دیکھا' کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ شاید وہ اسی لئے بلا رہا تھا۔

میں اٹھ کر کچن میں پہنچی تو دیکھا کہ وہ لنچ کیلئے میز لگا رہا ہے۔

''آیئے جناب' آپ کا کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔'' اس نے خوش دلی سے کہا اور میرے بیٹھنے کیلئے کرسی کھینچ کر باہر نکالی۔

میں نے میز پر نگاہ ڈالی۔ ''افق! تم نے تو کمال کر دیا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم کھانا پکانے میں اتنے ماہر ہو۔''

''شکریہ! شکریہ!!'' وہ آداب کرتا ہوا بولا۔ ''محترمہ' ابھی تو ہمیں اپنی پوری مہارت دکھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''اچھا!!!'' میں نے مصنوعی حیرت سے کہا ''کہیں تم نے کوکنگ کی کلاسیں تو جائن نہیں کر لیں۔''

''کیا کریں جناب' نہ ماں نہ بہن' نہ کوئی اور خیال کرنے والا' چاہنے والا رشتہ' تو پھر ہم نے خود ہی کوئی انتظام کرنا تھا ناں۔'' اس کے مزاحیہ لہجے میں محرومی چھپی تھی۔

میں اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے پائی۔ میں اپنے آپ ہی مجرم سی بن گئی تھی۔ میں نے اس کی توقعات کا پاس نہیں کیا تھا۔ اس کے خوابوں کو ادھورا ہی رہنے دیا تھا۔ میں دھیان بٹانے کو کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

افق نے فضا کے بوجھل پن کو کم کرنے کیلئے کہا ''تکلف نہ کرنا ربطہ' بس اب شروع ہو جاؤ۔''

''تم نے اتنی محنت سے پکایا ہے تو اس کے ساتھ انصاف تو کرنا ہی پڑے گا۔'' میں نے اپنی پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے کہا۔

اسی وقت دروازے پر گھنٹی بجی۔ میں نے چمچہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فکر مندی سے افق کی طرف دیکھا۔ وہ بھی بدمزہ ہوا۔

''کیا مصیبت ہے یار' یہ اس وقت کون احمق آ گیا ہے۔ یہاں تو سب کو پتہ ہے کہ میں اس وقت گھر پر نہیں ہوتا۔'' اس نے لقمہ پلیٹ میں چھوڑ دیا اور کرسی دھکیل کر اٹھا' پھر چلتے چلتے رک گیا اور میری طرف پلٹ کر بولا۔

''تم یہیں رہنا' کوئی ایسی ویسی بات یا گڑبڑ محسوس کرو تو فوراً نیچے بیسمنٹ میں چلی جانا اور چھپنے کی کوشش کرنا۔''

میں نے اپنی گھبراہٹ اس پر ظاہر کئے بغیر کہا ''ٹھیک ہے' تم فکر نہ کرو۔ میں خیال رکھوں گی۔''

وہ کچن سے باہر نکل گیا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی نہیں رہ سکی۔ میں نے دروازے کی طرف کان لگا دیئے۔ مجھے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی پھر افق نے کسی کو اندر آنے کیلئے کہا۔ مجھے قدرے اطمینان ہوا کہ کوئی خطرے والی بات نہیں تھی۔ یقیناً وہ کوئی افق کا ملنے والا ہی تھا۔ جب ہی تو اس نے اسے اندر بلایا تھا۔

میں پھر اپنی نشست پر بیٹھ گئی اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی کہ افق اسے اس طرف لاتا ہے یا نہیں۔ دروازہ بند ہوا اور مجھے افق کی آواز سنائی دی۔

''ربطہ!!! ربطہ!!! دیکھو تو کون آیا ہے؟''

میں لپک کر اپنی نشست سے اٹھی۔ پہلا خیال جو میرے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ کہیں غزالی تو نہیں آ گیا۔ میرے دل میں جوش محبت سے ایک ہیجان سا بپا ہو گیا۔ میں تیز قدموں سے ابھی کچن کے دروازے پر ہی پہنچی تھی کہ افق مجھے دہلیز پر ہی مل گیا۔ اس کے پیچھے غزالی تھا۔

میں خوشگوار حیرت سے ساکت سی ہو کر اس کی طرف دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ افق نے میری آنکھوں کے سامنے اپنا ہاتھ لہرایا۔ ''ہوش میں آ جاؤ ربطہ' یہ غزالی ہی ہے۔''

میں چونک گئی اور بے ساختہ اس کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے تھام لیا۔

"اوہ!!! غزالی! مجھے یقین نہیں آ رہا۔" میں نے خوشی سے لرزتے ہوئے کہا۔

"چلو اسے معجزہ ہی سمجھ کر یقین کر لو" وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

میں پھر بھی بے یقینی سے اس کا چہرہ تکتی رہی اور والہانہ لہجے میں اس سے پوچھنے لگی "غزالی! تم ٹھیک تو ہو ناں، سچ سچ بتاؤ"!!!

"بالکل ٹھیک ہوں۔ اے ون" وہ بولا

مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا وہ ایک بڑا چسٹر پہنے ہوئے تھا اور اس کے بال اور چہرے کا کچھ حصہ ابھی تک مفلر میں چھپا ہوا تھا۔

اس نے میرے بال سنوارے "مجھے اندر تو آنے دو ریطہ، یا یہیں کھڑا رکھو گی۔ میں چونک کر جیسے اپنے حواسوں میں آ گئی۔ مجھے افق کی موجودگی کا احساس ہوا تو میں شرمندہ سی ہو کر غزالی سے علیحدہ ہو گئی۔

وہ اندر آیا اور میز پر نگاہ ڈال کر بولا "آہا، یہاں تو کھانا کھایا جا رہا تھا۔ میں کتنے صحیح وقت پر آیا ہوں۔"

"درست فرمایا آپ نے، آپ بالکل صحیح وقت پر آئے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے۔"

افق نے ایک اور کرسی اس کے لئے گھسیٹی۔

"بس ہم ابھی کھانا شروع کرنے ہی والے تھے کہ تم نے گھنٹی بجا دی۔" میں نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"غزالی صاحب، بسم اللہ کیجئے۔ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں۔" افق نے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ! افق صاحب۔" غزالی نے متاثر ہو کر کہا۔ "آپ بہت ہی اچھے انسان ہیں۔"

"جناب اگر آپ خوشامد نہ بھی کریں تو بھی یہ آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔" افق نے مزاحیہ انداز میں کہا اور اصرار کر کر کے ہمیں کھلانے لگا۔

میری تو خوشی سے بھوک ہی اڑ گئی تھی لیکن میں افق کے خیال سے تھوڑا بہت

برائے نام ہی کھاتی رہی۔ غزالی بھی کچھ الجھا ہوا سا لگتا تھا۔ وہ بھی ٹھیک طرح سے کھانا نہیں کھا رہا تھا۔

افق نے ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ "بھئی تم لوگ کھانا تو کم کھا رہے ہو اور کھانا کھانے کی اداکاری زیادہ کر رہے ہو۔"

مجھے اس کی بے ساختگی پر ہنسی آ گئی۔ غزالی جلدی سے بولا "نہیں، نہیں افق صاحب میں تو بالکل ٹھیک طرح سے کھا رہا ہوں۔ کھانا بھی بہت اچھا ہے۔"

چلیئے آپ کہتے ہیں تو ہم بھی مان لیتے ہیں" افق بولا "لیکن یہ ریطہ کی بچی تو بالکل نہیں کھا رہی۔ خوشی کے مارے اس کی تو بھوک اڑ گئی ہے۔"

مجھے برابر ہنسی آئے چلی جا رہی تھی کہ میرے دل کی بات کس طرح افق کی زبان پر آ گئی تھی۔ "آپ کی عنایت ہے افق صاحب کہ ہم یہاں اس چھت تلے اکٹھے ہیں۔" غزالی نے اظہار ممنونیت کیا۔

"نہیں جناب، آپ تکلف وغیرہ بالکل نہ فرمائیں۔ یہ چھت آپ کی اپنی ہے۔ ریطہ کے ناطے سے آپ بھی مجھے عزیز ہیں۔" وہ خوش اخلاقی سے کہنے لگا۔

افق کے دل کی بیکراں وسعتوں نے میرے دل کو جھکا دیا۔ میری پلکیں بھیگ سی گئیں۔

ہم تینوں ہی کھانا ختم کر چکے تھے۔ افق اٹھ کر برتن سمیٹنے لگا تو میں بھی اس کی مدد کرنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم رہنے دو، مہربانی کرو۔" وہ بولا

"نہیں، نہیں، افق صاحب اب آپ بھی تکلف نہ کریں اور ہمیں بھی اپنے ساتھ کام کرانے دیں" غزالی بھی اپنی جگہ سے اٹھا۔

افق نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "غزالی صاحب آپ کو کوئی جلدی تو نہیں ہے ناں فی الحال آپ یہیں ہیں ناں۔"

"جی ہاں، فی الحال" غزالی نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔

افق نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ "جتنا بھی آپ کے پاس وقت ہے۔ آپ نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔ تب تک میں یہ کام ختم کر لوں گا۔"

میں نے غزالی کی طرف دیکھا۔ اس کے بال الجھے ہوئے اور گندے تھے۔ شیو بڑھا ہوا تھا اور چہرہ بھی دھلا ہوا نہیں لگتا تھا۔ وہ کچھ دیر افتی کی بات پر غور کرتا رہا، پھر قدرے عجلت سے بولا ''آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں، پھر نہ جانے کب نہانا نصیب ہو۔ آپ کا واش روم کدھر ہے؟''

''جاؤ ریطہ، غزالی صاحب کو واش روم کا رستہ دکھاؤ اور ہاں انہیں میرے کپڑے نکال دینا'' افتی نے مجھ سے کہا۔

میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ اس نے اپنا بھاری بھرکم چسٹر اتارا۔ اس کے کپڑے گندے اور میلے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں ان پر خون کے دھبے بھی تھے۔ میں پریشان تو ہوئی کہ کہیں وہ زخمی تو نہیں لیکن میں ازخود کوئی بات شروع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ وہ خود مجھے اس کے بارے میں بتائے۔ اسی لئے میں افتی کی الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

یکا یک غزالی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور میرے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر والہانہ جذبوں سے تپتے ہوئے لہجے میں بولا ''اوہ ریطہ! ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں تقدیر نے ایک دوسرے کیلئے محفوظ رکھا ہے۔'' اس نے بے ساختہ جھک کر میری پیشانی کو اپنے ہونٹوں سے چھو دیا۔ میں اس کی چاہتوں میں کھو کر ایک بار پھر سب کچھ بھول گئی۔

وہ باتھ روم میں چلا گیا اور میں پلٹ کر کچن میں آئی۔ افتی برتن دھو چکا تھا۔ اس نے بہت گہری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی۔ ''ریطہ! تمہارے گالوں پر گلاب کھلے ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں ستارے چمک رہے ہیں۔ غزالی نے لمحے بھر میں تمہیں کتنا خوبصورت بنا دیا ہے۔''

میں بری طرح جھینپ گئی۔ مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں بولا گیا۔ میں اس سے نگاہیں چرا کر دھلے ہوئے برتنوں کو خشک کرنے لگی۔

وہ خشک ہو جانے والے برتن اٹھانے کیلئے چند قدم قریب آیا۔ میں نے خود کو کچھ اور مصروف ظاہر کیا۔ مجھ میں اس سے نگاہیں چار کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ اس نے میرے شانے کو چھو کر مجھے متوجہ کیا۔

''ریطہ......''

''ہوں......'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ریطہ! میں ایک بات کہوں، تم برا تو نہیں مانو گی۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''اس طرح کیوں کہہ رہے ہو افتی، میں نے کبھی تمہاری بات کا برا مانا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم جذبات کی دنیا میں رہتی ہو۔ تمہیں حقیقت کی تلخی ناگوار گزرے گی۔ کہیں تم کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو جاؤ۔'' وہ جیسے تمہید باندھنے لگا۔

''اب کہہ بھی دو ناں، اتنی تمہید کیوں باندھ رہے ہو۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔

''ریطہ! تم غزالی سے دوٹوک بات کر لینا کہ اس کا مستقبل کیا ہے؟ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ تمہیں ایک صاف ستھری زندگی دے سکے گا یا نہیں؟ دیکھو ریطہ جب انسان محبت کرتا ہے تو وہ صرف جذبات میں جیتا ہے۔ اس وقت اسے زندگی کی تلخ حقیقتیں یاد بھی نہیں آتیں۔'' اس نے تھوڑا توقف کیا اور گہری سانس لے کر کہا مجھے اندازہ ہے کہ غزالی تمہارے لئے کیا ہے؟ لیکن اسے اس قابل تو ہونا چاہیے کہ تم فخر سے سر اٹھا کر اس کا نام لے سکو۔''

اس کے لفظوں نے مجھے سن کر دیا۔ میں جواب سے چند لمحے پہلے غزالی کی محبت کے نشے میں ڈوب کر سب کچھ فراموش کر چکی تھی۔ جھرجھری سی لے کر حقیقت کی تلخ دنیا میں لوٹ آئی۔ مجھے وہ اندھیرے، وہ سیاہیاں یاد آئیں، جن سے گزر کر میں یہاں تک پہنچی تھی۔ مجھے ان تاریکیوں کا خیال آیا جو غزالی کی دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ میرا ذہن ماؤف سا ہو گیا۔ میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ جسے میں خشک کر رہی تھی میرے ہاتھ سے پھسل گئی۔

افتی نے آگے بڑھ کر اسے زمین پر گرنے سے پہلے ہی ہوا میں دبوچ لیا۔

''دیکھ کے جناب، آپ کیوں میری کراکری کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔'' افتی نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''کون' کس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔'' کچن کے دروازے پر غزالی کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ نہا کر تازہ دم ہو گیا تھا اور ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے افتی کے کپڑے بالکل صحیح آئے تھے۔

''افتی صاحب' ان کپڑوں کیلئے بہت شکریہ'' غزالی نے اظہار تشکر کیا۔

''یہ آپ پر بہت اچھے لگ رہے ہیں۔'' افتی نے جواب دیا۔

اس نے افتی کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔''افتی صاحب! یہ کتنی خوبصورت بات ہے کہ ہمارے پاس آپ جیسا اچھا دوست ہے۔ کیوں ربطہ! ہے ناں''!! غزالی نے پرستائش لہجے میں کہا۔

میں نے غیر ارادی طور پر سر ہلایا لیکن میرا ذہن کسی اور ہی کشمکش کی زد میں تھا۔ افتی کے کہے ہوئے لفظوں نے میری سوچوں کو ایک اور ہی زاویہ دے دیا تھا۔ میں اپنے اندر نگاہ ڈالتی تھی تو مجھے ہر طرف غزالی ہی نظر آتا تھا لیکن میرے من سے ادھر غزالی کو دیکھنے والی آنکھیں اسے اس طرح نہیں دیکھ سکتی تھیں جس طرح کہ میں دیکھتی تھی۔ میں الجھتی جا رہی تھی۔ میرے لئے حقیقت اور خواب میں توازن رکھنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

افتی نے برتن اسٹینڈ پر رکھے اور بولا ''اچھا بھئی' میں ذرا باہر جا رہا ہوں آپ لوگ آرام کریں۔ گپ شپ لگائیں یا جو دل چاہے کریں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ میں باہر سے دروازہ لاک کر جاتا ہوں کیوں غزالی صاحب۔''

''آپ کی بڑی نوازش ہے افتی صاحب' میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا کہ آپ نے ربطہ کی زندگی بچائی ہے۔ آپ نے ربطہ کو محفوظ نہیں رکھا مجھے نئی زندگی دے دی ہے۔ میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتا۔''

''ارے آپ تو مبالغے پر اتر آئے ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔'' افتی نے خوشگواری سے کہا۔

''افتی صاحب! اب مجھے اجازت دیجئے۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔'' غزالی نے اپنا بڑا چسٹر پہنتے ہوئے کہا۔

''تم جا رہے ہو؟''؟ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں''!!! اس نے اثبات میں سر ہلایا۔''تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔ میں تمہیں لینے ہی تو آیا ہوں۔'' غزالی نے یہ کہہ کر مجھے لمحے بھر کو ساکت ہی تو کر دیا۔

افتی کی باتوں نے مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ متذبذب کر دیا تھا۔ میرا ذہن اس مسئلے پر الجھ سا گیا تھا۔ مجھے غزالی پر اعتماد کرنے کیلئے یقین دہانی کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔

غزالی نے بھی شاید میرے چہرے پر لکھے تذبذب کو پڑھ لیا اور متفکر سے لہجے میں بولا۔ ''ربطہ! کیا تم میرے ساتھ نہیں جانا چاہتی؟''؟ اس کی آواز کسی متوقع محرومی کے اندیشے سے لرز گئی تھی۔

میں پشیمان سی ہو گئی۔ مجھے اپنی خودغرضی پر ندامت ہوئی۔ جب وہ آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر میری خاطر یہاں تک آ گیا تھا تو میں اس کا ساتھ دینے میں پس وپیش کر رہی تھی۔

اس کی ایک نگاہ سے ہی میرے روئیں روئیں میں اس کی دیوانی محبت لاتعداد شفاف چشموں کی طرح پھوٹ نکلی جس نے میرے انگ انگ کو شرابور کر دیا۔ میں نے جذبات سے تپتے ہوئے لہجے میں کہا ''نہیں غزالی! ایسا کبھی نہ سوچنا' میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہمیشہ' ہر وقت''!

''بس پھر ابھی چلتے ہیں۔ تم افتی صاحب سے اجازت لے لو۔'' غزالی نے اپنا میلا مفلر لپیٹتے ہوئے کہا۔

میں نے افتی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اترا اترا سا تھا۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہا تھا۔ مجھے احساس تو ہوا کہ میں افتی کی ساری باتیں بھول گئی ہوں اور ایک بار پھر اپنے سارے رشتے چھوڑ کر غزالی کی محبت کی ڈور میں بندھ گئی ہوں۔ میں ابھی گومگو کی کیفیت میں ہی تھی کہ وہ از خود بول اٹھا۔ ''میری دعائیں تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔ میرے گھر کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے ہیں۔ میں ہر وقت ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں۔'' اس کے لہجے میں کوئی دکھاوا یا نمائش نہیں تھی۔ اس کے خلوص کی گرمجوشی کو ہم دونوں نے محسوس کیا۔ میری پلکیں بھیگ گئیں۔ غزالی نے متاثر ہو کر اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

”افتی صاحب! آپ نہیں جانتے کہ آپ کے اس خلوص نے ہمیں کتنا اعتماد بخش دیا ہے۔ اب ہم زیادہ حوصلے کے ساتھ مشکلوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔“

”میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔“ افتی نے اپنے شانے پہ رکھے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا اور میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال تھے لیکن اس کے ہونٹوں پر ایسی خاموشی تھی جیسے کچھ کہتے کہتے رک گیا ہو۔

غزالی نے اس سے مصافحہ کیا اور مجھ سے بولا ”چلو ریطہ! اب افتی کو الوداع کہنے کا وقت ہے۔“

ایک انجانی سی کشش میرے دامن سے لپٹنے لگی۔ ایک نامعلوم سے جذبے نے میرا آنچل تھاما' میں اپنی آنکھوں میں آ جانے والے آنسوؤں کو نہیں روک سکی اور باوجود کوشش کے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائی۔

غزالی نے میرا ہاتھ تھاما ”دل چھوٹا نہ کرو ریطہ' زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی افتی صاحب سے ملاقات ہو ہی جائے گی۔“

افتی ہمیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔ غزالی دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ میں اس کے پیچھے تھی۔ میں نے چلتے چلتے پلٹ کر ایک بار افتی کی طرف دیکھنا چاہا لیکن میری ہمت نہیں پڑی اور میں چپ چاپ افتی کی دہلیز سے باہر آ گئی۔

⁂ ⁂ ⁂

غزالی جیسے بہت جلدی میں تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا لمبے لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔ میں پریشانیوں میں گھری کچھ نیم جان سی ہو رہی تھی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس کی رفتار کا ساتھ دیتے دیتے میرا سانس پھولنے لگا۔ میں اس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

”غزالی! کہاں جا رہے ہو۔ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔“

”تم دعا کرو ریطہ' کہ میں دھنک کو جہاں چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہ وہاں خیریت سے ہو۔ دھنک کو لے کر ہم فوراً یہ ملک چھوڑ دیں گے۔“ اس نے دبی زبان سے کہا۔

”یہ ملک چھوڑ دیں گے۔“ میں نے حیرت سے دوہرایا۔

”ہاں' میں نے سب انتظام کر لیا ہے۔ ہم راستے میں تھوڑا بہت رکتے ہوئے اپنے ملک چلے جائیں گے اور انشاءاللہ وہاں ہمیں یہ دربدری کی زندگی نہیں گزارنا پڑے گی۔ ہم نئے سرے سے آغاز کریں گے۔ یہ سب کچھ یہیں پر چھوڑ جائیں گے۔“ اس کے لہجے میں امید کی خوشی کا عکس تھا۔

مجھے بھی اپنے ملک کے خیال سے ایک انجانے تحفظ کا احساس ملا۔ یوں جیسے وہاں کوئی اپنا ہمارے لئے اپنے نرم گرم بازو کشادہ کیے ہوئے ہو۔ حالانکہ اپنے ملک کے بارے میں میں جو کچھ جانتی تھی وہ میں نے ممی کی زبانی ہی سنا تھا۔ میں ابھی گود میں ہی تھی۔ جب میرے والدین یہاں آن بسے تھے' مگر میں نے ممی کے انداز میں' انکے لہجے میں اپنے ملک کیلئے ایک تڑپ' ایک کشش محسوس کی تھی۔ وہ ہمیشہ کہتی تھیں کہ انہیں سب کچھ سمیٹ کر بالآخر اپنے ملک' اپنی دھرتی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہی جذبہ میرے احساس میں بھی کہیں جاگتا تھا۔ غزالی کے منہ سے اپنے ملک کا نام سن کر جیسے مجھے یقین سا آ گیا کہ جب ہم اپنی مٹی پر قدم رکھیں گے تو ہم محفوظ ہوں گے۔ اس تصور نے میرے قدموں میں خودبخود تیزی پیدا کر دی۔ میرا پژمردہ من کھل اٹھا۔ افتی کی باتوں سے میرے اندر جو ایک جھجک اور تذبذب سا پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر غزالی کی محبت میں مدغم ہو کر کافور ہو گیا۔ میں نے غزالی کا بازو تھامتے ہوئے کہا ''غزالی! تم دھنک سے ملے ہو؟ وہ ٹھیک تو ہے ناں۔''

اس نے ایک آہ سی بھری ''نہیں ریطہ! اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔ ان الو کے پٹھوں نے اسے پاگل کر دیا ہے۔ میرا جی تو چاہتا ہے کہ ان سے اپنے سارے زخموں کا حساب گن گن کر لوں لیکن!!! ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری زندگی چاہیے اور میں ریطہ''!!! اس نے میرا ہاتھ تھام لیا ''میں اپنی زندگی تمہارے نام کر چکا ہوں۔ میں اسے انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا۔ میں نے جو وعدے کیے ہیں میں انہیں سچ کروں گا۔ ہاں میں انہیں سچ کروں گا۔'' اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں بھینچ لیا۔

وہ کوئی سواری نہیں لے رہا تھا بلکہ پیدل ہی بازار کی بھیڑ میں سے گزرتا' نسبتاً کم آباد گلیوں میں سے ہوتا ایک نامانوس راستے سے ایک چھوٹے سے پارک میں داخل ہوا اور ایک دور دراز تنہا گوشے میں ٹھہر کر اس نے مجھے پتھر کے ایک بنچ پر بیٹھنے کیلئے کہا۔

میں اتنی دیر غیر معمولی تیز رفتاری کے ساتھ چلتے چلتے تھک گئی تھی۔ پھر غیر یقینی حالات نے میرے اعصاب کو چکنا چور کر دیا تھا۔ میں ہانپ کر اس بنچ پر بیٹھ گئی۔ غزالی ایک درخت کے تنے سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ بھی چپ تھا اور میں بھی' وہ نہ جانے کس سوچ میں کھویا ہوا تھا اور میری پریشان خیالی مجھے کچھ بھی سوچنے نہیں دے رہی تھی۔ پارک کے اس گوشے میں کوئی خاص رش نہیں تھا۔ البتہ دور سے کھیلتے ہوئے بچوں کا شور سنائی دے رہا تھا جو اس دم گھٹنے والی خاموشی میں کچھ اتنا برا نہیں لگ رہا تھا۔

نہ میں نے کوئی بات کی نہ غزالی نے کوئی ذکر چھیڑا' یوں جیسے ہمارے پاس

بات کرنے کو کوئی موضوع ہی نہیں رہا تھا' یا ہم ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی ایسا ذکر نہ آ جائے جو ہماری ہمتوں کو توڑ دے۔ ہماری امیدوں کے چراغ کو پھونک مار دے۔

غزالی بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے کسی کا انتظار ہو پھر وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا اور پارک کے گیٹ کی طرف نکل گیا۔ میں بھی بیٹھی بیٹھی اکتا گئی اور اٹھ کر پھولوں کی کیاریوں میں نئے کھلنے والے شگوفوں کو تلاش کرنے لگی۔

غزالی واپس آ گیا اور میرے قریب آن کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر فکر اور تردد تھا۔

''غزالی! کس کا انتظار کر رہے ہو۔'' میں نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''ان لوگوں کو دھنک کو یہاں لے کر آنا تھا۔'' اس نے پھر گھڑی دیکھی۔ ''آدھا گھنٹہ اوپر ہو گیا ہے۔''

میں بھی پریشان ہوئی۔ ''کن لوگوں کے ساتھ آئے گی دھنک؟''

''ہیں کچھ میرے اعتبار کے آدمی' ان ہی کے ذریعے تو میں نے دھنک کو اس چنگل سے نکالا ہے۔'' وہ بولا

''کہیں راستے میں کسی ٹریفک بلاک میں نہ پھنس گئے ہوں۔'' میں نے قیاس آرائی کی۔

''نہیں' نہیں' انہیں تو پیدل یہاں آنا ہے۔ میں نے اسی خیال سے انہیں یہاں بلایا تھا کہ اگر وہ پیچھا کر رہے ہیں تو انہیں مشکل پڑے۔ یہاں قریب ہی جنگل ہے۔ ہم وہاں چھپ سکتے ہیں۔'' وہ کافی پریشان تھا۔

''اگر تمہارے پاس ان کا نمبر ہے تو کسی ٹیلیفون بوتھ سے فون کر کے پتہ تو کرو۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''ہوں''!!! اس نے سر ہلایا۔ ''ایسا کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ انہیں اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کہیں خدانخواستہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''بری باتیں نہ سوچو غزالی' اللہ بہتر کرے گا۔ تم جلدی سے فون کر کے آؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کرتی ہوں۔'' میں نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ حالانکہ میں خود بھی گھبرا رہی تھی۔

"اچھا، میں چلتا ہوں۔" اس نے چلتے ہوئے کہا لیکن پھر پلٹ آیا۔

"ربطہ! تم بھی چلو میرے ساتھ، میں اب تمہیں گنوانے کا رسک نہیں لے سکتا۔ اگر فون پر بات ہو جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر وہیں جا کر پتہ کرنا پڑے گا۔"

"نہیں غزالی! میرا خیال ہے مجھے یہیں رہنا چاہیے۔ فرض کرو اگر وہ لوگ یہاں آ جاتے ہیں تو میں انہیں روک لوں گی۔" میں نے کہا۔

"اوہ!!! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اگر وہ یہاں آ گئے تو تم انہیں روک لینا۔ میں ابھی فون کر کے آتا ہوں۔" اس نے چٹکی بجائی اور تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

اور مجھے جیسے سولی پہ ٹنگا چھوڑ گیا۔ مجھے یہ تھوڑا سا وقت صدیوں کی طرح بھاری محسوس ہوا۔ ہر لحظہ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا۔ گیٹ کی طرف دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں پتھرا گئیں مگر مجھے دھنک کی صورت نظر نہیں آئی۔ میں بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

غزالی بہت جلد واپس آ گیا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا

"ربطہ! وہاں کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔ مجھے ڈر ہے کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" اس نے آتے ہی پریشانی سے کہا۔

"پھر......؟" میں بھی متفکر ہوئی۔

"پھر چل کر دیکھتے ہیں۔" وہ اپنی جیب میں پستول ٹٹول کر بولا۔

چلو میں بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔

وہ پارک کے عقبی دروازے میں سے نکلا۔ جہاں درختوں کا ایک ذخیرہ اور ساتھ ساتھ چلتا ہوا برساتی نالا تھا۔ مجھے نرم زمین پر چلتے ہوئے بے حد الجھن ہو رہی تھی۔ جگہ جگہ گھاس اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ پاؤں اس میں ڈوب جاتا تھا۔ مجھے اس میں سانپ اور زہریلے کیڑے سرسراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

غزالی نے میرا بازو تھام لیا "ربطہ! ڈرو نہیں۔ اس گھاس میں کچھ نہیں ہے۔ یہ راستہ کچھ لمبا ہے مگر ہمارے لئے یہی محفوظ ہے۔"

مجھے قدرے اطمینان ہوا کہ یہاں حشرات الارض کے علاوہ خطرات کم

تھے۔ ہم خاموشی سے بہتے ہوئے نالے کے ساتھ چلتے رہے۔ ساری فضا سنسان تھی۔ صرف ہمارے قدموں کی ہلکی سی چاپ اور کہیں کہیں کسی پرندے کے بولنے کی نامعلوم سی آواز سنائی دیتی تھی۔

گھنے درختوں نے روشنی کا راستہ جگہ جگہ سے روک لیا تھا۔ اس نیم تاریک خاموش فضا میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم قدیم تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے وہ ذی روح ہیں جو خطرات سے کھیل کر کسی نئے خطے کو بسانے کی آرزو میں سفر کر رہے ہیں۔

اس سیلن زدہ ہرے خطے سے نکلتے نکلتے بھی ہمیں کافی وقت لگا۔ سامنے مکانوں کی ایک قطار کا پچھلا حصہ نظر آ رہا تھا۔ غزالی نے ایک گھر کے پچھواڑے کھلنے والے چھوٹے سے دروازے پر دستک دی۔ ہم کچھ دیر جواب کا انتظار کرتے رہے مگر آہٹ نہیں ہوئی۔ تھوڑے توقف کے بعد غزالی نے پہلے سے زیادہ زور سے دستک دی اور بار بار دی' مگر گھر کے اندر جیسے گہرا سکوت طاری تھا۔ ساتھ والے گھر کی کھڑکی کھلی اور ایک بڑی بی نے جھانک کر ناگواری سے کہا "تم مرکزی دروازے سے گھنٹی کیوں نہیں بجاتے۔ یہاں کھڑے دروازہ توڑ رہے ہو' اور دوسروں کے آرام میں خلل ڈال رہے ہو۔"

"میرا خیال ہے دوسری طرف سے ہی جانا پڑے گا۔" غزالی نے کہا اور اس بوڑھی عورت کو ہاتھ ہلاتا ہوا سامنے کی طرف نکل آیا۔

وہ معمولی درجے کا ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ غزالی گھنٹی بجانے کیلئے آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے ہی ٹھٹک گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا وہ افراتفری میں دوڑ کر اندر داخل ہوا۔ میں بھی اس کے پیچھے تھی۔ اندر دونوں کمروں کے دروازے چوپٹ کھلے تھے۔ سامان یہاں وہاں بکھرا ہوا تھا۔ کچھ کرسیاں اور اسٹول لڑھکے ہوئے تھے اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

غزالی نے دیوانوں کی طرح سارے گھر کا چکر لگایا لیکن وہاں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ اس نے تاسف سے سر پیٹ لیا اور مٹھیاں بھینچتا ہوا بولا "وہ لوگ لے گئے اس کو' وہ اس کو لے گئے۔ اف میرے خدا"!!!

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نا امیدی اور مایوسی کی دلدل میں دھنستی چلی گئی۔ منزل ایک بار پھر ہمیں چھو کر گزر گئی تھی۔ ایک بار پھر کبھی نہ ختم ہونے والا سفر شروع ہو گیا تھا۔

''یہ تو بہت برا ہوا ہے غزالی۔'' میں دکھ اور صدمے سے روہانسی ہو گئی۔

''اوہو!!! یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو گیا......؟'' اس نے میری بات سنی ہی نہیں۔

وہ بار بار تاسف سے سر جھٹک رہا تھا۔ اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔ وہ بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹتا ہوا اپنے بال نوچ رہا تھا۔

اچانک غسل خانے کے دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ میں نے گھبرا کر بند دروازے کی طرف دیکھا' غزالی نے لپک کر دروازے کی چٹخنی گرائی۔ اندر سے ایک سوکھا مارا منحنی سا آدمی ہانپتا کانپتا ہوا نکلا۔ ''اوہ مسٹر غزالی' آئی ایم سوری' وہ مسٹنڈے تمہاری سسٹر کو لے گئے۔ میں کچھ نہیں کر سکا۔

میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکا۔ آئی ایم سوری!! آئی ایم سوری''!!! اس نے خشک ہونٹوں کے ساتھ کہا اور ایک کرسی پر ڈھے گیا۔

غزالی نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ ''وہ کتنی دیر ہوئی اسے لے کر گئے ہیں۔''

''وہ تو اسی وقت آن دھمکے تھے۔ جب تمہارے لوگ اسے یہاں چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھے۔ انہوں نے مجھے باتھ روم میں بند کر دیا پھر وہ تین چار مسٹنڈے تھے۔ میں انکا کچھ نہیں کر سکتا تھا' کچھ نہیں' مسٹر غزالی مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری امانت کی حفاظت نہیں کر سکا۔'' اس کے ہونٹوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے اور اسکی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں میلا میلا سا پانی بھر گیا تھا۔ وہ بہت پریشان نظر آتا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ'' غزالی کفِ افسوس ملنے لگا۔ ''مجھے کیا خبر تھی؟ مجھے کیا خبر تھی؟''؟ اس کی آواز رندھ رہی تھی۔ ''میں نے تو اس طرح انہیں الجھانے کی کوشش کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ انہیں اس جگہ کا پتہ نہیں ہوگا' مگر وہ' مگر وہ'' وہ جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ میرے سارے خواب پل

بھر میں بکھر گئے تھے۔ میرے سپنے لمحے بھر میں ٹوٹ گئے تھے۔ آنسو میری آنکھوں میں بھی آ رہے تھے لیکن غزالی کے خیال سے میں انہیں اندر ہی اندر پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں غزالی کا حوصلہ توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ میں اسے شکست سے چور چور نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ''غزالی' حوصلے سے کام لو۔ ٹھنڈے دل سے سوچو!! کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ وہ لوگ دھنک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ اس کے ذریعے سے تم تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دھنک تمہاری کمزوری ہے۔ تم اس کی خاطر ان کا کہا ماننے پر مجبور ہو گے۔''

اس نے پریشانی سے ہونٹ چبائے۔ ''میں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا''!!!
اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''اوہ میرے خدا' میرے برے اعمال کی سزا میری معصوم بہن کو کیوں مل رہی ہے؟''؟

میرے پاس اس کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا لیکن میں نے پھر بھی اس کی ہمت بندھانے کی سعی کی۔ ''غزالی'' اگر تم احساس جرم کا شکار ہو گئے تو ہمت ہار دو گے۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے' نہ اپنے لئے' نہ بہن کیلئے' بس تم ایک بات یاد رکھو کہ تمہیں شکست تسلیم نہیں کرنی۔ تمہیں ہار نہیں ماننی' تمہیں مقابلہ کرنا ہے۔ آخری حدوں تک میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ خود کو اکیلا نہ سمجھو' میں تمہارے ساتھ ہوں' ہاں میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''مسٹر غزالی! یہ لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔''
اس شخص نے بھی میری تائید کی۔

غزالی! اپنے ہونٹ چباتے ہوئے نہ جانے کیا سوچتا رہا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر ایک ایسی سختی چھا گئی کہ اسکے تیکھے نقوش والا جانا پہچانا چہرہ اجنبی اجنبی سا معلوم ہونے لگا۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں جیسے اپنے آپ سے بولا۔ ''مجھے کوئی فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔''

میں نے اس کی خود کلامی سن لی۔ مجھے اس کے انداز میں ایک اجنبیت' ایک لاتعلقی سی محسوس ہوئی۔ میں نے جلدی سے کہا ''غزالی مجھے بھی اپنے فیصلوں میں شریک رکھنا۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی دلکش آنکھوں میں کسی گہری الجھن کا عکس تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میری طرف نہیں درحقیقت کہیں اور دیکھ رہا ہے۔

اس نے میری پیشانی پہ بکھرے ہوئے بالوں کو اپنی انگلی سے سنوارا اور کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا ''ریطہ!!! میں نے جان لیا ہے کہ ہمارے خواب ادھورے ہی رہیں گے۔'' اس کے ٹوٹے ہوئے لہجے نے میرے دل کو جیسے یکبارگی بالکل سنسان کر دیا۔

میں نے تڑپ کر اسے ٹوکا۔ ''مایوسی کی باتیں مت کرو غزالی' مت کرو''!!!

''میرے دامن میں مایوسیوں اور ناامیدیوں کے سوا اور ہے ہی کیا'' اس نے بجھے بجھے سے لہجے میں کہا اور اسکی روشن آنکھوں کو جیسے کسی نے پھونک مار کر بجھا دیا۔ مجھے وہاں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا۔

میں نے گھبرا کر اس کے دونوں شانوں کو تھام لیا۔ ''غزالی! کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم بہت پریشان ہو۔ پلیز تھوڑی دیر یہاں بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے سوچو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔'' میں نے اس کے شانوں پہ دباؤ دیتے ہوئے اسے قریبی صوفے پر بٹھانا چاہا۔

''نہیں''!!! اس نے میرے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے اور میری کلائی پکڑ کر بولا۔

''میں نے جو سوچنا تھا' سوچ لیا ہے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔''

''مگر کہاں......؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

اس نے میری بات نظر انداز کر دی اور پلٹ کر اس گھبرائے ہوئے پریشان حال آدمی کو خدا حافظ کہا اور میرا بازو تھامے ہوئے باہر نکل آیا۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا اور ہم ایک بار پھر اس سیلے ہوئے سبز خطے میں داخل ہو گئے جو مٹی ہوئی تہذیبوں کی سرزمین معلوم ہوتا تھا۔ غزالی چپ تھا لیکن اس کے چہرے پر ایک ایسا تاثر تھا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔ میں نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی' نہ ہی کچھ پوچھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر مدغم ہے کہ شاید وہ میری آواز بھی نہیں سن پائے گا۔

اس نے میرا ہاتھ یوں مضبوطی سے تھام رکھا تھا جیسے چھوٹ جانے کا اندیشہ

ہو۔ وہ اپنی ہی دھن میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ ہم پارک میں سے ہو کر گزرے۔ اس کے مرکزی دروازے سے نکل کر وہ اس راستے پر گامزن ہو گیا جس راستے سے ہم یہاں تک آئے تھے۔ اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ مجھے اپنی انگلیوں میں خون رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

ہم افتی کے اپارٹمنٹ تک آ پہنچے تھے۔ میں نے رخ پھیر کر اس کی طرف دیکھا۔ ''غزالی' افتی کے یہاں چل رہے ہو''......؟

''ہوں''!!! اس نے بند ہونٹوں کے ساتھ کہا۔

سامنے ہی افتی کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھنی چاہی لیکن اس نے مجھے روک لیا۔ ''ٹھہرو' میری بات سن لو۔'' اس کی آواز میں ایک ایسا خوفزدہ کر دینے والا ٹھہراؤ تھا کہ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ریطہ''!!! اس نے ایک ایسے لہجے میں میرا نام پکارا کہ میرا رواں رواں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے میرا دوسرا ہاتھ بھی تھام کر مجھے اپنے مقابل کر لیا اور چند لمحے کچھ ایسی نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا کہ میں پگھلنے لگی' نہ اس نے کبھی اس طرح پکارا تھا' نہ کبھی ایسی نظروں سے دیکھا تھا۔ میں ہولے ہولے لرزنے لگی۔

''کاش' میں تمہیں محفوظ رکھ سکتا' کاش''!!! اس کی آنکھوں اور اس کے لہجے میں ایک تڑپا دینے والی حسرت تھی۔ اس نے سر جھکایا اور اپنی پیشانی میری پیشانی سے لگا دی۔

وقت جیسے ٹھہر گیا اور کائنات میں ایک گہرا سناٹا چھا گیا۔ اس سے اتنی قربت کے باوجود میرے دل میں اداسیاں اترنے لگیں اور میری روح جیسے بالکل تنہا ہو گئی۔ میرے چہرے سے چھوتی ہوئی اس کی گرم سانس مجھے جھلسانے لگی۔

میں نے گھبرا کر اس سے دور ہٹ جانا چاہا' وہ چونک گیا۔ اس نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے اور گلے میں پھنستی ہوئی آواز میں بولا ''ریطہ! میں تمہیں سب بندھنوں سے' سارے وعدوں سے آزاد کرتا ہوں۔ تم بھی مجھے کوئی ادھورا خواب سمجھ کر بھلانے کی کوشش کرنا۔ میری محبت تمہیں عزت و وقار نہیں دے سکتی۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا ریطہ' میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا۔''

میں بھونچکی سی رہ گئی۔ مجھے اپنے کانوں پہ اعتبار نہیں آیا۔ میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو غزالی' یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

اس نے آہ سی بھری اور متاسف لہجے میں بولا۔ ''ریطہ! مجھے یہ فیصلہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا لیکن تمہاری محبت نے' تمہیں پانے کی آرزو نے مجھے خود غرض بنا دیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا' میں نے سمجھا تھا'' اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی اور جیسے خود پر قابو پاتے ہوئے بولا ''چلو چھوڑو جانے دو' اب ان باتوں سے کیا حاصل؟''

''نہیں' غزالی نہیں''!!! میں نے بے اختیار اس کے کوٹ کے کالر پکڑ کر اسے جھنجھوڑ دیا۔ ''میں تمہیں اس طرح نہیں کرنے دوں گی۔ تم اکیلے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میں' میں تمہیں یوں حوصلہ نہیں ہارنے دوں گی' کبھی نہیں۔'' شدید غم و غصے نے مجھے رلا دیا۔ غزالی نے مجھے بازوؤں میں سمیٹ کر پرسکون کرنا چاہا لیکن میں برہمی کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو گئی۔

''سنو' سنو میری بات سنو ریطہ۔'' وہ آگے بڑھ کر ملائمت سے بولا۔

''نہیں' نہیں' میں کچھ نہیں سنوں گی' کچھ نہیں تم میری زندگی کو ویران کر کے نہیں جا سکتے۔ نہیں' تم مجھے محرومیوں کے حوالے نہیں کر سکتے۔'' جذبات کی شدت میں میری آواز معمول سے بلند ہوتی گئی۔

ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کس وقت افتی نے دروازہ کھولا اور ہمارے پاس چلا آیا۔

''کیا بات ہے ریطہ! خیریت تو ہے۔ یہ غزالی سے کیوں لڑ رہی ہو۔'' اس نے حیرت سے کہا۔

ہم دونوں ہی کچھ نہ کہہ سکے تو وہ بولا ''بھئی لڑنا ہے تو اندر چل کر دل بھر کے لڑو' چلو آؤ ریطہ' چلیئے غزالی صاحب آپ بھی۔''

''آپ ریطہ کو لے جائیں' مجھے جانا ہے۔'' غزالی نے دبی زبان میں افتی سے کہا جو میں نے سن لیا۔

''بکواس مت کرو۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' میں غصے میں چلائی۔

''افتی صاحب! اسے سمجھایئے۔'' غزالی بولا۔

افتی نے آگے بڑھ کر میرا بازو تھاما اور ملائمت سے بولا ''ریطہ! اندر چل کر اطمینان سے بات کر لو۔ شاباش' چلو آؤ۔''

''نہیں' میں اندر نہیں جاؤں گی۔ میں غزالی کے ساتھ جاؤں گی۔ یہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔'' میں نے شدید طیش میں اس سے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔

''بیوقوف نہ بنو۔'' افتی نے جارحانہ انداز میں مجھے ایک جھٹکا دیا۔ ''یہاں باہر شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کرو گی۔ نالائق' یہی بک بک اندر جا کر کر لو۔ چلیئے غزالی صاحب آپ بھی' ورنہ یہ چڑیل قیامت بپا کر دے گی۔''

''چلیئے''!!! غزالی نے چلنے کا اشارہ کیا۔

افتی! مجھے ساتھ لئے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ میں آیا اور مجھے ایک نشست پر بٹھاتے ہوئے بولا ''لو بیٹھو مرو اور جتنی دل چاہے بک بک کرو۔ جتنی مرضی آئے اونچا بولو۔ سارا گھر سر پہ اٹھا لو۔ میں تب تک تمہارے لئے کافی بناتا ہوں۔'' وہ کچن کی طرف چلا۔

میں نے دروازے کی جانب دیکھا۔ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں چلائی۔ ''افتی' افتی' دیکھو غزالی کہاں چلا گیا ہے''!

افتی پلٹا اور میں دروازے کی طرف دوڑی' وہ بھی میرے ساتھ آیا۔ اس نے دروازہ کھولا' ہم دونوں باہر نکلے۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

★ ★ ★

میں دیوانہ وار اس طرف لپکی جس طرف سے ہم آئے تھے لیکن افتی نے مجھے دو تین قدموں میں ہی آ لیا۔

"ریطہ! پاگل ہوئی ہو۔ اگر وہ چلا گیا ہے تو تمہارے ہاتھ نہیں آئیگا۔" "نہ نہ اس طرح مت کہو" میں نے تڑپ کر اسے ٹوکا "مجھے اس کے ٹھکانے کا پتہ ہے۔ میں اسے ڈھونڈ لوں گی۔"

"بیوقوف!!! اگر وہ تم سے بھاگ رہا ہے تو وہ اس جگہ کبھی نہیں جائے گا جو تمہارے علم میں ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے ہزاروں ٹھکانے ہوتے ہیں اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔" افتی نے قدرے درشتی سے کہا۔

میرے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ میں شدت کرب سے بے حال ہوگئی۔ میرا سب کچھ لٹ گیا تھا۔ زندگی سے ہر کشش چھن گئی تھی۔ جینے کے سارے جواز مٹ گئے تھے۔ میرا جی چاہا کہ مرجاؤں۔ غزالی کے بغیر میرا دم گھٹنے لگا۔ میرے قدم لڑکھڑائے۔ افتی نے مجھے سنبھال لیا اور میرے شانوں کے گرد بازو لپیٹ کر مجھے اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا۔

میں نے کرچی کرچی ہوتے ہوئے کہا۔ "افتی! میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔"

"لعنت ہے تم پر" اس نے مجھے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ "وہ مسٹنڈا تو تمہارے بغیر نہیں مرے گا' مگر تم ضرور مرنا' اچھا' نالائق' الو کی پٹھی' بہت اچھی لگے گی۔ ایک مجرم کیلئے مرتی ہوئی۔

"بکواس نہ کرو۔ وہ مجرم نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں کے جال میں پھنس گیا

ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ وہ میری خاطر سب کچھ چھوڑ دینے کو تیار تھا۔ اس نے سارے انتظام کر لئے تھے۔ وہ کہتا تھا کہ ہم آج رات ہی یہ ملک چھوڑ دیں گے۔ لیکن' لیکن وہ لوگ اس کی بہن کو اغوا کر کے لے گئے' پھر بھی تم اسے برا انسان سمجھتے ہو۔" میں غصے میں بولتی چلی گئی۔

"نہیں وہ تو بہت اچھا انسان ہے۔" افتی نے منہ بگاڑا "اس ناہنجار نے اپنی بہن کو تباہ تو کیا ہی ہے۔ ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد کرنے پر تلا ہوا تھا۔ نامعقول شخص' تمہیں سبز باغ دکھا رہا تھا۔ ورنہ کیا وہ گدھا اتنا نہیں جانتا کہ وہ دنیا کے جس کونے میں بھی چلا جائے۔ جتنا بھی پارسا بن جائے۔ وہ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ جرم کی بساط بچھانے والے اپنے مہروں کو یوں آسانی کے ساتھ ہاتھ سے نہیں نکلنے دیتے۔"

مجھے افتی کی یہ سچی باتیں سخت بری لگیں۔ "تم اس سے جلتے ہو۔ تم حاسد ہو۔" میں نے شدید غصے میں کہا۔

وہ ہنس پڑا۔ "ہاں میں جلتا ہوں اس سے' حسد کرتا ہوں۔ رقیب روسیاہ بھی ملا تو کیسا' پھٹیچر' تھرڈ کلاس' حسد کرنے کا بھی مزہ نہیں آتا۔"

"افتی کے بچے' خبردار جواب اسے ایک لفظ بھی کہا۔ تم خود ہو پھٹیچر' تھرڈ کلاس' کمینے نہ ہو تو کہیں کے" مجھے اور غصہ آیا۔

"اچھا' اچھا بھئی تم اپنا پارہ اتنا ہائی نہ کرو اب میں اس الو کے پٹھے کو کچھ نہیں کہوں گا۔ پر تم یہ تو بتاؤ کہ اب وہ مردود تم سے کیا وعدہ کر کے گیا ہے۔" افتی نے مفاہمت کا لہجہ اپناتے ہوئے بھی اپنی چھیڑ نہیں چھوڑی۔

میں چڑ گئی۔ "تم خوشیوں کے شادیانے بجاؤ' ناچو!!! گاؤ!!! کہ وہ مردود سارے وعدے توڑ کر چلا گیا ہے۔ اس الو کے پٹھے نے مجھے سارے بندھنوں سے آزاد کر دیا ہے۔ وہ چلا گیا ہے' مجھے چھوڑ کر' تم خوشیاں مناؤ' تم قہقہے لگاؤ۔" میں اپنی بات مکمل نہیں کر سکی۔ میرا گلا رندھ گیا اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ارے! کیا واقعی"!!!! افتی نے حیرت سے کہا اور میرے قریب آن بیٹھا۔

"واقعی' اس نے تم سے یہ سب کہا ہے۔" اس نے پوچھا۔

لیکن میں جواب نہیں دے سکی اور دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔

افتی میرے برابر خاموش بیٹھا رہا۔ اس نے نہ مجھے رونے سے منع کیا نہ تسلی کیلئے کوئی لفظ ہی کہا۔ میرے وجود کا سارا کرب میری آنکھوں کے رستے بہتا چلا گیا۔ میرا ٹکڑے ٹکڑے دل خون ہوتا رہا۔ میں سب کی سب آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

مجھے جینے سے نفرت ہونے لگی۔ مجھے ساری زندگی بیکار معلوم ہونے لگی۔ میری ہتھیلیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں لیکن میرے آنسو تھمنے میں نہیں آ رہے تھے۔

پھر افتی نے میری کلائیاں پکڑ کر میرے ہاتھ میرے چہرے سے علیحدہ کئے۔ میں اس طرح چور چور سی ہو رہی تھی کہ میں کوئی مزاحمت نہ کر سکی۔

''او ریطہ!!! او ریطہ!!! یہ شخص تو تمہیں رلا رلا کر مار دے گا لیکن تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ کیا حال بنا لیا ہے تم نے اس گدھے کے پیچھے اور اسے کوئی خبر ہی نہیں۔ قسم سے ریطہ' اگر یہ شخص کوئی بہتر انسان ہوتا تو میں اسے کان سے پکڑ کر تمہارے پاس لے آتا مگر اس سے رشتہ رکھنا بھی مشکل ہے اور تمہارے لئے اسے توڑنا بھی دشوار ہے۔''

''چھوڑو میرے ہاتھ'' میں نے غصے میں اپنے ہاتھ اسکے ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش کی۔ میری آنکھوں سے آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔ افتی نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے اور مجھے گلے سے لگا لیا۔

''لو بھئی' خوب دل بھر کر رو لو۔ جتنا سوگ منانا ہے منا لو۔ اپنے دل کا غبار ہلکا کر لو۔ ہمارا سینہ حاضر ہے۔ اسے آنسوؤں سے بھگو دو۔''

''بکواس نہ کرو' چھوڑ دو مجھے' چھوڑو' تم بہت کمینے ہو۔'' میں نے چڑ کر اس سے علیحدہ ہو جانا چاہا لیکن اس نے میری ایک نہیں چلنے دی۔ بلآخر میں اس کی بانہوں کے حصار میں بے بس سی ہو گئی اور نہ جانے کیوں میرے آنسو رک گئے۔ ''اب روتی کیوں نہیں ہو نکمی' نالائق؟''؟ افتی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ میں نے مٹھی بھر کر اس کے بال کھینچے ''تم بہت کمینے ہو افتی کے بچے۔''

اس نے میرے ہاتھ سے اپنے بال چھڑائے اور انہیں سہلاتے ہوئے منہ بنا

کر بولا ''کبھی اس ناہنجار کے بھی بال کھینچے ہیں تم نے یا تمہارا یہ جلال سہنے کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں۔''

ضبط کی کوشش کے باوجود میری ہنسی نکل گئی۔ ''ماروں گی میں تمہیں افتی!!! تم بڑے خراب ہو۔''

وہ مسکرایا ''اچھا بھئی' ہم خراب ہی سہی' مگر تمہیں ہنسا تو دیا ناں' رونی صورت کو۔''

میرے زخموں میں پھر ٹیس سی اٹھی۔ ''افتی! تم کیا جانو' میں کتنی دکھی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں۔ بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ اسی لئے دل چاہتا ہے کہ اس الو کے پٹھے کو شوٹ کر دوں جس نے تمہیں ہنسنے کھیلنے کی عمر میں دکھی کر دیا ہے جس کی خاطر تم یوں ٹھنڈی ٹھار آہیں بھر رہی ہو' فکر نہ کرو۔ وہ دو ایک روز میں پھر آن ٹپکے گا۔ ریطہ! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ کسی نئی مشکل میں گرفتار ہونے کیلئے'' اس نے غزالی کے لہجے کی نقل اتاری۔

''افتی! مذاق نہ اڑاؤ۔'' میں روہانسی ہو گئی۔

''اچھا' اچھا' بس رونا مت' تمہاری آنکھوں میں پھر گھٹائیں امنڈ رہی ہیں۔'' افتی نے میرے بال بگاڑتے ہوئے کہا ''اچھا سنو! اب یہ سوگ منانا چھوڑو۔''

اس کی بات ادھوری ہی رہی اور فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ فون سننے کیلئے چلا گیا۔ میں اپنے آنسو پیتے ہوئے سوچنے لگی کہ اگر افتی نہ ہوتا تو شاید غزالی کی جدائی مجھے مار دیتی۔ میرے لئے سانس لینا بھی سزا ہو گیا تھا۔ دکھ کی یہ کٹھن گھڑیاں اس کے دم سے گوارا ہو گئی تھیں۔ اس کی دوستی میری ڈھارس بن گئی تھی۔

افتی فون سن کر واپس آیا تو اس کا چہرہ کچھ کچھ متغیر سا تھا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا ابھی تو وہ ہنستا ہوا اٹھ کر گیا تھا۔ اس نے کچھ بے چین سے انداز میں یوں ادھر ادھر دیکھا جیسے کسی الجھن میں ہو۔

''کس کا فون تھا افتی......؟'' میں نے پوچھ لیا۔

''فون''!!! اس نے یوں کہا جیسے کوئی بات چھپانا چاہتا ہوں۔ ''ہاں فون''!!! وہ جیسے ذہن میں کوئی معقول بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''نہیں کوئی

خاص بات نہیں'' ''تو پھر چھپا کیوں رہے ہو۔ بتاتے کیوں نہیں کہ کس کا فون تھا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''بتا دوں گا تو تمہارا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ جائے گا۔'' وہ بولا

''کہیں غزالی کا فون تو نہیں تھا۔'' میں نے بیتابی سے پوچھا۔

''ہائے یہ بیقراریاں''!!!! اس نے چھیڑا۔

''بکو نہیں' سیدھی طرح بتاؤ کہ فون غزالی کا ہی تھا۔'' میں نے ڈپٹ کر سوال کیا۔

''ہاں!!! اسی نا ہنجار کا تھا۔'' اس نے بتایا

میرا دم میرے حلق میں اٹکنے لگا۔ ''تم نے مجھ سے بات کیوں نہیں کروائی۔''

''اس نے کہا ہی نہیں' تو میں کس طرح بات کرواتا۔'' وہ کہنے لگا۔

''بکواس نہ کرو تم جھوٹ بولتے ہو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''ذرا پہلے وہ بکواس تو سن لو جو موصوف فرما رہے تھے' پھر میری بکواس کی فکر کرنا۔'' وہ میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا......؟'' میں نے فکرمندی سے استفسار کیا۔

''ابھی وہی تھا فون پر' کہہ رہا تھا کہ ربطہ کیلئے بھی خطرہ ہے۔ اسے کسی اور جگہ منتقل کر دو یا......؟'' اس نے تھوڑا توقف کیا۔

''یا......؟'' میری جیسے جان پر بن گئی۔

''یا یہ کہ اس ملک سے ہی دفعان ہو جاؤ اور اپنے ملک میں جا کر سانس لو۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں یہاں سے نکالنے میں وہ ہماری مدد کرے گا۔''

''سچ کہہ رہے ہو افتی؟'' میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

''نہیں' جھوٹ بک رہا ہوں' اس نے منہ بگاڑا۔

''تو پھر......؟'' میں نے فکرمندی سے پوچھا۔

''تو پھر تم بتاؤ کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اس نے کہا ہے کہ کوئی وجہ تو ہو گی۔'' وہ بولا۔ میں بے حد پریشان ہو گئی۔ غزالی سے ہمیشہ کیلئے دور ہو جانے کا تصور ہی جان لیوا تھا۔ اس ملک میں' اس شہر میں یہ آس تو تھی کہ کبھی نہ کبھی' کہیں نہ کہیں اچانک اس

سے سامنا ہو جائے گا مگر اس طرح تو یہ آس بھی خاک میں ملتی نظر آتی تھی۔ میں یوں مایوسیوں کی دلدل میں گرتی چلی گئی کہ جینے سے بھی دل بھر گیا۔ میں نے بے دلی کے ساتھ افتی سے کہا ''افتی' تم میری وجہ سے کیوں مشکل میں پڑتے ہو۔ میں ممی کی طرف چلی جاتی ہوں۔ ان سے آخری بار مل ہی لوں گی۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائیگا۔''

افتی مجھے گھور گھور کر دیکھتا رہا پھر دانت پیس کر بولا دل کرتا ہے ایک لگاؤں بھانپڑ کس کے' ممی کی طرف جا کر کوئی نیا گل کھلاؤ گی۔ وہ پہلے ہی تمہاری وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔ اب اپنی دونوں بہنوں کو بھی ان غنڈوں کے ہتھے چڑھاؤ گی۔

احمق!!! اس نے منہ بگاڑ کر میرے لہجے کی نقل اتاری ''اوپر سے کہتی ہے افتی! تم میری وجہ سے کیوں مشکل میں پڑتے ہو۔''

مجھے مسئلے کی سنگینی کا احساس ہوا۔ ''اب کیا ہو گا افتی''......؟

''اب یہ ہو گا کہ وہ لوگ آئیں گے ظاہر ہے۔ میں تمہیں بچانے کی کوشش تو کروں گا اور اسی کوشش میں کام آ جاؤں گا اور وہ تمہیں کان سے پکڑ کر ساتھ لے جائیں گے۔'' افتی نے بڑی سنجیدگی سے کہا اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''فضول بکواس' بری باتیں منہ سے نہ نکالو افتی۔'' میں نے خفگی سے اسے ٹوکا۔ ''تو تمہیں اور کیا چاہیے تم تو بڑے آرام سے غزالی کے پاس پہنچ جاؤ گی۔ اور ہم کام آئیں یا جہنم میں جائیں۔ تمہاری بلا سے'' اس نے بظاہر مزاحیہ انداز میں کہا مگر اس کی آنکھوں میں مدھم سا شکوہ تھا۔

مجھے یکبارگی احساس ہوا کہ میرے رویئے نے اس کے دل کو زخمی کیا تھا لیکن اس کا ظرف کتنا بڑا تھا کہ وہ رسم وفا نبھا رہا تھا۔ میں نے پریشان ہو کر اس کی آستین گھسیٹ لی۔ ''افتی کے بچے' کیسی باتیں کرتے ہو تم تو میرے بچپن کے ساتھی ہو۔ میرے دوست ہو۔ میرا سہارا ہو!! میں بری سہی لیکن اتنی بری تو نہیں ہوں کہ اپنے سب سے سچے دوست کے خلوص کو نہ پہچانوں' تمہاری محبت کی' تمہارے جذبوں کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ ٹھیک ہے میں نے غزالی سے محبت کی ہے لیکن افتی' افتی میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور سچے لہجے میں کہا ''اگر تم نہ ہوتے تو میں مر جاتی''!!!

''اچھا' اب یہ تقریر بس کرو'' افق نے میرے ہاتھ سے اپنی آستین چھڑالی ''پگلی!!! بھلا میں تمہیں مرنے دوں گا'' اس نے میرے بالوں پر ہولے سے چپت جمائی اور میرا بازو تھام کر بولا ''اٹھو''!!!

''کہاں'' ......؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

''زندگی کو ایک نیا ڈھب دینے'' وہ بولا۔

ٹھیک ایک ہفتے بعد ہمارے قدم اپنی دھرتی کو چھو رہے تھے۔ میرے ادھورے خواب کہیں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میرا بھاری دل اداسیوں میں گھرا ہوا تھا۔ ممی نے میرا بازو تھام لیا۔ ان کے بوڑھے چہرے پر لاانتہا مسرتوں کا عکس تھا۔ انہوں نے چاروں طرف دور دور تک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا ''ریطہ! میں کتنی خوش ہوں کہ میں تم لوگوں کو بچا کر لے آئی ہوں۔''

میرے پاس ان کے جواب میں کہنے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے دوسرے ہاتھ سے افق کا بازو پکڑا اور سرشار لہجے میں بولیں۔ ''ریطہ! افق' تم دونوں نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے۔ میں اپنے ملک کی ہواؤں میں سانس لے رہی ہوں۔ اب تم دونوں' مجھے ایک خوشی اور دے دو' تو مجھے کچھ اور نہیں چاہیے۔

''وہ کیا ممی......؟'' ''کیا آنٹی......؟'' ہم دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

''وہ تم دونوں خود سوچو' میں نہیں بتاؤں گی۔'' ان کا لہجہ معنی خیز تھا۔ انہوں نے ہمارے بازو چھوڑ دیئے اور خود تیزی سے قدم اٹھاتیں ہمارے درمیان میں سے نکل گئیں۔ میں نے اور افق نے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ افق نے آنکھ دبائی' میں نے ہنس کر اس کا منہ چڑا دیا۔

﴾ختم شد﴿